

ریڈیو پبلشر ہونے والی اسلامی تقاریر کا مجموعہ



# پکی عبادت اور مالقات اللہ

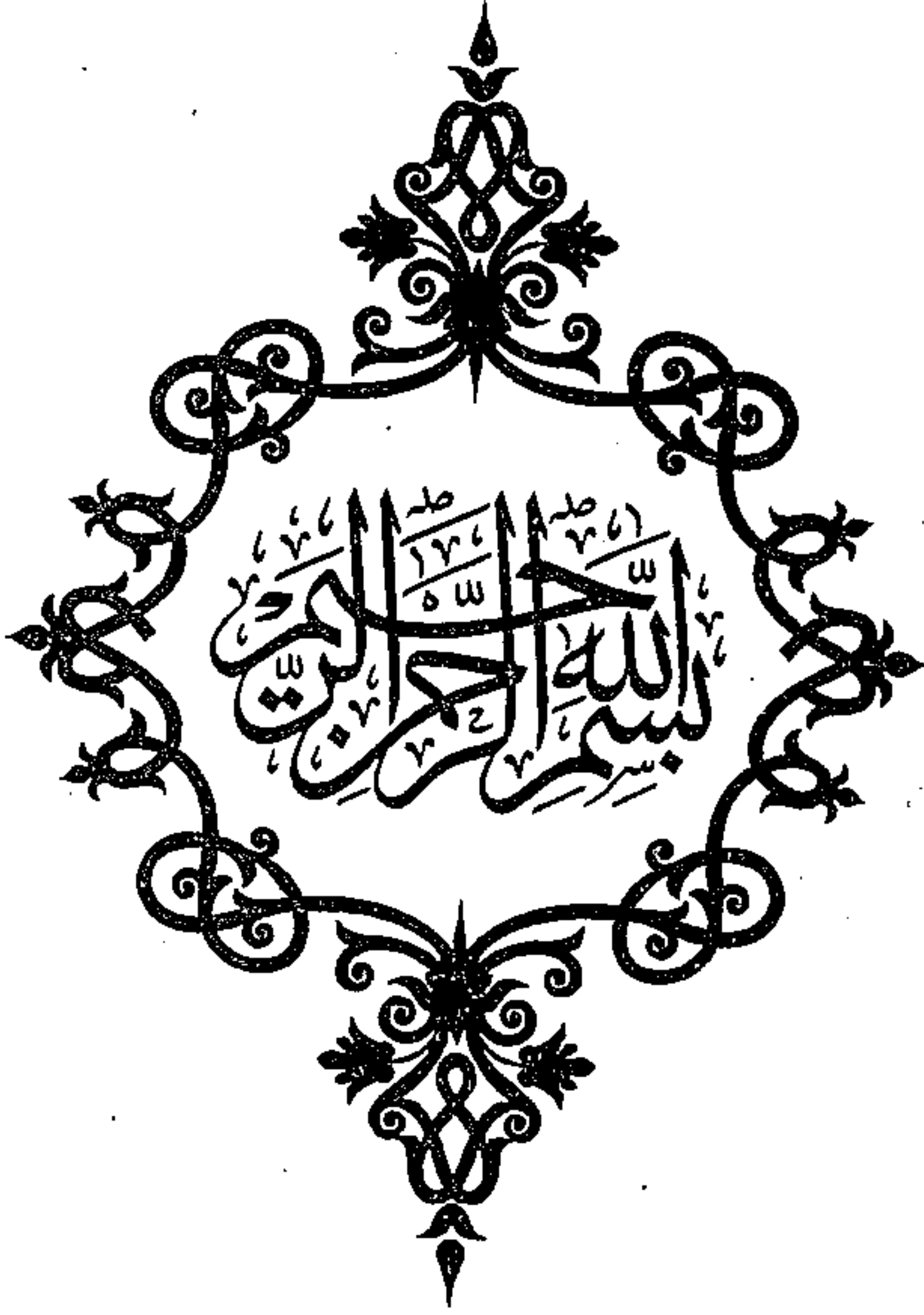


پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام عادل

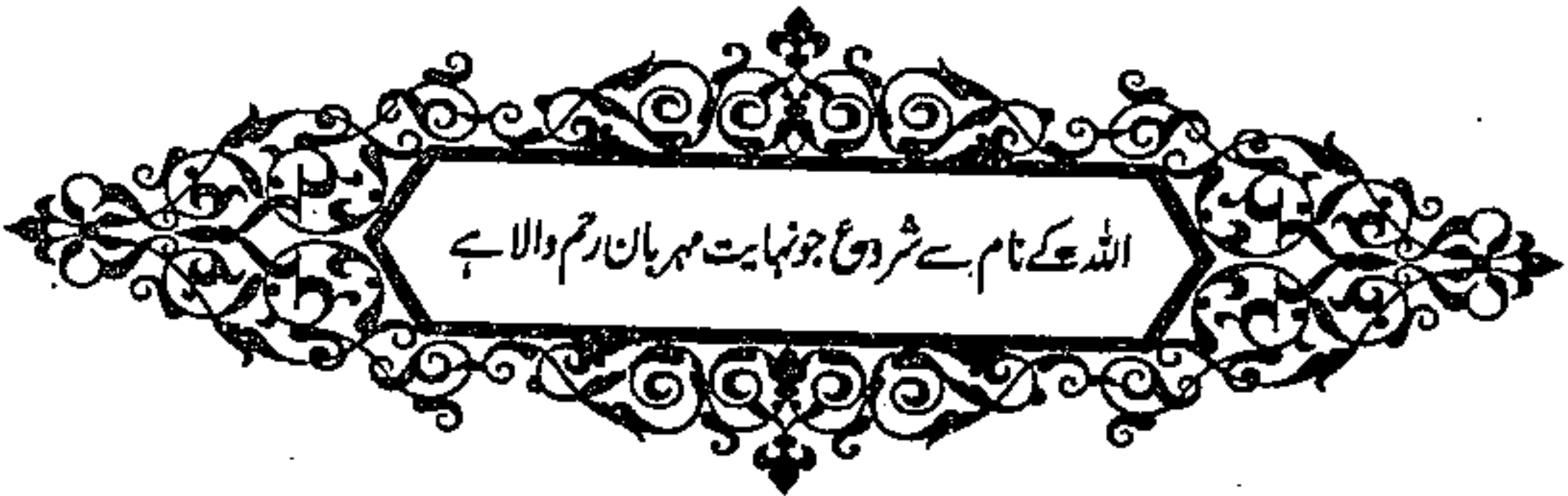




وَاللَّهُ أَكْبَرُ



اللَّهُ أَكْبَرُ  
اللَّهُ أَكْبَرُ  
اللَّهُ أَكْبَرُ



اللَّهُ أَكْبَرُ



# حجی عتلی الفتن اللہ

ریڈیو پر نشر ہونے والی تقاریر کا مجموعہ

DATA ENTERED

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام عادل

ناشران

## بک کارنر

شوروم: بالقبیلان اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہانم پاکستان  
فون نمبر: 0544-614977-0544-0323-5777931


پرنٹرز: پبلشرز-کمپوزرز-ڈیزائنرز-بک سٹریٹ سلیرز-ہول سلیرز اینڈ لائبریری آرڈر سلیٹرز

## جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت	:	اپریل 2014ء
نام کتاب	:	حجی علی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ
تالیف	:	پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام عادل
پروف ریڈنگ	:	محترمہ رومانہ امیر
ترمیم و اہتمام	:	شاہد حمید/ ولی اللہ
معاونین	:	گنگن شاہد/ امر شاہد
کیپوزنگ	:	حافظ محمد احمد
سرورق	:	ابو امامہ
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

”بک کارنر شو روم، جہلم“ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوتی ہیں ان کا مقصد قطعاً کسی کی دل آزاری یا کسی کو نشانہ بنانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے نظریات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کیپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمال بہر حال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو براہ کرم مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی مل لائی جاسکے۔ ادارہ بک کارنر جہلم کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کیلئے بے حد شکر گزار ہیں۔ (ناشر)

- بیت القرآن، چھوٹی گھنٹی، حیدرآباد
- بھٹائی بک ہاؤس، نزد حیدر چوک، گاڑی کھاتہ، حیدرآباد
- نیشنل بک فاؤنڈیشن، تعلیمی چوک، G-8/4، اسلام آباد، رابطہ: 051-2255572
- ویلکم بک پورٹ، مین اردو بازار، کراچی، رابطہ: 021-2633151
- اقرأ بک کارنر، برکت چوک، ٹاؤن شپ، لاہور، رابطہ: 0321-5903660
- لاہور بک سنٹر، نزد گورے بیکری، ڈسکہ، رابطہ: 0300-0700313



**BOOK CORNER SHOWROOM**  
 Opposite Iqbal Library, Book Street, Jhelum, Pakistan  
 Ph: +92 (0544) 814977, 621953 - Mob: 0323-577931, 0321-5440882  
 http://www.bookcorner.com.pk - email: bookcornershowroom@gmail.com

[www.facebook.com/bookcornershowroom](http://www.facebook.com/bookcornershowroom)

انتساب

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے  
 ان عظیم السالوؤں کے نام  
 جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے  
 اچھے کام کرنے کا حکم دیتے  
 اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔  
 اور  
 بدشہ نجات پا جانے والے ہیں۔

بدھ ۱۶ ۳  
 ۶۲۰۱۱  
 مسجد نماز عمر ریاض الجنۃ  
 مدینہ منورہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
مَدِحَتِ سَبِي

وَاحْسِنِينَ الْمَرْقُطِ عَيْنِي

وَاجْأفِنَا لِمَرْتَلَا لِنِسَاء

خُلِقَتْ مَبْرَأً مِنْ كَلِّ عَيْبِي

كَأَنَّا قَدْ خَلَقْتَ كَمَا نَشَاء

”آپ ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے جنا ہی نہیں، آپ ﷺ کو ہر عیب سے مبرا پیدا کیا گیا، گویا آپ ﷺ کی تخلیق آپ ﷺ کی مرضی اور چاہت کے عین مطابق کی گئی ہے۔“

(دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

Tel: Off: 9200590

Fax: 9200658

Res: \_\_\_\_\_

## Pakistan Broadcasting Corporation HYDERABAD.

Ref. No. R.D/HYD/2014

Date 16/01/2014

### اجازت نامہ

محترم عبدالسلام عادل، ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے شعبہ تقاریر سے گذشتہ دو دوہائی سے زائد عرصے سے منسلک ہیں۔ شریف النفس اور ملنسار شخصیت کے مالک ہیں، مختلف دینی اور سماجی موضوعات پر اپنا مخصوص اندازِ تحریر رکھتے ہیں۔ مجھے یہ اجازت نامہ دیتے ہوئے نہایت مسرت محسوس ہو رہی ہے۔ یقیناً ریڈیو سے نشر ہونے والی یہ تقاریر جب کتابی شکل میں سامنے آئیں گی تو قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔

*(نصیر مرزا)*

(نصیر مرزا)

اسٹیشن ڈائریکٹر



## فہرست مضامین

14	اللہ رب العزت کی بارگاہ میں
15	محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں
16	ابتدائیہ
20	فکرِ ہر کس
22	گر قبول افتد زہے عزت و شرف
23	اپنی بات
حصہ اول	
25	(ماہ ربیع الاول کی خصوصی تقاریر اور سیمینارز سے خطاب مع سوال و جواب)
26	رسول اللہ ﷺ اور نظامِ عدل
36	سوال و جواب
38	ذخیرہ اندوزی اور تجارت، سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں
48	سوال و جواب
51	سیرتِ طیبہ ﷺ اور معاشیات
61	سوال و جواب
63	ختم الرسل ﷺ بحیثیت والد
76	سوال و جواب
79	قرض کی ادائیگی

88	..... سوال و جواب
91	..... صراطِ مستقیم کے مسافر
100	..... سوال و جواب
102	..... انبیائے کرام کی بعثت فلاحِ انسانی کا ذریعہ ہے
106	..... حضورِ اکرم ﷺ بحیثیتِ عظیم انقلابی
110	..... دعوتِ حق میں پیش آنے والی مشکلات
115	..... معجزاتِ رسول ﷺ
119	..... شانِ محبوب سبحانی ﷺ
123	..... سیرتِ انبی ﷺ اور شیریں گفتاری و خوش کلامی
128	..... سیرتِ انبی ﷺ، بھائی چارہ اور معاشرہ
133	..... حضورِ اکرم ﷺ پیکرِ صبر و استقلال
137	..... نبی مکرم ﷺ کی تعلیماتِ صبر و شکر
142	..... سیرتِ انبی ﷺ اور توبہ و استغفار
147	..... عمل کی اہمیت
151	..... عملِ صالح
155	..... فرض کی ادائیگی

### حصہ دوم

159	..... (پروگرام ”حی علی الفلاح“ کے معروف سلسلے ”درسِ حدیث“ میں نشر ہونے والی تقاریر)
160	..... آدابِ مجلس
163	..... نطبہٴ نکاح
166	..... میقاتِ کاتعتین
170	..... مرغ کی اذان

- 173 ..... مرض پر صبر و شکر
- 176 ..... بیمار پر دم جھاڑ کرنا مستحب ہے
- 179 ..... کلونجی ہر بیماری کے لیے شفا بخش
- 182 ..... سورہ واقعہ کے فضائل
- 185 ..... نماز اور خطبے کا بیان
- 188 ..... نماز کی تاثیر اور برکت
- 192 ..... نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت
- 195 ..... چاشت کی نماز مستحب ہے
- 199 ..... شب قدر اور طاق راتیں
- 202 ..... نوافل کا ایک خاص فائدہ
- 206 ..... جماعی کے بارے میں نبی مکرم ﷺ کی ہدایت
- 210 ..... نومولود کے کان میں اذان
- 213 ..... اولاد سے محبت
- 216 ..... ہبہ کرتے وقت اولاد میں فرق کرنا
- 219 ..... نبی مکرم ﷺ کا مزاج
- 222 ..... محبت رسول ﷺ کے تقاضے
- 225 ..... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام
- 228 ..... بہترین عورت
- 231 ..... قرض کی ادائیگی
- 235 ..... ادائیگی قرض میں نیت کا اثر
- 238 ..... اعمالِ صالحہ
- 242 ..... ایک ظلم دوسرے ظلم سے کم تر ہوتا ہے
- 246 ..... اہل یمن اور مصافحہ

- 249 ..... دنیا سے بے رغبتی
- 252 ..... غصب و خیانت
- 225 ..... غصب کے بارے میں اسلامی تعلیم
- 258 ..... ایفائے عہد
- 262 ..... دوستی کے اثرات
- 265 ..... دوستی اور قطع تعلق
- 268 ..... غیبت اور بہتان
- 272 ..... انسانوں سے حسن سلوک
- 277 ..... ہمسائے اور مہمان کی عزت و تکریم
- 280 ..... امارت و حکومت باعثِ ندامت
- 283 ..... مال و متاعِ دنیا کا حسن و جمال پُر فریب ہے
- 287 ..... بیعت کے وقت ”سمع و طاعت بقدر استطاعت“ کہنا چاہیے
- 290 ..... طالبِ دنیا اور طالبِ آخرت
- 294 ..... حسنِ طلب، صبر کی عادت اور مقام
- 297 ..... ہدیے کو حقیر جاننا
- 300 ..... وسائل و ذرائع کی پاکیزگی
- 304 ..... نیکی کے کام اور رضائے الہی
- 307 ..... نیکی اور گناہ
- 310 ..... اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا
- 314 ..... احسان کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے
- 317 ..... مغفرتِ ظلی
- 322 ..... عذابِ قبر کی حقیقت
- 326 ..... یوم الحشر میں سوالی کے لیے ذلت

- 329 ..... یوم الحشر اور زمین کی گواہی  
332 ..... عرش کے سائے میں جگہ پانے والے  
335 ..... جنت کا حصول



اللہ

رب العزت کی بارگاہ میں

اللہ کرم کر دے، مولا تُو کرم کر دے  
 رحمت کی نظر کر دے، مولا تُو کرم کر دے  
 ہم خیر کے طالب ہیں، تُو شر سے بچا ہم کو  
 ہمیں خیر کا گھر کر دے، مولا تُو کرم کر دے  
 الجھن میں پڑی جاں ہے، آنسو نہیں تھمتے ہیں  
 قطروں کو گھر کر دے، مولا تُو کرم کر دے  
 بکھرے ہیں مسلمان جو، تنکوں کی طرح باہم  
 تُو شیر و شکر کر دے، مولا تُو کرم کر دے  
 ہیں آنکھ بھی نمیدہ، لرزیدہ قدم اس کے  
 عادل پہ رحم کر دے، مولا تُو کرم کر دے

جذبات، خیالات اور احساسات کا یہ اظہار حرمِ مکی (خصوصاً مسجد الحرام) میں ہوا۔ جب جون۔ جولائی ۲۰۱۰ء میں حجِ اصغر (عمرے) کی سعادت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ



محمد

## رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں

رحمت تو برستی ہے، دن رات مدینے میں  
 بگڑی بھی سنورتی ہے، دن رات مدینے میں  
 قسمت کے ماروں کا، تو ہی تو سہارا ہے  
 تقدیر بدلتی ہے، دن رات مدینے میں  
 ہر شخص مدینے کا، پیکر ہے محبت کا  
 خوشبو جو بکھرتی ہے، دن رات مدینے میں  
 ہوتا ہے پریشاں کیوں، کیسی ہی مصیبت ہو  
 اک آن میں ٹلتی ہے، دن رات مدینے میں  
 سرکار کرم کر دو، مجھ بے کس و بے بس پر  
 بگڑی ہوئی بنتی ہے، دن رات مدینے میں  
 ہوتا رہے نظارا، بس گنبدِ خضرا کا  
 خواہش یہ مچلتی ہے، دن رات مدینے میں  
 معراج تو افضل پر، ہر لمحہ ہی نورانی  
 بارش کہ برستی ہے، دن رات مدینے میں  
 معراج کی شبِ عادل، سرکار کے سرہانے  
 قسمت تیری بنتی ہے، دن رات مدینے میں

جذبات، خیالات اور احساسات کا یہ اظہار حرمِ نبوی (خصوصاً ریاض الجنہ) میں ہوا۔ جب جون۔ جولائی ۲۰۱۰ء میں حجِ اصغر (عمرے) کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سال شبِ معراج صاحبِ معراج کے سرہانے گزارنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ

## ابتدائیہ

ایک رُوح پرور اور فردوس بداماں صدا

اس ماڈیت زدہ دَور میں انسان فکری دباؤ، نظریاتی الجھاؤ اور ذہنی تناؤ کا شکار ہے..... تنگ نظری، کوفت اور گھٹن کی کرب آمیز کیفیات سے دوچار ہے..... دُنیاوی جھمیلوں اور فانی بکھیڑوں میں دلچسپی لینے والا انسان باطنی اضطراب اور روحانی التہاب میں گرفتار ہے..... وہ جہان ہست و بود کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے اپنی حیاتِ مستعار کو خوشگوار بنانا چاہتا ہے..... کبھی تو وہ انجمن کی کثرت آمیزی سے لطف اندوز ہو کر اندرونی خلفشار کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی خلوت آرائی کر کے اپنا غم غلط کرنے میں سرگرداں ہوتا ہے..... ایسے میں وہ زر، زن اور زمین کی ناختم ہونے والی ذہنی اذیتوں میں الجھ کر کبھی تو زندگی سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے اور کبھی اسے عارضی خوشیوں کے پردے میں راحت و سکون کے لیے اُمید کی کوئی کرن چمکتی دکھائی دیتی ہے..... لیکن جلد ہی وہ اس سراب کی حقیقت سے آشنا ہو کر نئی خوشیوں کی جستجو میں آگے چل پڑتا ہے.....

انسان کے اس کربِ مسلسل، اضطرابِ پیہم اور لامتناہی رنج و الم کے بادل نہ چھٹتے ہیں اور نہ ہی اسے کوئی امید افزا صورت کا سراغ ملتا ہے..... اس بے بسی، بے کسی اور بے چارگی کی روح فرسا کیفیت میں قادرِ مطلق اپنی مخلوق کی اس در ماندگی، در یوزہ گری اور در بدر کی کوچہ گردی پہ رحم فرما کر ”حی علی الفلاح“ کی رُوح پرور، بہار آفریں اور امید افزا صدائے دل نواز سے اسے بلاتا ہے کہ

”اے پیکرِ رعنائی و زیبائی! آ میں تجھے ادھوری کامیابی اور عارضی خوشیوں کی بجائے فوز و فلاح اور صلاح و نجات کی یقین آگیں منزل کا پتا دیتا ہوں۔ ظلمتوں

سے نکال کر روشنیوں کے جہان کا نظارہ کرواتا ہوں..... مایوسیوں کی تنگ و  
تاریک دلدل سے نکال کر اُمید ورجا کی دل کش بستیوں میں پہنچاتا ہوں.....  
..... کرب و اضطراب کے خارزاروں سے نکال کر سکون و قرار کے لالہ زاروں  
کی فضا دیتا ہوں..... فانی خوشیوں کے سراب کے بدلے ابدی اور سرمدی  
طمانیت کا فردوس بداماں ماحول عطا کرتا ہوں..... ذہنی کلفتوں سے نجات  
دلا کر اقلیم راحت کی تاجوری سے نوازتا ہوں..... بس ایک کام تم کر لو کہ

قولوا لا اله الا الله.....

یعنی مجھے مان لو اور میری مان لو.....

تفلحوا.....

کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔

آؤ..... اسلام کے فردوس بداماں، دل افروز، جان پرور اور روح افزا پیغام  
کو سمجھ کر قبول کر لو، سارے درد دور ہو جائیں گے..... اضطراب کے  
سارے آئینے چکنا چور ہو جائیں گے..... اور رنج و الم کی ساری ظلمتیں  
کافور ہو جائیں گی۔ شرط یہ ہے کہ دل کے ساتھ میرے احکامات کی تعمیل کر کے  
متقیوں کی فہرست میں شامل ہو جاؤ..... تاکہ

اولئک ہم المفلحون۔

اور زمرہ مومنین میں شامل ہو کر

قد افلح المومنون۔

کے مژدہ جاں فزا کا صحیح استحقاق و مصداق تمہارے دامن کی زینت بن سکیں۔“

قارئین کرام!

فکری افراتفری، نظریاتی بے راہ روی اور عملی ابتری کے اس تناظر میں وارثانِ  
منبر و محراب، صاحبانِ جبہ و دستار، اربابِ علم و دانش اور اصحابِ قلم و قرطاس کی اجتماعی ذمہ  
داریوں میں شامل ہے کہ اسلام کے حیات بخش نظریات، فوز و فلاح کے حامل افکار اور  
روح پرور پیغامات کو عوام و خواص تک پہنچائیں..... ابلاغ و تبلیغ اور ترویج و ترسیل کا

ایسا ہی اہم فریضہ ہمارے ممدوح نامور دانشور، صاحب علم و فضل خوش بیاں مقرر جناب ڈاکٹر عبدالسلام عادل صاحب نے سرانجام دیا ہے اور بحسن و خوبی سرانجام دیا ہے..... انھوں نے ایک عرصہ تک ریڈیو پاکستان کے ذریعے الوہی و مصطفوی ﷺ پیغام عظمت مقام کی مختلف جہتوں سے عوام و خواص کو آگاہ و آشنا کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے کام و دہن سے نکلنے والے حکمت کے موتی، حی علی الفلاح کے عنوان سے ریڈیائی لہروں کے دوش پر سوار ہو کر وطن عزیز کے اطراف و اکناف میں پہنچے۔

ڈاکٹر صاحب وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ گفتگو کے صوتی آہنگ اور فنی رنگ سے بخوبی واقف ہیں..... اس لیے یہ تقاریر حسن جامعیت اور کمال معنویت کا مرقع جمیل ہیں۔ گفتگو کا دورانیہ اگرچہ کم ہوتا مگر مختصر سے دورانیے میں بات مکمل کرنا اور سلیقے سے سمجھا دینا ممدوح کی موضوع پر علمی گرفت اور زبان و بیان پر فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے..... ہر چند تقاریر میں علمی نکتہ آفرینیاں، فلسفیانہ موشگافیاں اور سائنسی دلائل و براہین کی بہتات تو نہیں لیکن زبان و بیان کی سادگی، قرآن و حدیث کی آسان و عام فہم تشریح، تحریر کی برجستگی، مزاج کی شگفتگی، مفردات و مرکبات کی شستگی اور قلم کی خندہ نگاری ہر ہر صفحہ بلکہ ہر ہر سطر سے عیاں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لب و لہجہ، اندازِ تکلم، طرزِ مخاطب اور اسلوب بیان کی سحر طرازیوں اور دل آویزیوں کے گواہ تو ان کے سامعین ہیں مگر علم و حکمت اور فکروں کے اس گلدستے سے اب ہر صاحبِ ذوق اپنے دل و دماغ کو معطر و معنبر کر سکتا ہے۔

بلاشبہ اس مجموعہ تقاریر سے کثافت آلود دل محبت رسول ﷺ کی عطربیزیوں سے مہک جائیں گے..... جہالت کی تاریکیاں کم ہو جائیں گی..... ماڈیت گزیدہ ذہنوں کو عشق و عقیدت کی لطافتوں سے آشنائی نصیب ہوگی..... سفلی جذبات سے مغلوب دماغوں کو لاہوتی نعمات کی ریلی چاشنی ملے گی۔

موضوعات کا تنوع، مطالب کی گہرائی، حسن تاثیر کی نکہت اور جملوں کی سلاست و روانی قاری کو کسی لمحہ اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتی اور وہ بغیر کسی انقطاع کے اسے پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

چوں کہ گفتگو کے موضوعات روزمرہ کی ضروریات کے ہیں، بنیادی فکری عنوانات کی اہمیت اور ضروری عملی پہلوؤں کی افادیت کے پیش نظر پاکستان کا عظیم اشاعتی و طباعتی ادارہ ”بک کارنز“ اس کتاب کو کاغذی پیرہن میں عوام و خواص تک پہنچانے کا عظیم فریضہ ادا کر رہا ہے۔ دیدہ زیب طباعت، خوبصورت سرورق، مضبوط جلد بندی اور معیاری اشاعت پر ادارہ بلاشبہ تحسین و آفرین کا مستحق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت تامہ عطا فرما کر افادیت عامہ کا سبب بنائے۔ آمین!

پروفیسر سید امیر کھوکھر  
ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل، ایم فل  
اتراء شہر، ضلع خوشاب

## فکر ہر کس

اس گتھی کو برسوں گزرنے کے بعد بھی میں نہ سلجھا سکا کہ مجھ جیسے خطا کار و گنہگار شخص سے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے کام کروائے جو نہ صرف میرے بس سے باہر تھے بلکہ وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شاید یہ کسی کی دعا کا اثر تھا۔

یہ ۱۹۸۸ء سے پہلے کی بات ہے کہ ابھی رمضان شریف کے شروع ہونے میں دو تین ہفتے باقی تھے کہ خیال آیا کہ اس بار رمضان میں کوئی ایسا پروگرام پیش کیا جائے جو اس سے پہلے کبھی نہ کیا ہو۔ یہ شاید اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم تھا کہ اچانک ایک آئیڈیا ذہن میں آیا کہ قرآن کریم کے تیس پارے ہیں کیوں نہ ہر پارے پر مبنی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے مولانا عبدالستار ہاشمی صاحب سے بات کی اور وہ یہ تقریریں کرنے پر آمادہ ہوئے جن کا عنوان تھا ”پارہ بہ پارہ“۔ الحمد للہ کہ یہ تقریریں بہت پسند کی گئیں۔

ایک سال گزرنے کے بعد اسی خیال کے حوالے سے ایک اور خیال ذہن میں آیا کہ کیوں نہ قرآن حکیم کی ہر سورہ پہ ایک تقریر نشر کی جائے۔ اس خیال کے آتے ہی میں استاد گرامی قدر پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ موضوع کو سنتے ہی وہ تقریر کے لیے تیار ہو گئے اور قرآن کی ہر سورہ پہ تقریر ریکارڈ کروائی جس کی ریکارڈنگ آج بھی ریڈیو پاکستان حیدرآباد کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان تقریروں پر مبنی کتاب ”مطالب القرآن“ کے اب تک میرے علم کے مطابق سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اب اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے یہ عرض کرنا ہے کہ ریڈیو پاکستان کے ہیڈ کوارٹر اسلام آباد سے حکم آیا کہ ”درس حدیث“ کے عنوان سے تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ یہ تقریریں قومی نشریاتی رابطے پر روزانہ نشر کی جائیں گی۔ ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے حصے میں ہر سہ ماہی میں چھ یا سات تقریروں کا کوٹہ مقرر کیا گیا۔ اتفاق یہ کہ اس کام کی ابتدا بھی اس گنہگار کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ تقریریں کرنے والوں میں

پروفیسر عبدالرزاق میمن، پروفیسر ثناء اللہ بھٹو، پروفیسر انور حسین (یہ تینوں حضرات جامعہ سندھ کے اسلامی تعلیمات کے شعبے سے تعلق رکھتے تھے) مفتی احمد میاں برکاتی، مولانا وصی مظہر ندوی، مولانا شجاع الدین رتوی و دیگر علمائے کرام شامل تھے۔ اسی دوران پروفیسر عبدالسلام عادل صاحب جو اردو کے پروفیسر ہیں اور جو ریڈیو کے ادبی پروگرام میں شرکت فرماتے تھے بلکہ ریڈیو کے سنجیدہ پروگراموں کے بہترین سامع تھے اور مختلف پروگراموں پر اپنے تبصروں اور مثبت تنقید سے نوازتے رہتے تھے۔ ان کی علمیت اور قابلیت کے پیش نظر میں نے ”درس حدیث“ کی ایک تقریر ان کو لکھنے کے لیے دی۔ وقت مقررہ پر یہ تقریر لکھ کر لائے۔ میں نے ان کی تقریر پڑھی۔ اس کے بعد میری یہ کیفیت تھی کہ میں کبھی ان کو اور کبھی ان کی تقریر کو دیکھتا۔ مجھے تعجب ہوا کہ ایک شخص جو اردو ادب کا معلم ہے کیا وہ اتنا ہی وقیع اسلامی علم کا بھی حامل ہو سکتا ہے لیکن ایسا ہے کیونکہ ہر بار جب یہ تقریر لکھ کر لاتے تھے تو مختلف حوالہ جات سے تقریر کو اتنا مستند کر دیتے تھے کہ جس کو قبول کرنا یقینی ہوتا تھا۔ میرے نزدیک ایسی صلاحیتوں سے لیس ہونا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم بلکہ بندے کی ریاضت اور دین سے شغف کی بات ہے۔ پروفیسر عبدالسلام عادل صاحب بڑی خوبیوں کے حامل ہیں۔ اس میں کوئی انکسار نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ میں ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صلاحیتوں میں مزید اضافہ فرمائے گا۔ یہ بڑی خوش آئند اطلاع ہے کہ سلام صاحب اپنی ان تقریروں کو کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ یہاں میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لوگ ان کی کتاب کو پڑھیں اور اس سے اپنے دینی علم میں اضافہ کریں۔ ان کی تقریریں سادہ لیکن جامع ہوتی ہیں۔

احقر

حمود صدیقی

سینئر پروڈیوسر (ریٹائرڈ)

ریڈیو پاکستان حیدرآباد

## مگر قبول افتدز ہے عز و شرف

عشقِ رسول ﷺ متاعِ حیات ہے، ہر بندۂ مومن کو اس کا بھرپور اظہار کرنا چاہیے۔ قول کے ذریعہ بھی اور فعل کے ذریعے بھی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے قول و فعل میں سیرتِ رسولِ عربی ﷺ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ پروفیسر عبدالستلام عادل صاحب، ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے شعبہ مذہبی امور سے وابستہ ہیں۔ مقامی اور قومی پروگرام، تقاریر، سیمینارز، مذاکرے وغیرہ میں اپنے افکار کا اظہار کرتے ہیں، سلیبس اور سادہ لہجے میں بہت اہم اور معلوماتی گفتگو کرتے ہیں، جس کی بنا پر سامعین میں خاصی پذیرائی بھی حاصل ہے۔ آپ خود بھی اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان اس اعتبار سے بھی نثریاتی اداروں پر فوقیت رکھتا ہے کہ اس کے اسٹوڈیوز سے نشر ہونے والا ہر لفظ، احترام اور محبت پر مبنی ہوتا ہے۔ وطن عزیز میں باہمی یکجہتی پیدا کرنے کے لیے اس کا کردار مثالی ہے۔ شعبہ مذہبی امور نے بھی اس طریقہ کار کو اپنایا ہے اور یہاں ہر عقیدے اور فکر کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ پروفیسر عبدالستلام عادل صاحب کی ان تقاریر میں بھی یہ سوچ جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ اللہ پاک ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور عشقِ نبی ﷺ سے ہم سب کو سرشار رکھے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

کنبد آگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب

تاری محمد حسین

سینئر پروڈیوسر

ریڈیو پاکستان حیدرآباد

۱۵ جنوری ۲۰۱۳ء

۱۲۵۸۳۸



## اپنی بات

برسوں پرانی بات ہے حیدرآباد ریڈیو اسٹیشن پر محمود صدیقی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں انھوں نے پروگرام ”حی علی الفلاح“ کے سلسلے ”درسِ حدیث“ کے لیے ایک تقریر لکھنے کو کہا۔ میں تقریر لکھ کر حاضر خدمت ہوا تو انھوں نے پڑھا اور مجھے ساتھ لے کر ریکارڈنگ اسٹوڈیو میں آگئے اور تقریر ریکارڈ کر لی۔ پھر یہ ہوا کہ بار بار یہ موقع ملتا رہا اور دل بہت خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی باتیں عوام الناس تک پہنچانے کے لیے اس عاصی و گناہ گار کو بھی منتخب کر لیا ہے۔ وقت گزرتا گیا اور وہ کام ہوتا رہا جو اللہ تعالیٰ مجھ سے لینا چاہتا تھا۔ ماہِ ربیع الاول کے مواقع پر خصوصی سیمینارز اور تقاریر بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

تقاریر کا نشریاتی دورانیہ کم و بیش دو دہائی پر مشتمل ہے اور میں نے ان بیس سالوں میں کبھی نہیں سوچا کہ یہ تقاریر کتابی شکل میں شائع کرواؤں مگر میرے بیٹے حافظ محمد احمد نے اس خواہش کا اظہار کیا اور تقاریر کی تلاش و جستجو میں لگ گیا پھر جو کچھ دستیاب ہو سکا وہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سلسلہ میں ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے پروڈیوسر قاری محمد حسین صاحب کی باتوں نے بھی مہمیز کا کام کیا۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ماہِ ربیع الاول کی خصوصی تقاریر اور سیمینارز سے خطاب مع سوال و جواب (جو حاضرین کی طرف سے پوچھے گئے) شامل ہیں جب کہ دوسرے حصے میں پروگرام ”حی علی الفلاح“ کے معروف سلسلے ”درسِ حدیث“ میں نشر ہونے والی تقاریر ہیں جن کے لیے موضوعاتی حدیث پروگرام پروڈیوسر کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس کتاب میں بعض باتیں، قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ایک سے زائد بار بیان ہوئی ہیں اور ایسا بہ حالتِ مجبوری ہوا ہے کیوں کہ یہ تقاریر گاہے گاہے مختلف مواقع پر لکھی گئی ہیں اور موضوع کی ضرورت کے تحت ان کا بیان کرنا ضروری تھا۔ یہ

کتاب چوں کہ ریڈیائی تقاریر کا مجموعہ ہے، لہذا مقررہ وقت میں جس قدر تفصیل یا اختصار سے کام لینا پڑا وہ بھی ایک مجبوری تھی۔ اگر بات کی وضاحت میں کہیں کوئی کمی، کمزوری یا خامی نظر آئے تو اسے میری کم علمی سمجھ کر معاف کر دیجیے گا۔ حتیٰ الامکان کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ، آیات اور احادیث میں کوئی غلطی نہ ہو لیکن پھر بھی ہم ہر پل اپنے آپ کو قابل اصلاح سمجھتے ہیں۔ آپ کی تحقیقی نظر کہیں بھی کوئی غلطی یا قابل اصلاح پہلو کی طرف جائے تو اطلاع کیجیے، ہم شکر گزار ہوں گے۔

میں ان تمام احباب کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر یہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے تقاریر لکھوانے سے لے کر شائع ہونے تک قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور تعاون فرمایا۔ خاص طور پر محمود صدیقی صاحب جن کی نظر عنایت سے اس مبارک کام کا آغاز ہوا، قاری محمد حسین صاحب جن کی دلچسپی اور مشورے قدم قدم پر رہبری کرتے رہے، اپنے بیٹے حافظ محمد احمد جنہوں نے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر یہ تقاریر جمع کر کے کمپوزنگ کا کام کیا، بیٹی نبیلہ جس نے پروف چیک کرنے میں معاونت کی اور بک کارنر پبلشنگ ہاؤس کے ڈائریکٹر گنگن شاہد اور امر شاہد جن کی دلچسپی اور تعاون سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ کوشش اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

طالب دعائے نیم شب

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام عادل

## حصہ اول

ماہ ربیع الاول کی خصوصی تقاریر اور سیمینارز سے خطاب

مع سوال و جواب

## رسول اللہ ﷺ اور نظام عدل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صاحبِ صدر، معزز حاضرین و سامعین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کی یہ  
بابرکت محفل سیرتِ طیبہ ﷺ کے حوالے سے ہے اور مجھ ناچیز کو اس میں ”رسول  
اللہ ﷺ اور نظامِ عدل“ کے بارے میں اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی ہے۔

عدل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی برابری کے ہیں۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے  
اور زندگی کے جملہ معاملات پر محیط ہے عدل پر بھی زور دیتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کا امن  
و سکون عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک صالح معاشرے کا قیام اسی وقت ممکن ہے  
جب وہاں عدل کا دور دورہ ہو کیوں کہ عدل کے بغیر کسی بھی معاشرے میں خوشحالی، امن  
اور ارتقا کے مراحل بھی طے نہیں ہو سکتے اور معاشرے کے افراد خوف و ہراس اور بے راہ  
روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

عدل و انصاف کے حوالے سے قرآنِ کریم کی سورۃ المائدہ آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ کا  
ارشادِ مبارک ہے:

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا  
کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔  
انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک  
نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔“

اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتے

دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔“

نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات اہل دنیا کے لیے کامل نمونہ عمل ہے۔ ہم اپنی زندگی کے کسی بھی عمل کے لیے رہبری چاہتے ہوں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہمارے لیے کسی روشن منارے سے کم نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو اہم بات دی ہے نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ میں اس کی عملی تفسیر موجود ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ النساء کی آیت ۵۸-۵۹ میں جہاں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے:

”اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو اللہ تمہیں بہت

خوب نصیحت کرتا ہے بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ مومنو! اللہ اور اس کے

رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی اور

اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو

تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی

بات ہے اور اس کا مال بھی اچھا ہے۔“

وہاں سورۃ النساء ہی کی آیت ۱۰۵ تا ۱۰۷ میں اپنے محبوب پیغمبر کو بھی حکم دیتے ہوئے

فرماتا ہے:

”(اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی ہدایات کے

مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو اور (دیکھو) دعا بازوں کی حمایت میں کبھی

بحث نہ کرنا اور اللہ سے بخشش مانگنا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو

لوگ اپنے ہم جنسوں کی خیانت کرتے ہیں ان کی طرف سے بحث نہ کرنا کیوں

کہ اللہ خائن اور مرتکبِ جرائم کو دوست نہیں رکھتا۔“

آج اس وقت جب ہم رسول مکرم ﷺ کے عدل و انصاف کے بارے میں گفتگو کر

رہے ہیں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس منظر میں عربوں کی حالت پر بھی ایک

سرسری نظر ڈال لیں جو ایامِ جاہلیت یعنی بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت پائی جاتی تھیں ”ڈاکٹر

صحیحی محمصانی اپنی کتابِ فلسفہ التشریح فی الاسلام میں لکھتے ہیں کہ ”اسلام سے قبل عرب

معاشرہ متفرق قبائل کے مجموعے سے عبارت تھا جس میں کسی مرکزی حکومت کی شیرازہ

بندی نہ تھی ہر ایک فرد اپنے قبیلے سے وابستہ تھا خواہ قرابت داری کے ذریعے سے ہو یا باہمی عہد و پیمان کے واسطے سے، چنانچہ وہ اپنے قبیلے کی نگہداشت کرتا تھا اور بیرونی دشمن کے مقابلے میں قبیلے کی حمایت میں سینہ سپر رہتا تھا۔ قبائل کے درمیان جنگ و جدل عام تھا اور اس کے ساتھ لوٹ مار، مردوں اور عورتوں کو قید کرنے اور لونڈی غلام بنانے کا عام رواج تھا۔ ان کا اقتصادی نظام سادہ تھا۔ کام کرنے کو ذلت سمجھا جاتا تھا۔ ان کے معاملات کی حیثیت عرفی تھی یعنی قدیم رسوم و عادات پر مبنی عورتوں کا معاشرے میں درجہ نہایت پست تھا۔ عاز یا فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ کثرت ازدواج کے باعث بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ متعہ یا نکاح موقت کا بھی عام رواج تھا۔ شوہر بلا کسی پابندی یا شرط کے طلاق دینے کا مجاز تھا اور عورتیں اور بچے حق وراثت سے محروم تھے۔

رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے باعث حکومتی سطح پر شوری کا نفاذ ہوا اور حاکم کے لیے نصوص مقدسہ کی پابندی اور مصلحت عامہ کی رعایت ضروری ٹھہری۔ عدل و احسان، مساوات اور اخوت انسانی کے اصول نافذ ہوئے۔ قبیلے کی عصبیت یا جارحانہ لڑائی ممنوع اور دفاعی جنگ مباح قرار پائی۔ امن و امان کی تاکید ہوئی۔ عورت اور معذور لوگوں کی حالت بہتر ہو گئی۔ انفرادی ملکیت کی حرمت قائم ہوئی۔ عہد و پیمان کی پابندی واجب ٹھہری اور دھوکہ بازی یا حیلہ پردازی کی مختلف صورتیں زیر امتناع آئیں۔

زندگی کی ہمہ جہتی اور معاشرتی موضوعات کی کثرت اپنی جگہ ایک ”عدل و انصاف“ ہی اس قدر وسعت رکھتا ہے کہ اس مختصر سی صحبت میں موضوع سے متعلق تفصیلات کا احاطہ کرنا یا جملہ مسائل کو سمیٹ لینا ممکن نہیں ہے لہذا رسالت مآب ﷺ کے سراج منیر کی چند کرنوں ہی سے اس محفل کو منور کیا جاسکتا ہے۔

کسی بھی ریاست یا فرد کی حفاظت ایک لازمی امر ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عدل و انصاف کے ذریعے سے حق دار کو اس کا حق دلایا جائے اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ کام کسی قانون کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔ اسلام اس نظام کو عدل و انصاف کا نام دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ جس معاشرے میں لوگوں کے درمیان

برابری کی بنیاد پر حقوق و فرائض کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔ کوئی کسی کو تکلیف نہ پہنچائے لیکن اگر ایسا ہو جائے تو ایک عادل (یا عدالت) غلط اور صحیح کا فیصلہ کر کے معاملات کو احسن طریقے سے نمٹائے۔ عدل کے تحت خون کا بدلہ خون اور عضو کا بدلہ عضو ہے۔ گویا ایک شخص دوسرے کو جتنی تکلیف یا نقصان پہنچاتا ہے تو اسلام کی رو سے مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بھی جواباً اتنی ہی تکلیف یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس معاملے میں کسی رعایت، لچک یا زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ مظلوم کو یہ اختیار ضرور حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو ظالم کو معاف کر دے۔ یہ احسان ہے۔

نبی مکرم ﷺ کے حوالے سے تاریخ اسلام کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے جو عدل و انصاف کی ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو سارے عالم کو منور کر رہی ہے۔ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت چوری کے الزام میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لائی گئی۔ آپ ﷺ نے اس پر تعزیر نافذ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ قبیلے کے کچھ معزز افراد نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ذریعے حضور اکرم ﷺ سے سفارش کروائی۔ اس پر آپ ﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور لوگوں کو جمع کر کے آپ ﷺ نے خطبہ دیا کہ خبردار! تم سے پہلی قومیں اسی لیے عذاب الہی کا شکار ہوئیں کہ ان میں جب کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو قانون اس سے چشم پوشی کر لیتا لیکن اگر کوئی غریب اور لوگوں کی نظر میں غیر معزز جرم کر بیٹھتا تو اسے سزا دی جاتی۔ سنو! اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ تو مخزوم قبیلے کی فاطمہ ہے اگر کہیں فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی اس جرم میں ملوث پائی جاتی تو بھی عدل و انصاف کے تقاضے ضرور پورے کیے جاتے اور اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔ اس کا نام ہے عدل و انصاف جہاں شخصیت کا نہیں اصول کا لحاظ ہے۔

بلاشبہ عدل و انصاف کا منبع قرآن کریم ہے جس کی آیات مبارکہ جتہ جتہ بائیس سال سے کچھ زائد عرصے میں بذریعہ وحی قلب و ذہن رسول مقبول ﷺ پر اتاری گئیں۔ زندگی کے یہ ہمہ جہتی اصول و احکام عملی طور پر نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں اور تا بہ ابد ہر دور اور ہر معاشرے پر محیط ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ارتقا پذیر اس کائنات کا نظام بھی ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔ ان سب کے باوجود اسلام کا ابدی نظام اور

تعلیمات ہر دور کے لیے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کو جدید دور سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نہ صرف ہر دور میں اجتہاد سے کام لیا جاتا رہا ہے بلکہ زندگی کے ہمہ جہتی نظام عدل کو اجتہاد کے ذریعے تازگی و تابندگی بخشی جاتی رہی ہے۔ آج ہر طرف ایک ہی پکار ہے کہ عدل نہیں ہو رہا۔ انصاف کے دروازے بند ہیں اور عدل و انصاف سے محروم لوگ خودکشی کرتے ہوئے زندگی کی بازی ہار رہے ہیں۔ کوئی اپنے لخت جگر کا سودا کر رہا ہے تو کوئی جسمانی اعضا فروخت کرنے پر مجبور ہے۔ بلاشبہ مسائل زیادہ ہیں۔ ہمہ جہتی ہیں مگر اجتہاد سے کام لے کر نہ صرف جملہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے بلکہ عدل و انصاف کی فراہمی بھی یقینی بنائی جاسکتی ہے۔

تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالیے تو پتا چلتا ہے کہ جب اسلامی عمل داری کا کام مدینے کی حدود سے بڑھ گیا تو حضور ﷺ نے چند مفتی یعنی قاضی مدینے میں مقرر فرمائے جن کے فیصلوں کے خلاف آنحضرت ﷺ کے پاس مرافعہ بھی ہوتا تھا۔ کتاب الترتیب الاداریہ میں بحوالہ ابن الجوزی و مؤطا اس تنظیم کا ذکر کیا ہے۔ بعض مقدمات کے لیے حضور ﷺ نے موقی قاضی بھی متعین فرمائے۔ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”ان دو آدمیوں کا قضیہ چکاؤ“ کہا ”کیا آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟“

فرمایا: ”ہاں“ کہا ”کس صورت میں؟“ فرمایا: ”اس طور پر کہ اگر اجتہاد کرو اور صحیح

چیز پر پہنچو تو دس نیکیوں کا ثواب ہوگا اور اگر خطا کر جاؤ تو ایک نیکی شمار ہوگی۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم غیظ و

غضب میں ہو تو دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ

ٹھنڈے دل سے معاملے کے حسن و قبح پر غور نہ کر سکے گا۔ ایک اور حدیث میں اجتہاد کی

اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

”جب حاکم حکم لگانے پر آمادہ ہو تو اجتہاد کرے (یعنی معاملے پر خوب غور و

خوض کرے) اگر اس کا فیصلہ حق بجانب ہوگا تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر فیصلے

میں باوجود پوری کوشش کے غلطی رہ جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔“



یہ حدیث صحیحین میں ہے ساتھ ہی حضور ﷺ نے قضا کی ذمہ داریوں کا احساس ان معنی خیز الفاظ میں دلویا:

”جس شخص کو لوگوں کا قاضی بنایا گیا اسے گویا بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔“

انصاف رسائی کے سلسلے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے:

”قاضی کو چاہیے کہ صرف روداد پر فیصلہ کرے اور اپنی ذاتی معلومات کو اس میں دخل نہ دے۔“

مرافعہ کے علاوہ ”استصواب“ اور ”تصحیح“ کی مثالیں بھی عہد نبوی ﷺ کی تاریخ میں ملتی ہیں جب کبھی حضور ﷺ کو کسی افسر کے غلط فیصلے یا طرز عمل کی خبر ملتی تو آپ بصیغہ تصحیح دخل دہی فرما کر تلافی اور تدارک فرماتے۔ مسند احمد بن حنبل میں مرافعوں کی نظیریں درج ہیں نیز اس وثیقہ سے جو حضور ﷺ قبیلہ بنو عبد القیس کو تحریر کرا دیا، ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلوں پر نظر ثانی کا امکان بھی تھا۔ اس میں یہ ہدایت بھی درج تھی کہ مفصل مقدمات میں ایسا عدل کریں کہ فریقین مقدمہ کو نظر ثانی کی ضرورت نہ رہے۔“

سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس سے اجتہاد کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا:

”جب کوئی مقدمہ پیش ہوگا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا ”قرآن کے مطابق

فیصلہ کروں گا“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر قرآن میں (اس کا حکم) نہ ملے؟“ تو

بولے ”رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا“ پھر آپ ﷺ نے

پوچھا ”اگر رسول ﷺ کی سنت میں بھی اس کا حکم نہ ملے تو پھر کیا کرو گے“ عرض کیا

”اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس کوشش میں فرو گذاشت نہ ہونے دوں گا“ (یہ

سن کر) آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ”الحمد للہ! جس نے

رسول ﷺ کے اپنی کو اس بات کی توفیق عطا کی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔“

جناب رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کبھی ایسے افراد کو قاضی یا گورنر نہ بناتے تھے

جن میں عہدے اور منصب کی طلب ہوتی تھی۔ تاہم جنہیں ان عہدوں کے لیے موزوں

خیال فرماتے تھے اس کی ہمت افزائی بھی فرماتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں:

”حضور ﷺ نے مجھ کو عامل بنا کر یمن بھیجا۔ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ

ﷺ! آپ مجھ کو حاکم بنا کر بھیج رہے ہیں۔ میں جوان ہوں اور حکومت کرنے

کا طریقہ بھی مجھے معلوم نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تیرے دل کی

رہنمائی کرے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا“ پھر ارشاد ہوا ”جب دو شخص

کوئی معاملہ لے کر تیرے پاس آئیں تو پہلے شخص یعنی مدعی کے حق میں اس

وقت تک بہتر فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کے بیان کو نہ سن لے۔ اس لیے

کہ مدعا علیہ کا بیان تجھے حکم دینے میں مدد دے گا۔“

ایک اور حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا:

”دونوں فریق یعنی مدعا علیہ اور مدعی حاکم کے سامنے بیٹھیں (یعنی ان سے

برابری کا سلوک ہو)۔ حضور ﷺ کا قول ہے کہ اگر محض لوگوں کے دعوے پر

ہی ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے لوگ اپنے آدمیوں کے خون اور

مال کا دعویٰ (بغیر مستحکم بنیاد کے) کرنے لگیں گے لہذا مدعا علیہ پر قسم بھی ہے

یعنی صرف مدعی کا بیان کافی نہیں بلکہ مدعا علیہ سے قسم لینا بھی ضروری ہے ایک

اور حدیث کے الفاظ ہیں ”ثبوت مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر۔“

عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے میں شہادت یعنی گواہی کا بھی اپنا ایک اہم کردار

ہے۔ جھوٹی گواہی حقیقت پر بعض اوقات ایسا پردہ ڈالتی ہے کہ عدل کرنا مشکل ہی نہیں

ناممکن دکھائی دیتا ہے لیکن منصف اگر سچا اور انصاف پسند ہے اور اسلامی تعلیمات کو پیش

نظر رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد اور رہنمائی ضرور فرماتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت زید

بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں تم کو بہترین گواہوں کا پتا نہ بتلا دوں۔ بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت

کرنے سے پہلے گواہی دیں۔“

جامع ترمذی کی ایک روایت میں نبی پاک ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ کن

لوگوں کی شہادت یعنی گواہی قابل قبول نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

”گواہی جائز نہیں۔ ۱۔ خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی۔ ۲۔ جسے کسی حد (کی سزا) میں کوڑے لگے ہوں۔ ۳۔ جسے اپنے بھائی سے کینہ ہو۔ ۴۔ جس کی غلط گواہی کا تجربہ ہو چکا ہو۔ ۵۔ جو گھر والوں کے تابع (دباؤ میں) ہو اور جو دوستی یا قرابت کے معاملے میں مستہم ہو۔“

جھوٹی گواہی کے بارے میں احادیث میں بہت تشبیہ آئی ہے۔ سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے:

”جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی۔“

ایک حدیث میں ہے:

قل الحق ولو علیٰ نفسک.

یعنی ”سچ بولو خواہ تمہارے اپنے خلاف ہو۔“

عدل رسالت مآب ﷺ کی اس سلسلے میں ایک مشہور روایت ہے۔ ابولمعه نے جو انصار میں سے تھا ایک زرہ چرائی اور اسے آٹے کی بوری میں رکھ لیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اس لیے آٹا راستے میں اس کے گھر تک گرتا چلا گیا۔ قرآن سے معلوم ہوا تھا کہ وہی چور ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ زرہ اس نے ایک یہودی کے پاس امانت رکھ دی تھی اور پھر اپنی برادری میں آ کر مشہور کر دیا کہ زرہ یہودی نے چرائی ہے۔ اس انصاری کے برادری کے لوگ حضور ﷺ کے عرض گزار ہوئے کہ آپ انصاری کی عذر خواہی کریں۔ حضور ﷺ کو اشارہ غیبی سے حقیقت کا پتہ چل گیا اور آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں فرمایا۔ ابو لمعه اس کے بعد مکہ کی طرف بھاگ کر چلا گیا اور مرتد ہو گیا۔

تحفے تحائف بھی بعض اوقات عدل و انصاف کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے اس ضمن میں سخت وعید ارشاد فرمائی ہیں اور واضح رہنمائی فرمائی ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت کے مطابق رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے جو شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس کے پاس کوئی

ہدیہ یا تحفہ بھیجے یا سواری کے لیے جانور دے تو وہ نہ تو سواری استعمال کرے اور نہ ہدیہ اور تحفہ قبول کرے مگر اس صورت میں جب کہ قرض دینے سے پہلے بھی اس قسم کا معاملہ جاری رہا ہو۔“

صحیحین کی روایت ہے کہ اسی احتیاطی اصول کے پیش نظر حضور ﷺ نے مزانیہ سے منع فرمایا: ہے۔ متعدد احادیث سے جان و مال کی حفاظت کا حق ثابت ہے۔ حضرت یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ ان کا ایک نوکر ایک دوسرے آدمی سے لڑ پڑا۔ دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ کاٹ کھایا۔ ان میں سے ایک نے جب اپنا ہاتھ دوسرے کے منہ سے زور سے کھینچ کر نکالا تو اس کے دانت گر پڑے۔ اس نے حضور ﷺ سے استدعا کی کہ دانتوں کا معاوضہ دلوائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”کیا وہ اپنے ہاتھ کو تیرے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تو اس کو اونٹ کی طرح چباتا رہتا؟“

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کی حفاظت میں لڑتا ہوا مارا جائے تو اسے شہید کا درجہ حاصل ہوگا اور اگر وہ غاصب کو ایسی حفاظتی لڑائی میں مار ڈالے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ قول بھی روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا اجازت تیرے گھر میں جھانکے اور تو اسے کنکری مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔ یوں حضور اکرم ﷺ نے ذاتی تخلیہ (PRIVACY) کا حق تسلیم فرمایا۔

مغرب کے قوانین کی روشنی میں سربراہ مملکت عدالتوں میں جواب دہ نہیں ہوتا جب کہ اسلامی نظام میں کسی فرد کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا خواہ وہ ریاست کا سربراہ ہی کیوں نہ ہو۔ خود نبی مکرم ﷺ نے اپنی ذات کے خلاف خمان یعنی TORT اور دیوانی، دونوں قسم کے دعوے سن کر مدعیوں کے حق میں فیصلے دیے۔ اس قسم کے فیصلے قانون کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ایسی ہی مثالوں کی وجہ سے خلافت راشدہ کے دور میں خلیفہ وقت کو بھی ایک معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے طلب کر لیتا تھا اور اسے حاضر ہو کر جواب دہی کرنا پڑتی تھی۔ قضا کی اہمیت کا اندازہ حضور اکرم ﷺ کے ایک اور قول سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”دو فریقوں کے کسی جھگڑے کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا صدقہ ہے۔“

عدل و انصاف ہی کیا نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ تو زندگی کے جملہ معاملات و مسائل کا احاطہ کرتی اور رہنمائی فرماتی ہے۔ سن دس ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جبل الرحمۃ پر جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ انسانیت کا بہترین منشور ہے۔ اس خطبے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کے بنیادی حقوق یعنی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ اور قابل احترام ہیں۔ امانت کی واپسی اور قرض کا ادا کرنا فرائض میں شامل ہے۔ ربا یعنی سود لینے اور دینے کی قطعی ممانعت کی گئی اور ارشاد فرمایا کہ قرض خواہ کو صرف اصل زر واپس ہو گا۔ قتل عمد کے لیے قصاص اور شبہ عمد کے لیے دیت کا حکم دیا۔ حقوق زوجین کی وضاحت کی گئی۔ مسلمان کو مسلمان بھائی سے لڑانے اور کسی کا مال غصب کرنے کے سلسلے میں سخت وعید دی گئی۔ احترام فرد کا معیار رنگ و نسل کی اضافی قدروں کے بجائے اتقا یعنی خوفِ خدا قرار دیا گیا اور تقویٰ و پرہیزگاری کو قربِ الہی کا سبب بتایا گیا۔

یہ اور اس جیسے بے شمار موضوعات ہیں جو معاشی اور معاشرتی حوالے سے رہنمائی کے طالب ہیں اور سیرتِ پاک ﷺ ہی وہ چراغِ ہدایت ہے جس کے نور سے زندگی کے ہر پہلو کو منور کیا جاسکتا ہے۔ یہ نبی مکرم ﷺ ہی کا فیض ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسا نظامِ شریعت موجود ہے جس کی تحسین ابنِ قیم نے ان الفاظ میں کی ہے ”شریعت کی اساس و بنیاد حکمت پر اور بندوں کے معاشی و مادی مفادات پر قائم ہے۔ شریعت کلیتاً عدل، ہمہ تن رحمت اور سراپا حکمت ہے۔ پس جو مسدّد بھی عدل سے نکل کر ظلم کی طرف یا رحمت سے عدمِ رحمت کی طرف یا صلاح سے فساد کی طرف یا حکمت سے نامعقولیت کی طرف جا رہا ہو وہ شریعت ہی نہیں اگرچہ اسے بہ دلائل داخل شریعت کر دیا گیا ہو۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی مکرم ﷺ کی تعلیمات سے عدل و انصاف کے موتی چننے اور عمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## سوال و جواب

**سوال** پروفیسر صاحب آپ نے اپنی تقریر میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ قرآنی احکامات کی عملی تفسیر ہے۔ اس سلسلے میں اگر وضاحت فرمائیں تو عنایت ہوگی؟

**جواب** بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد مادر پدر آزاد نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ زندگی گزارنے کے لیے اسے مکمل دستور حیات فراہم کیا ہے۔ اگر یہ احکامات صرف قرآن کے ذریعے پہنچتے تو ممکن تھا کہ لوگ حیلے بہانے کرتے اور قرآنی احکامات پر عمل سے انحراف کرتے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک شخص کو چنا اور نبوت کے منصب پر فائز کر دیا۔ قرآن کریم میں جو حکم نازل ہوتا آپ ﷺ نہ صرف اس کی وضاحت فرماتے بلکہ عمل بھی کر کے دکھاتے تاکہ حیلے بہانے کرنے والے اور بے عمل لوگ اس آسمانی کتاب پر عمل سے جی نہ چرا سکیں۔ بلاشبہ قرآنی احکامات کی تعبیر و تفسیر کے لیے سنت رسول ﷺ سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں نماز یا زکوٰۃ کا جو حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے صراحت فرمائی کہ نماز کتنے وقت اور کب پڑھنا ہوگی، اس کی کتنی رکعتیں فرض، سنن و واجبات ہیں یا زکوٰۃ کتنے مال پر کب، کسے اور کتنی ادا کرنی ہوگی؟ یہ ساری تفصیل ہمیں حضور اکرم ﷺ کے عمل سے ہی ملتی ہے اور کامل رہنمائی کا موجب ہے۔

**سوال** پروفیسر صاحب آپ نے اپنی تقریر میں مزانیہ کا ذکر کیا ہے۔ مزانیہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل بیان فرمائیں تو عنایت ہوگی۔

**جواب** مزانیہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کے تازہ پھلوں کو خشک پھلوں کے بدلے اس طرح فروخت کرے کہ خشک پھل کے پیمانے معین کرے اور تازہ پھلوں کا اندازہ کرے۔ اسی طرح محافلہ یعنی کھڑی کھیتی کے بدلے معین مقدار غلہ کی

فروخت کی ممانعت فرمائی۔ اس ضمن میں درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک ان میں پختگی کے آثار نمایاں نہ ہو جائیں۔

نبی مکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ جب تک قبضے میں لے کر ناپ نہ لیا جائے اسے فروخت نہ کیا کرو۔ عمومی طور پر حضور ﷺ نے غیر مقبوضہ اشیا کی فروخت کے خلاف تنبیہ فرمائی مگر بیع سلف کی ان شرائط پر اجازت دی کہ ناپ، وزن اور معیار متعین ہوں۔ پوشیدہ عیب والی شے کی بیع کرنے والے کو حضور ﷺ نے غضبِ الہی کا مورد قرار دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان کے لیے دھوکہ دینا جائز نہیں۔“

**سوال** پروفیسر صاحب! دورِ نبوی ﷺ اور آج کے ترقی یافتہ دور کا اگر موازنہ کریں تو کیا اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت موجودہ دور میں زیادہ نہیں ہے؟

**جواب** جی ہاں بالکل! وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان ترقی اور تمدنی اقدار میں تیزی سے اضافہ اور تبدیلی عمل میں آرہی ہے۔ اسلام چوں کہ قیامت تک کے لیے ہے اس لیے اس میں ہر دور کے مسائل کا حل موجود ہے اور نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہر دور میں نہ صرف رہی ہے بلکہ قیامت تک رہے گی لہذا آج بھی اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اجتہاد کے حوالے سے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک بار سفر میں تھے۔ دور کسی مقام پر آپ کو غسل کی حاجت درپیش ہوئی۔ پانی میسر نہ تھا اور آپ بہت پریشان تھے پھر تیمم کا خیال آیا اور اجتہاد کیا۔ کپڑے اتار کر مٹی/زمین پر دو چار قلابازیاں کھائیں پھر کھڑے ہوئے اور مٹی جھاڑ کر کپڑے پہن لیے۔ واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں واقعہ بیان فرمایا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور بولے صرف تیمم ہی کر لیتے تو بھی کافی تھا۔ اس واقعے سے اجتہاد کی عصری ضرورتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اجتہاد کے ذریعے بڑے بڑے مسائل باسانی حل کیے جاسکتے ہیں۔



## ذخیرہ اندوزی اور تجارت، سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صاحبِ صدر، معزز حاضرین و سامعین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آج کا یہ پروگرام سیرتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں زندگی کے اعمال و افعال سے ہے۔ جب سے انسان کو اس دنیا میں اتارا گیا ہے۔ خالق کائنات کی طرف سے انسان کی رہبری اور رہنمائی کا بھی بھرپور اور باقاعدہ انتظام کیا جاتا رہا ہے۔ گویا انسان کو یونہی مادرِ پدر آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ قدم قدم پر اس کی رہنمائی کی جاتی رہی۔ اس مقصد کے لیے انبیاء و رسل بھیجے گئے اور رہبری کا اہتمام کیا گیا۔ ہدایت اور رہنمائی کا یہ سلسلہ نبی مکرم حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا پھر قیامت تک کے لیے یہ دروازہ بند کر دیا گیا اور نوعِ انسانی کے لیے واضح تعلیم دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہی دراصل اللہ کی پیروی ہے۔

ہر مذہب نے اللہ کی محبت کا اہل، اس کے پیار کا مستحق اور اس کی نظرِ عنایت کے لیے ایک ہی طریقہ بتایا ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقے کے بانی نے جو عمدہ تعلیم اور نصیحتیں بیان کی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ اسلام نے ان سب سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے اور اللہ نے اپنے محبوب اور آخری رسول ﷺ کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور اس کی پیروی اور اتباع کو اللہ کی محبت کا اہل، اس کے پیار کا مستحق اور اس کی نظرِ عنایت کے لیے بہترین ذریعہ قرار دیا ہے لہذا اسلام میں دو چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اول کتاب اور دوم سنت۔ کتاب سے مراد اللہ کے احکام ہیں جو قرآنِ حکیم کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام اللہ



کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے یعنی آپ ﷺ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث مبارکہ میں بصورتِ الفاظ موجود ہے اور ایک مسلمان کی کامیابی و کامرانی اور تکمیلِ روحانی کے لیے یہی سنتِ نبوی ﷺ ہے۔

کسی بھی مذہب کے ماننے والے بے شمار افراد کا تعلق زندگی کے کسی ایک شعبے سے نہیں ہوتا بلکہ وہ مختلف اصنافِ انسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرماں بردار رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوج کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، رات کے زاہد و عابد بھی ہیں اور دن کے سپاہی و مجاہد بھی۔ اہل و عیال بھی ہیں اور دوست و احباب بھی، امام و پیشوا بھی ہیں اور تاجر و سوداگر بھی۔ غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمے اور نمونے کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو ”سنتِ نبوی ﷺ“ کی پیروی کی دعوت دیتا ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

”یعنی تمہارے لیے نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بہترین نمونہ ہے۔“

اس ارشادِ مبارک سے یہ بات صاف اور واضح ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی عملی سیرت میں مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے نمونے اور مثالیں موجود ہیں۔

آج کے موضوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک تاجر کے لیے رہنمائی اور ہدایت کے حوالے سے واضح تعلیم ملتی ہے مگر افسوس کہ آج کے تاجر نے منافع خوری اور ہوسِ زر میں ذخیرہ اندوزی کو تجارت جان لیا ہے اور سمجھتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کا واحد طریقہ ذخیرہ اندوزی ہی ہے۔ حالاں کہ یہ بات ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ شراب کی بوتل پر اگر روح افزا کا لیبل لگا دیا جائے تو شراب جائز اور حلال نہیں ہو جائے گی۔

آئیے! اب ہم ذخیرہ اندوزی اور تجارت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں۔ تجارت، سوداگری یا بیوپار، اسلام میں ایک معزز ذریعہ حصولِ رزق ہے اور نہ صرف آپ ﷺ نے بذاتِ خود تجارت کی ہے بلکہ عرب کی خوش حالی کا سارا دار و مدار بھی تجارت ہی پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی ابتدائی سورتوں میں سورہ قریش میں عرب معاشرے کا ذکر کرتے ہوئے قریش کے ان تجارتی سفروں کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ گرمی اور سردی میں کیا کرتے تھے۔

دین درحقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے اور یہی زاویہ نگاہ جب بدل جاتا ہے تو قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اس کا نام تقویٰ ہے یعنی میں دنیا کے اندر جو کچھ کر رہا ہوں، کھا رہا ہوں، سو رہا ہوں، کما رہا ہوں، ملازمت کر رہا ہوں، تجارت کر رہا ہوں غرض جو کچھ کر رہا ہوں اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق کر رہا ہوں۔ یہی چیز اگر حاصل ہو جائے تو اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یہ تقویٰ اگر پیدا ہو جائے اور پھر اس تقویٰ کے ساتھ تجارت کریں تو یہ تجارت دنیا نہیں یہ دین ہے اور یہ جنت تک پہنچانے والی ہے اور نبیوں کے ساتھ حشر کے دن سرخرو کرنے والی ہے۔

جو تاجر تجارت میں سچائی اور امانت داری کو اختیار کرے تو اسے قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضی اللہ عنہم اور شہداء رضی اللہ عنہم کی ہمراہی کی بشارت ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”(قیامت کے دن) سچا، امانت دار تاجر ولیوں اور شہیدوں کے زمرہ میں ہو گا۔“

جامع ترمذی ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جو بظاہر اس حدیث پاک سے متضاد معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عبید اللہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تاجروں کا قیامت کے دن فاجروں کے ساتھ حشر ہو گا سوائے ایسے تاجر کے جو حرام سے بچا، جھوٹی قسم نہ کھائی اور قیمت کہنے میں سچ بولا۔“

یہ دونوں حدیثیں انجام کے لحاظ سے بظاہر متضاد نظر آتی ہیں کہ پہلی حدیث میں فرمایا

کہ تاجر انبیا کے ساتھ ہوں گے، صدیق اور شہدا کے ساتھ ہوں گے اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ فساق و فجار کے ساتھ ہوں گے لیکن لفظوں کے حسن ترتیب سے آپ نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ دونوں احادیث میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں بلکہ تاجروں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو انبیا ﷺ اور صدیقین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوگی اور دوسری قسم وہ ہے جو فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ ہوگی اور دونوں قسموں میں فرق بیان کرنے کے لیے جو شرائط بیان فرمائیں وہ یہ ہیں کہ سچائی ہو، امانت ہو، تقویٰ ہو، نیکی ہو، تو پھر وہ تاجر پہلی قسم میں داخل ہے اور اس کو انبیا کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور یہ خوبیاں جس تاجر کے اندر نہ ہوں بلکہ صرف پیسہ حاصل کرنا مقصود ہو جس طرح بھی ممکن ہو چاہے دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر ہو، دھوکہ دے کر ہو، جھوٹ بول کر ہو، دغا دے کر ہو، کسی بھی طریقے سے ہو پھر وہ تاجر دوسری قسم میں داخل ہے کہ اس کو فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ تجارت جسے ہم اور آپ دنیا کا ایک کام سمجھتے ہیں اور دل میں ایک خیال رہتا ہے کہ یہ تجارت ہم اپنے پیٹ کی خاطر کر رہے ہیں اور اس کا بظاہر دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک غلط اور بے معنی خیال ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے ارشادات عالیہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہم جو یہ تجارت کر رہے ہیں درحقیقت یہی ہماری جنت اور جہنم کا راستہ ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس تجارت کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بنا لیں۔ انبیا ﷺ کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنا لیں اور اگر چاہیں تو اسی تجارت کو جہنم کا راستہ بنا لیں اور فساق و فجار کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنا لیں اور یہ بات ہماری فکر، سوچ اور عمل کے حوالے سے ساری زندگی پر محیط ہے لہذا اس کا دائرہ صرف تجارت تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کے جتنے بھی کام ہیں خواہ ملازمت ہو یا تجارت، زراعت ہو یا دنیا کا کوئی اور کام ان سب میں یہی بات ہے کہ اگر اس کو انسان ایک زاویے اور ایک طریقے سے دیکھے تو وہ دنیا ہے اور اگر دوسرے زاویے سے دیکھے تو وہی دین بھی ہے۔ گویا ایک مسلمان کی زندگی صرف دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ دین سے جڑ جانے کی وجہ سے زندگی کا یہ تعلق ابدی اور اخروی زندگی کی تابندگی سے مربوط ہو جاتا ہے یعنی دین درحقیقت الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا

نام ہے۔ اگر آپ ایک کام دوسرے زاویے سے کریں، دوسری نیت سے کریں، دوسرے ارادے سے کریں، دوسرے نقطہ نظر سے کریں تو وہی چیز جو بالکل دنیاوی چیز نظر آ رہی ہے وہی دین بن جاتی ہے۔

ہم ایک اسلامی معاشرے میں رہتے ہیں جہاں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کی ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اپنے عمل سے ہم خود کو ایک کامل مسلمان ثابت کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ زندگی کے رہن سہن اور طور طریقے مغرب زدگی کا شاہکار ہیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت اور تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کرنے والے لوگ بہت کم بلکہ خال خال ہی نظر آتے ہیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بعض لوگوں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ دین صرف مسجد کے امام یا مدارس سے متعلق افراد کے لیے ہے اور باقی مسلمان اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے میں پوری طرح آزاد ہیں اور اسی سوچ اور فکر کے نتیجے میں ہم اپنے اسلاف کی میراث کھوتے جا رہے ہیں اور دنیا میں ذلت و خواری اور رسوائی ہمارا مقدر بن گئی ہے۔

آج ہم ایک ہمہ جہت موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں جس میں تاجر، تجارت اور ذخیرہ اندوزی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث مبارکہ میں رسول مکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ (کھانے پینے کی چیزیں) روکے رکھے یعنی باوجود بازار میں مانگ ہونے کے فروخت نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر کوڑھ اور تنگدستی مسلط فرمادیتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں تو ہر طرف ایسی فضا دکھائی دیتی ہے جو اس ارشاد مبارکہ کے صریح خلاف ہے۔ گذشتہ دنوں گیہوں اور آٹے کی ذخیرہ اندوزی اور اس کے مضمرات اور اثرات آپ نے بھی ملاحظہ فرمائے ہیں۔ آٹے کی عدم دستیابی یا منہ مانگے داموں پر فروخت نے کتنے ہی بے شمار گھروں میں فاقہ کشی کے حالات پیدا کر دیے تھے۔ تاجروں کے لیے قیمتیں بڑھانے کی بھی ایک حد ہے لوگوں کو مجبور کرنا اور پھر ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

” (کسی چیز کا) بھاؤ مت بڑھایا کرو۔“

یہاں بھاؤ بڑھانے یعنی قیمت میں اضافے سے روکا گیا ہے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ عام طور پر ایسا اسی وقت ہوتا ہے کہ پہلے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے اس کی قلت پیدا کر دی جاتی ہے اور پھر عوام الناس جب اس مصنوعی قلت کا شکار ہوتے اور مارے مارے پھرتے نظر آتے ہیں تو ان کی تڑپ اور مجبوری کو منہ مانکے داموں فروخت کر کے جیبیں بھری جاتی ہیں۔ ان دنیا دار تاجروں کے دل میں رحم اور نرمی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

” اللہ اس شخص پر رحمت کرے جو بیچنے میں، خریدنے میں اور تقاضا کرنے میں

نرمی کرتا ہے۔“

اس ارشاد پاک کو دیکھیے اور اپنے مسلمان بھائیوں پر نظر ڈالیں تو کیا تضاد نظر آتا ہے۔ ذخیرہ اندوز تاجر ایک کے بعد ایک چیز کا بحران پیدا کرنے کے ماہر ہو گئے ہیں اور عوام بے چاری مجبور اور بے بس ہو کر رہ گئی ہے۔ ذخیرہ اندوزوں نے آٹے کے بعد آج کل لوگوں کو چینی کے بحران سے دوچار کر رکھا ہے۔ یہ بحران بھی مصنوعی ہے اور قلت پیدا کر کے چینی کی من مانی قیمت وصول کی جا رہی ہے۔ یہ دیانت دارانہ تجارت کے منافی ہے اور شاید ایسے ہی انداز تجارت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی نے کیا خوب کہا تھا۔

یہی انداز تجارت ہے تو کل کا تاجر

برف کے باٹ لیے دھوپ میں بیٹھا ہو گا

تجارت کا پیشہ سنت رسول ﷺ ہے کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے خود تجارت فرمائی مگر آج کے تاجر نے حرص و ہوس میں ڈوب کر تجارت میں ایسا چلن اختیار کر لیا ہے کہ تجارت اب عبادت کے بجائے شیطانیت کا عکس پیش کر رہی ہے۔ ہر تاجر ذخیرہ اندوزی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے۔ کسی نے ہزار بوریاں گودام میں ذخیرہ کر رکھی ہیں تو کوئی دو ہزار بوریاں ذخیرہ کر کے خوش ہے۔ کسی کے گودام میں پانچ ہزار بوریاں بھری ہیں اور کہیں سات ہزار بوریوں کا ذخیرہ ہے۔ ذخیرہ کسی قدر بھی ہو ہر

تاجر بلکہ ذخیرہ اندوز کی ایک ہی خواہش ہے کہ مال اس وقت تک گوداموں میں بند رکھا جائے جب تک مارکیٹ میں بھاؤ یا قیمت ان کی منشا کے مطابق خوب نہ بڑھ جائے۔ کتنی عجیب سوچ اور دین سے کیسا تضاد ہے۔ ذرا یاد کیجیے وہ نورانی ارشادِ پاک جسے سنن ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تاجر کو (اللہ کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور غلہ کو (گرانی کے خیال سے) روکنے اور بند کر کے رکھنے والا ملعون ہے۔ اس ارشادِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اگر ہم اپنے تاجروں کو دیکھیں تو ان کی تجارت قابلِ ملامت دکھائی دے گی۔ ان کے عمل بلکہ شکل سے بھی ہمیں نفرت سی ہونے لگے گی اور کیوں نہ ہو؟ جس شخص کو میرے، آپ کے اور سب سے بڑھ کر اللہ کے محبوب ﷺ ملعون کہیں اس کے لیے ہمارے دل میں محبت اور معاشرے میں عزت کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ تاجر حضرات اگر معاشرے میں عزت و وقار کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی عزت کریں تو بلاشبہ انہیں بھی اپنے دین کی تعلیمات کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا ہوگا۔ دین پر عمل ہی وہ راستہ ہے جو انہیں فلاح و کامرانی سے ہم کنار کر سکتا ہے۔ جب تک ہمارا تاجر ارشاداتِ نبوی ﷺ کی پیروی نہیں کرے گا وہ عزت و وقار کی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچتا نہیں دیکھ سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ عرب میں شراب کس قدر عام تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ایک دم حرام نہیں قرار دیا گیا بلکہ بتدریج تین مراحل میں حرام کیا گیا۔ شراب کے کاروبار کے حوالے سے معروف واقعہ ہے آپ نے بھی ضرور سنا ہوگا۔ ابھی اس سلسلہ میں آخری حکم نازل ہوا تھا۔ ایک صحابی مدینے سے باہر شراب خریدنے گئے ہوئے تھے جب اپنی گل پونجی کی شراب خرید کر شہر واپس لوٹے تو شہر کے باہر ہی انہیں روک دیا گیا اور بتایا کہ شراب حرام ہو چکی ہے اور اب اس کا کاروبار یا لین دین جائز نہیں۔ استفسار پر بتایا گیا کہ نبی پاک ﷺ کا یہی حکم ہے۔ تاجر نے شراب کے مشکیزے اونٹوں سے اتار کر پہاڑی پر رکھ دیے اور اجازت چاہی کہ حضور ﷺ سے اس حکم کی تصدیق کرے اور جب نبی مکرم ﷺ نے اللہ کے اس حکم کی تصدیق فرمادی تو آپ واپس پہاڑی پر آئے اور سارے مشکیزے چاک کر ڈالے اور ساری شراب پہاڑی پر بہا دی۔ قربان جائیے اس تاجر پر جس نے اپنی گل پونجی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں لٹا دی

اور پھر پروردگار عالم نے اسے اپنی نعمتوں سے کس قدر اور کیسا نوازا اس کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

تجارت کا جو صحیح اور پسندیدہ طریقہ اور انداز ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک جگہ سے مال و اسباب خریدا اور دوسری جگہ جا کر فروخت کر دیا۔ جو نفع مناسب ہو اور وہ تاجر کے لیے حلال ہو گیا۔ ذخیرہ اندوز ایسا نہیں کرتے۔ وہ مال و اسباب سستے داموں خرید کر گوداموں میں ذخیرہ کرتے ہیں اور جب مال کی طلب میں اضافہ اور رسد میں کمی واقع ہوتی ہے تو منہ مانگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ شعب الایمان نبیہتی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص نے گرانی کے خیال سے غلے کو چالیس دن بند رکھا اس نے اللہ کے

عہد کو توڑ ڈالا اور اللہ بھی اس سے بیزار ہو گیا۔“

ذرا اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کیجیے تو یہ بات بہت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ قیمتیں بڑھ جانے تک مال جمع کیے رکھنا اور گوداموں میں ذخیرہ کرنا گویا اللہ رب العزت کو بیزار کرنا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ بیزار ہو جائے بھلا کون ہے جو اسے خوش و خرم رکھ سکے۔ اس لیے ایک مسلمان تاجر کے شایان شان یہ نہیں ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی کے عمل سے اللہ کی مخلوق پر زندگی تنگ کر دے بلکہ احسن یہ ہے کہ لوگوں کی تنگی دور کرے اور ان کے لیے آسانیاں پیدا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہو اور اسے اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ دین یہ ہے کہ دنیا چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤ اور ”اللہ اللہ“ کرو۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا نام تو ضرور سنا ہو گا۔ ان کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک مرتبہ وہ غسل کر رہے تھے کہ غسل کے دوران ان پر آسمان سے سونے کی تیلیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام غسل کو چھوڑ چھاڑ کر ان تیلیوں کو پکڑنے اور جمع کرنے میں لگ گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے پوچھا اے ایوب! کیا ہم نے تم کو پہلے ہی سے بے شمار نعمتیں نہیں

دے رکھی ہیں؟ تمہاری ضروریات کا سارا انتظام کر رکھا ہے۔ ساری کفالت کر رکھی ہے پھر بھی تمہیں حرص ہے اور تیلیوں کو جمع کرنے کی طرف بھاگ رہے ہو؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا عجیب جواب دیا۔ اے پروردگار! جب آپ میرے اوپر کوئی نعمت نازل فرمائیں تو یہ بات ادب کے خلاف ہے کہ میں اس سے بے نیازی کا اظہار کروں۔ جب آپ خود اپنے فضل سے یہ نعمت عطا فرما رہے ہیں تو اگر اب میں بیٹھا رہوں اور یہ کہوں کہ مجھے تو یہ سونا چاندی نہیں چاہیے۔ میں تو اس پر ٹھوکر مارتا ہوں تو یہ بے ادبی کی بات ہے۔ آپ کی عطا پر میرا یہ فرض ہے کہ میں شکر کے ساتھ اسے وصول کروں۔ اس کی قدر پہچانوں عام قسم کا بندہ ہوتا اس لیے میں آگے بڑھ کر ان کو جمع کر رہا ہوں۔ یہ ایک پیغمبر کی آزمائش تھی ورنہ اگر کوئی خود ساختہ قسم کا خشک دین دار ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو اس دنیا کو ٹھوکر مارتا ہوں لیکن چوں کہ وہ حقیقت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہی چیز اگر اس نقطہ نظر سے حاصل کی جائے کہ میرے پروردگار کی دی ہوئی ہے اور اس کی نعمت ہے۔ میں اس کی قدر پہچانوں، اس کا شکر ادا کروں تو پھر یہ دنیا نہیں ہے، دین ہے اور دین جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے اور یہی زاویہ نگاہ جب بدل جائے تو قرآن حکیم کی اصطلاح میں تقویٰ کہلاتا ہے۔ اگر تجارت میں بھی تقویٰ کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ تجارت عبادت بن جائے گی اور دنیا کے نفع کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اجر و ثواب کا باعث ہوگی۔“

اللہ کی نعمتوں کو پہچاننا اور ان کی قدر کرنا بلاشبہ ہمارے لیے نعمتوں میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث مبارکہ میں رسول مکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسبِ حلال جہاد ہے اور اگر اسے تم اپنے بال بچوں اور قرابت داروں پر خرچ کرتے ہو تو یہ صدقہ ہے اور بے شک جائز تجارت سے کمایا ہوا ایک درہم ان دس درہموں سے افضل ہے جو دوسرے غلط طریقوں سے کمائے گئے ہوں۔

اسلام میں کاروبار اور تجارت دین کے تابع فرمان ہے۔ اس لیے ذخیرہ اندوزی کو کسی



بھی طرح درست اور پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ روزی کمانے کے لیے ذخیرہ اندوزی کے بجائے تجارت کے مسنون طریقے کو اپنانا چاہیے کہ اگر دین اسلام کے قوانین کے مطابق تجارت کی جائے تو وہ عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر تجارت کے شعبے سے منسلک تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ذخیرہ اندوزی کی لعنت سے محفوظ و مامون فرمائے اور مسنون تجارت کی ہمت اور توفیق سے نوازے۔ آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ



## سوال و جواب

**سوال** محترم! آپ نے اسلام کی روشنی میں تجارت اور ذخیرہ اندوزی کے حوالے سے گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اگر ذخیرہ اندوزی اور تجارت کے فرق کو قدرے وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں تو عنایت ہوگی۔

**جواب** لغت کے اعتبار سے تجارت سے مراد خرید و فروخت، سوداگری، کاروبار یا منافع کی سوچ سے ایک جگہ سے مال خرید کر دوسری جگہ فروخت کرنا ہے جب کہ ذخیرہ اندوزی سے مراد اشیا کا ذخیرہ کر لینا تا کہ مانگ زیادہ ہونے پر انھیں مہنگے داموں بیچا جاسکے۔ میں نے اپنی گفتگو کے دوران ذخیرہ اندوزی اور تجارت کے بارے میں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بات کی ہے۔ جہاں تک تجارت اور ذخیرہ اندوزی میں فرق کی بات ہے تو یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ تجارت درحقیقت کاروبار اور سوداگری کا ایسا انداز اور طریقہ ہے جس میں لوگوں کی ضرورت اور مجبوری سے فائدہ اٹھانے سے گریز کیا جائے اور لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی جائے۔ یہ انداز اور طریقہ چوں کہ دین اور سیرت النبی ﷺ کے عین مطابق ہے اسی لیے عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ذخیرہ اندوزی تجارت کا ایک ایسا طرز عمل ہے جس میں لوگوں کی ضرورت کا مال گوداموں میں جمع کر کے اس کی کمی کا مصنوعی بحران پیدا کیا جاتا ہے اور پھر لوگوں کی مجبوری اور ضرورت کا تعین کر کے ناجائز منافع لیا جاتا ہے جو دینی تعلیمات کے خلاف ہے اور عذاب الہی اور لعنت کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کے بارے میں سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔

**سوال** محترم! پاکستان ایک اسلامی ملک ہے مگر یہاں بھی ذخیرہ اندوزی اور مہنگائی

معمول بن گئی ہے۔ اس سلسلے میں حکومتِ وقت یا ایک عام آدمی کی کیا ذمہ داری ہے؟

**جواب** 1973 کے آئین کی رو سے تو پاکستان بلاشبہ اسلامی جمہوریہ ہے مگر عملی طور پر یہاں اسلامی قوانین اور شریعت کے نفاذ کا کوئی وجود نظر نہیں آتا لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ تاجروں کو ایسی کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ عوام کا جینا دو بھر کر دیں۔ بلاشبہ متعلقہ حکام کو اس جانب توجہ دینی چاہیے تاکہ عوام بددیانت اور ذخیرہ اندوز تاجروں کی حرص و ہوس کا نشانہ نہ بن سکیں۔ جہاں تک عام آدمی کا تعلق ہے تو عوام بظاہر تو صرف صبر ہی کر سکتے ہیں کیوں کہ وہ ایسے اختیارات نہیں رکھتے کہ وہ ایسے حریص اور بددیانت تاجروں کو سزا دے سکیں البتہ یہ ضرور ہے کہ تاجر حضرات اگر خود احتسابی کے عمل کو پسند کرتے ہوئے اور اپنے غلط طرزِ عمل کو چھوڑتے ہوئے مسنون طریقہ تجارت اپنائیں تو اس سے نہ صرف عوام الناس کے لیے آسانیاں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں بلکہ خود تاجر حضرات بھی اللہ کے کرم اور اس کی نعمتوں اور برکتوں سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ ایک شریف آدمی اگر مہنگی چیز خریدنے کی سکت نہیں رکھتا تو اسے چاہیے وہ ان چیزوں کا بائیکاٹ کر دے اور ایسی چیزیں جن کے بغیر وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ مہنگی اور دکاندار کی منہ مانگی قیمت پر خرید کر حریص تاجر کی حوصلہ افزائی نہ کرے کیونکہ مہنگائی کے دو اسباب ہیں ایک مہنگا بیچنے والا دوسرا مہنگا خریدنے والا۔

**سوال** محترم! آج کل ہمارے معاشرے میں یہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ دینی تعلیمات پر عمل کرنا دینی اداروں سے منسلک لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے بھی اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ ہم اس سوچ کو کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں؟

**جواب** عمل کے ذریعے..... جی ہاں! بنیادی طور پر یہ کام تبلیغ کا حصہ ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر فرد مبلغ ہے۔ جو شخص دین کا جتنا علم رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ

نہ صرف یہ کہ خود اس پر عمل کرے بلکہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلے گا اور علم و عمل کی روشنی پھیلتی جائے گی۔ یوں بقول اقبال۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود  
پھر جنیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی



## سیرت طیبہ ﷺ اور معاشیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صاحبِ صدر، معزز حاضرین و سامعین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج یہ پروگرام ماہِ ربیع الاول کے سلسلے کا خصوصی پروگرام ہے اور اوصافِ حمیدہ کے حوالے سے ”سیرت طیبہ ﷺ اور معاشیات“ آج کے پروگرام کا موضوع ہے۔ لغت کی رو سے معاشیات سے مراد اقتصادیات کا وہ علم ہے جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے جب کہ اصطلاحی طور پر معاشیات ایک ایسا معاشرتی علم ہے جس میں دولت کی پیدائش، تقسیم، مبادلے اور صرف کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ گئے وقتوں میں اسے پولیٹیکل اکانومی کہا جاتا تھا اور قدیم معیشت دان یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح کسی بھی گھر میں اخراجات اور آمدنی کے توازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح ریاست یا ملک کے حکمران بھی اپنے اخراجات اور آمدنی میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کوشش کا نام ”دولت کا علم“ یا معاشیات ہے۔ بظاہر ”معاشیات“ ایک معمولی اور مختصر موضوع محسوس ہوتا ہے مگر جب اس کی مختلف جہتوں پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت یہ موضوع بہت طویل اور غیر معمولی ہے۔ یہاں تک کہ اس موضوع پر ایک کتاب باسانی تیار ہو سکتی ہے لہذا یہ تو قطعاً ممکن نہیں ہے کہ بیس پچیس منٹ کے اس مختصر سے وقت میں ہم اس موضوع کا مکمل احاطہ کر سکیں بلکہ احاطہ تو کجا ایک سرسری اور طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے بھی موضوع کی چند ایک جہتیں ہی سامنے لائی جاسکتی ہیں لہذا ہم آج کی اس گفتگو میں چند خاص خاص پہلو سامنے لانے کی کوشش کریں گے۔

قرآن کریم انسانی زندگی کے لیے ایک مکمل دستورِ حیات ہے اور زندگی کے جملہ

پہلوؤں کے لیے ہدایت و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ رہنمائی صرف اخلاقی اور روحانی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ انسانوں کی اجتماعی زندگی میں بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اجتماعی زندگی کا ایک بہت اہم شعبہ انسان کی معاشی اور اقتصادی زندگی ہے جو اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ انسان کی مادی زندگی کی کامیابی کا دار و مدار دراصل اس کی معاشی اور اقتصادی زندگی پر ہے۔ اگر معاشی زندگی ناکامی و فقر و فاقہ سے دوچار ہو اور مادی وسائل بھی دستیاب نہ ہوں تو اس کے لیے اپنے دینی تقاضوں کی انجام دہی بھی بعض حالات میں انتہائی مشکل اور کبھی کبھی ناممکن ہو جاتی ہے لہذا قرآن کریم نے جہاں دینی و روحانی ذمہ داریوں کی انجام دہی پر زور دیا ہے وہاں انسان کی معاشی ضروریات اور تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ دینی ذمہ داریاں، اخلاقی تقاضے اور روحانی معاملات اسی وقت احسن طریقے سے تکمیل پاسکتے ہیں جب انسان کو بقدر ضرورت مادی وسائل اور اسباب میسر ہوں۔

جب ہم قرآن کریم اور سیرت نبوی ﷺ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی کامل ہدایت اور دستور حیات کی بات کی جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ قرآن کریم یا سیرت نبوی ﷺ میں ان پہلوؤں کے فنی اسلوب پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس سے مراد وہ ہدایت اور رہنمائی ہے جو ہر انسان کے لیے ہدایت میں یکساں ہے یعنی جہاں وہ بڑے بڑے فلسفیوں اور ماہرین فن کے لیے ہدایت کا موجب ہے وہاں ایک عام انسان کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔ ایک دیہاتی، صحرائی، کوہستانی اور بدوی جو کسی خاص فن سے واقفیت نہیں رکھتا وہ بھی قرآن کریم سے اسی طرح ہدایت و رہنمائی حاصل کر سکتا ہے جس طرح اعلیٰ ترین سطح کے مفکرین اور عمدہ ترین دماغ والے اس سے مستفید ہو سکتے ہیں، گویا یہ قرآن کریم ہی کا اعجاز ہے کہ یہ بیک وقت ایک عام انسان سے جو کسی خاص فن میں مہارت تو کیا ابتدائی واقفیت بھی نہیں رکھتا اور ایک اعلیٰ ترین مفکر سے خطاب کرتا ہے اور دونوں بیک وقت اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس کتاب سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم اور سیرت مبارکہ کی توجہ کا مرکز ایسے معاشی معاملات ہیں جن میں

NORMATIVE پہلو بہت نمایاں ہیں۔ دولت کیسے حاصل کی جائے اور کہاں خرچ کی جائے، کس طرح اور کہاں کہاں خرچ کرنا زیادہ ضروری ہے؟ کون کون سے معاملات جائز اور کون سے ناجائز ہیں؟ تجارت یا کاروبار کے بنیادی اور اخلاقی اصول کیا ہونے چاہئیں نیز انسانوں کا آپس کا لین دین، تجارت اور مالی تعاون کس نہج پر استوار ہونا چاہیے وغیرہ۔ شریعت کا منشا یہ ہے کہ مال و دولت ضائع نہ ہو، اس کا غلط استعمال نہ ہو۔ مال و دولت کا ارتکاز اور ذخیرہ اندوزی نہ ہو بلکہ اس کی تقسیم اور پھیلاؤ جتنا وسیع ہو سکے اس کو یقینی بنایا جائے۔

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو احکامات بیان ہوئے ہیں احادیث مبارکہ ان کی صراحت اور وضاحت بیان کرتی ہیں اور بعض ایسے پہلوؤں کی نشان دہی کرتی ہیں جو قرآن کریم کے ان احکامات اور اصولوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیات جن کا تعلق معیشت و تجارت اور انسان کی معاشی زندگی سے ہے ان کی تفسیر و وضاحت مختلف احادیث مبارکہ میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔

ایک مضمون احادیث مبارکہ میں کثرت سے ملتا ہے جو درحقیقت قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ ہی کی صراحت ہے۔ بہت سے مقامات پر قرآن کریم نے محنت کرنے کے عمل کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے بھی اس عمل کی بابت ارشاد فرمایا:

اَلْكَاسِبُ حَبِيبُ اللّٰهِ.

”محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔“

ایک بار آپ ﷺ نے ایک صحابی سے مصافحہ فرمایا۔ ان کے ہاتھ بہت سخت محسوس ہوئے۔ نبی مکرم ﷺ نے سختی کی وجہ پوچھی تو صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک لکڑہارا ہوں اور لکڑیاں کاٹ کر جنگل سے لاتا

اور بیچ کر گزارہ کرتا ہوں۔ لکڑیاں کاٹنے سے ہاتھوں میں چھالے ہو جاتے ہیں

جن کی وجہ سے ہاتھوں کی کھال سخت ہو گئی ہے۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے ان

کے ہاتھوں کو چوم لیا۔“

اللہ تعالیٰ نے رزق کو ”اللہ کا فضل“ قرار دیا ہے اور اس کی تلاش کا حکم دیا ہے اور اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ انسان جائز روزی کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ قرآن کریم کے اس بنیادی اصول کے حوالے سے بہت سی احادیث ملتی ہیں بلکہ محنت کے ساتھ ساتھ ہنرمندی کو زیادہ پسندیدہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طلب معیشت اور روزگار کی تلاش کو بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے۔ امام طبرانی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بعض گناہ بندے سے ایسے سرزد ہوتے ہیں جس کا کوئی اور کفارہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ وہ حلال روزی کے حصول میں کوشاں ہو۔“

انسان نہ جانے کتنی غلطیوں، گناہوں اور بھول چوک کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اگر حصول رزق میں اجر و ثواب کی نیت رکھے اور شرعی حدود کی پابندی کرے تو یہ عمل بذات خود کفارہ ہو جائے گا اور اللہ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

عمومی ہدایات و رہنمائی کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ میں تجارت اور معیشت سے متعلق جو اہم اور بنیادی مضمون بیان ہوا ہے وہ تجارت، خرید و فروخت اور لین دین کے قواعد ہیں۔ تجارت اور خرید و فروخت انسانی معاشرے میں اس وقت سے جاری ہے جب سے وہ زمین پر اجتماعی زندگی گزار رہا ہے۔ ہر دور میں کسی نہ کسی قسم کا لین دین اور تجارت ہوتی رہی ہے۔ وہ ابتدائی نوعیت کی تجارت ہو یا موجودہ ترقی یافتہ دور کی تجارت۔ کوئی دور اور انسانی معاشرہ اس سے خالی نہیں رہا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی البتہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا اسلوب یہ رہا ہے کہ مفید، جائز اور مثبت کام کو باقی رہنے دیا جائے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اگر اس جائز کام میں کوئی ناجائز عنصر شامل ہو گیا ہے تو اسے نکال دیا جائے اور اسے مزید بہتر اور کارآمد بنایا جائے۔ حرام اور ناجائز چیز کی حرمت بھی احادیث میں بیان ہوئی ہے اس کے اسباب اور حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ حرام کاموں کے ارتکاب کے تمام ممکنہ راستوں کو بند کرنے کی ہدایت بھی ملتی ہے۔

عربوں میں اچھی اونٹنی اور اچھے گھوڑوں کی نسل کے حوالے سے ان کے بچے پیدا



ہونے سے پہلے ہی خرید لینے کا رواج تھا۔ وہ سودا کر کے پیشگی قیمت ادا کر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس طرح کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے حالاں کہ اچھی نسل کی اونٹنیوں اور گھوڑوں کی اولاد کی ہر جگہ مانگ تھی مگر دیکھ بھال کیے بغیر خرید و فروخت نئی مکرم ﷺ نے پسند نہیں فرمائی۔

تحصیل زر کا ایک ذریعہ ربا بھی ہے جس کے مختلف پہلو اور اشکال تفصیل کے متقاضی ہیں اور اس مختصر سے وقت میں اس کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ربا یعنی سود زمانہ قدیم سے آج کے دورِ جدید تک مختلف انداز اور شکلوں میں ہر دور میں ملتا ہے۔ اس کی حرمت کے حوالے سے صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، سود دینے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“

صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث مبارکہ میں سود کے بارے میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر مقدار میں اور دست بدست فروخت کیے جائیں اور جس نے زیادہ طلب کیا یا زیادہ دیا تو یہ سود ہے اور اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔“

ربا یعنی سود کے حوالے سے احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں بھی ملتی ہیں۔ سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک ایسا زمانہ لوگوں پر آئے گا کہ سوائے سود کھانے والوں کے کوئی باقی نہ رہے گا اگر کوئی شخص ہوگا بھی تو اس کو سود کا اثر پہنچے گا۔“

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو سود کا غبار پہنچے گا۔ ربا اور جو یعنی قمار محرمات تجارت میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور اس کے ذیل میں متعدد انداز کے کاروبار اور

خرید و فروخت کے معاملات جائز اور درست نہیں ہیں مگر یہ مختصر نشست اس کی تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ احادیث مبارکہ میں تقریباً چھپن معاملات کی ممانعت آئی ہے۔ اگر ان کی مثالیں دی جائیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی البتہ یہ ضرور ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ عرب میں جو ناجائز کاروبار تھے وہ سارے کے سارے کسی ایک ہی علاقے میں تھے بلکہ مختلف علاقوں میں مختلف انداز میں ان کا سلسلہ تھا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اگلے زمانے میں جوں کے توں منتقل ہوئے ہوں ممکن ہے علاقوں اور ادوار کے فرق سے قمار بازی اور سود کے یہ کاروبار ہر دور میں اپنی شکل بدلتے رہے ہوں۔ یہ سارے معاملات اور ان کی ممانعت اپنی جگہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کی ممانعت بھی کی ہے جو عام انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور عام انسانوں کا ان پر یکساں حق ہے مثلاً ایک دریا ہے جس کا پانی بہہ رہا ہے یہ خواہ دریائے سندھ ہو یا ستلج و چناب یا راوی و بیاس وغیرہ۔ ان کا پانی ہر پاکستانی کے لیے ہے اور یہ ہر انسان اور ہر جانور کے لیے بہہ رہا ہے۔ اب کوئی شخص دریا کے کنارے ہتھیار لے کر بیٹھ جائے اور کہے کہ جب تک پیسے نہیں دو گے پانی نہیں ملے گا یہ جائز نہیں ہے۔ جو پانی کھلے دریاؤں، سمندروں، آبشاروں اور چشموں میں آ رہا ہے وہ تمام لوگوں کی اور اس ملک اور علاقے کے تمام باشندوں کی ملکیت ہے اس پر کسی ایک کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کچھ لوگ سفر میں جا رہے ہوں اور ایک شخص کے پاس ضرورت سے زائد پانی موجود ہو اور دوسرا محتاج اور ضرورت مند ہے تو حضور ﷺ نے (اپنے پاس رکھنے سے) ممانعت فرمائی ہے اور ارشاد ہے:

”جو اپنی ضرورت سے زائد پانی ہے وہ دوسرے کو ویسے ہی دے دو، فروخت نہ کرو۔“

بعض فقہاء کے نزدیک یہ حرمت قانونی انداز کی ہے جب کہ بیش تر فقہاء کے نزدیک یہ ایک اخلاقی نوعیت کی ہدایت ہے۔

خرید و فروخت اور تجارت کے حوالے سے ایک اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ جس چیز کا کھانا پینا یا دوسرا استعمال جائز نہیں ہے اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے جس کا

بہت سے لوگ خیال نہیں رکھتے مثلاً شراب پینا مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے تو شراب کا بیچنا بھی جائز نہیں ہوگا یا اگر کوئی دوسرا شخص بیچ کر رقم دے تو اس کی قیمت استعمال میں لانا بھی جائز نہ ہوگا لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے کہ اس سے کسی اور طرح سے فائدہ اٹھانا جائز ہے مثلاً خچر، گدھا یا گھوڑا وغیرہ رکھنے کی قرآن میں اجازت ہے۔ انہیں سواری کے لیے استعمال کرنا جائز ہے لہذا اس طرح کے جانوروں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز نہیں ہے۔

شریعت کا منشا یہ بھی ہے کہ جب کوئی چیز فروخت کے لیے بازار میں لائی جا رہی ہو تو رکاوٹ نہ بنے اور فروخت کنندہ کو بازار میں پہنچنے سے نہ روکے۔ عرب میں ایک طریقہ یہ تھا کہ جو دیہاتی گاؤں میں اونٹ کی اون سے چادریں تیار کرنے کے بعد شہر کے بازار کا رخ کرتے تھے تاکہ بیچ کر گزر اوقات کے لیے کچھ پیسے مل جائیں تو شہر کے کچھ لوگ شہر سے باہر پہنچ کر ان سے انتہائی کم قیمت میں وہ سامان خرید لیتے تھے اور بھاری قیمت میں شہر کے دکانداروں کو بیچ دیا کرتے تھے۔ اس طرح ان سادہ لوگوں کی حق تلفی ہوتی تھی اور وہ محنت کا پورا معاوضہ حاصل نہیں کر پاتے تھے۔ حضور ﷺ نے اس انداز تجارت کو پسند نہیں فرمایا اور یہ بھی پسند نہیں فرمایا کہ کوئی شخص مصنوعی طور پر مال کی قیمتوں میں ناجائز اضافے کا سبب بنے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دکانداروں یا مال بیچنے والوں کے کارندے خریداروں کو گمراہ کرنے کے لیے وہیں آس پاس گھومتے رہتے ہیں اور مصنوعی طور پر اونچی قیمتیں لگا کر مال کی قیمت بڑھانے کا سبب بنتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے تجارت کے اس انداز کو بھی ناجائز بتایا ہے اور ممانعت فرمائی ہے کہ مصنوعی طور پر قیمتوں میں اضافے کی خاطر بولیاں نہ لکائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کو دھوکے باز بھی قرار دیا ہے۔ خائن بھی بتایا ہے اور بالواسطہ سود خور بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح کسی کی مجبوری اور ناواقفیت سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ ناواقفیت سے فائدہ اٹھانے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قیمت کے بارے میں دھوکا دینا اور اصل قیمت سے واقف نہ کرنا، سودے کے بارے میں دھوکا دینا اور اپنی چیز کی ایسی خوبی بتانا جو اس میں موجود نہیں یا ایسا عیب چھپانا جو اس چیز

میں موجود ہے۔ نرخ سے زیادہ طلب کرنا اور یہ تاثر دینا کہ بازار کے بھاؤ پر ہی فروخت کر رہے ہیں۔ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز ایسی بیچی جو عیب دار تھی اور اس کا عیب بیان نہیں کیا تو جب تک وہ شخص خریدار سے معافی نہیں مانگے گا یا اس کے نقصان کو پورا نہیں کرے گا اللہ کی ناپسندیدگی اور غضب اس پر نازل ہوتا رہے گا۔ اللہ کے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

ذخیرہ اندوزی کے ذریعے بھی مال کمانے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے حالاں کہ ایسا کرنے والوں کو غلط کار اور خطا کار بھی کہا گیا ہے اور روزِ محشر سزا کی وعید بھی دی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والے اور ناجائز قتل کرنے والوں کو قیامت کے دن ایک ساتھ اٹھایا جائے گا کیوں کہ جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ لوگوں کو وسائلِ رزق سے محروم کرتا ہے اور وسائلِ رزق سے محرومی موت کا سبب ہے۔ اسی طرح قاتل بھی موت کا ذریعہ بنتا ہے گویا نتیجے کے اعتبار سے دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے اس لیے دونوں کو قیامت میں ایک ساتھ اٹھایا جائے گا۔ مال کی مصنوعی قلت پیدا کر کے اللہ کی مخلوق کو رزق سے محروم رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تاجر کو (اللہ کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور غلہ کو (گرانی کے خیال سے) روکنے اور بند کر کے رکھنے والا ملعون ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا اظہار شعب الایمان بیہقی کی ایک حدیثِ پاک سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے گرانی کے خیال سے غلے کو چالیس دن بند رکھا اس نے اللہ کے عہد کو توڑ ڈالا اور اللہ بھی اس سے بیزار ہو گیا۔“

ایک اور حدیث میں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص مسلمانوں کی ضروریات کی چیزیں، خاص طور پر کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو افلاس یا جدام میں مبتلا کر دیتا ہے۔“

تجارت اور لین دین کے معاملات میں ایک طریقہ ناپ تول کا بھی ہے۔ گئے وقتوں میں بہت سی اقوام ناپ تول میں بددیانتی کے سبب ہی عذاب الہی میں گرفتار ہوئیں۔ اسلامی تعلیمات میں حصول زر کے لیے ناپ تول کے معاملات دیانت داری کے ساتھ انجام دینے کو پسند فرمایا گیا ہے اور ناپ تول میں کمی بیشی اور دھوکے بازی کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم جب (کوئی جنس وغیرہ) بیچا کرو تو ناپ (تول) کر دیا کرو اور جب خریدا کرو تو ناپ (تول) کر لیا کرو۔“

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے والوں اور تولنے والوں سے فرمایا:

”تم ایسے کاموں (یعنی ناپ اور تول) کے متولی ہوئے ہو جن کی وجہ (تول میں کمی بیشی) سے پہلی امتیں غارت ہو گئیں۔“

معاشیات میں دولت کے حصول ہی کے بارے میں ہدایت و راہ نمائی میسر نہیں ہے بلکہ حاصل شدہ دولت کو خرچ کرنے کے بارے میں بھی ہدایت و راہ نمائی موجود ہے مثلاً جہاں صاحب ثروت اور مال دار لوگوں کے لیے زکوٰۃ دینا کو لازم اور فرض قرار دیا ہے وہاں غریب اور نادار افراد کے لیے صدقات و خیرات کی تعلیم بھی دی گئی ہے تاکہ دولت کی جائیز تقسیم ہو سکے۔ اپنی ضرورت سے زائد مال یا چیزیں سینت سینت کر رکھنا ناپسندیدہ اعمال میں سے ہے اور اپنی ضرورت سے اضافی چیزوں کو اپنے مسلمان بھائی کے استعمال میں لانے کو بھی پسندیدہ ترین فعل قرار دیا گیا ہے مثلاً کسی کے پاس کچھ زمین ہے اور ویران پڑی ہے۔ اسے یونہی بے کار پڑے رہنے دینا اچھی اور پسندیدہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ زمین اپنے بھائی کو کاشت کاری کے لیے دے تاکہ وہ زمین سے رزق اگا سکے اور اس سے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالے۔

اس سے پہلے کہ یہ محفل برخاست ہو میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ جہاں تک قرآن کریم اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو انسانی معاشرے کے لیے یہ ایک ابدی اور دائمی اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسی اساس اور بنیاد جس پر ہمیشہ عمارت تعمیر ہوتی

رہے گی لیکن ان دو بنیادوں کے ساتھ ساتھ وہ اجتہادات بھی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جن پر اتفاق رائے رہا ہے اور ان پر تاریخ اسلامی میں تسلسل کے ساتھ عمل درآمد ہوتا رہا ہے لیکن وہ اجتہادات جن کا تعلق خاص ان کے زمانے یا ان کے علاقے سے تھا یا پھر ایسے رسوم و رواج سے جو اس علاقے یا اس زمانے میں پائے جاتے تھے اور آج ناپید ہیں تو ایسے تمام احکامات پر نظر ثانی ہو سکتی ہے بلکہ ہونی چاہیے، گویا اسلام کے نظام معیشت و تجارت کی عملی تفصیلات ہر زمانے میں مختلف ہو سکتی ہیں جنہیں مختلف علاقوں اور زمانوں کے لحاظ سے مختلف انداز سے مرتب کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے۔

آج یہ نہ صرف ہماری ذمہ داری بلکہ ضرورت ہے کہ ہم قرآن کریم اور نبی مکرم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے فقہائے اسلام کے کیے ہوئے کام سے بھرپور استفادہ کریں اور آج کل کی مشکلات اور کاروباری صورتوں کے احکامات مرتب کریں۔ عصری تقاضوں اور ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دورِ جدید سے ہم آہنگ احکامات مرتب کرنا ایک انتہائی ذمہ داری کا کام ہے۔ یہ ایک اہم فریضہ ہے جو امت کے اہل علم کے ذمے ہے اور امید ہے کہ اہل علم و دانش اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی بجا آوری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت میں بیان کردہ معاشیات کے سنہرے اصول اپنانے اور ان پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## سوال و جواب

**سوال** میرا سوال یہ ہے کہ گیہوں، جو، کھجور اور نمک کے بارے میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کا لین دین کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں بلکہ یہ سود کے زمرے میں آتے ہیں حالاں کہ یہ تمام اشیا حلال ہیں پھر ان پر سود کا اطلاق کیوں کر ہوا؟

**جواب** بات دراصل یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی جو مثلیات سے تعلق رکھتی ہو یعنی اس جیسی چیز، اسی قیمت میں بازار میں عام دستیاب ہو، اس چیز کی ویسی ہی چیز سے خرید و فروخت کرتے ہوئے مقدار میں کمی بیشی کرنا بھی ربا یعنی سود ہی کی ایک قسم ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص ایک من گندم کے بدلے دو من گندم خرید لے۔ اچھی قسم کی گندم کم مقدار میں دے کر گھٹیا قسم کی گندم زیادہ مقدار میں لے لے یہ جائز اور درست نہیں ہے۔ گندم گندم ہے چاہے وہ عمدہ قسم کی ہو یا گھٹیا قسم کی۔ اگر کوئی شخص گندم کا گندم سے لین دین کرنا چاہے تو وہ برابری کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی قیمتی گندم فروخت کر کے ذرا معمولی قسم کی گندم زیادہ مقدار میں حاصل کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ موٹری ایکانومی کا راستہ اختیار کرے یعنی پہلے وہ سکے رائج الوقت کے حساب سے اپنی گندم فروخت کرے پھر اس نقد رقم سے بازار سے جتنی اور جیسی چاہے گندم خرید لے۔

**سوال** آپ نے ناپ تول کے رویوں کا بیان فرمایا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم کی تعلیم کیا ہے؟

**جواب** ناپ تول میں کمی بیشی اور لین دین کے پیمانوں کا فرق قرآن مجید کی رو سے سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ آج بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے معاملات کاروبار ایسے ہیں کہ اس میں خریدنے کی قیمت اور ہے اور واپس کرنے کی قیمت اور ہے۔ ابھی جا کر آپ دکاندار کو کوئی چیز فروخت کریں تو وہ اس کی کم قیمت آپ کو دے گا جب کہ

تھوڑی دیر بعد اگر وہی چیز آپ اسی دکاندار سے لینا چاہیں گے تو وہ آپ کو زیادہ قیمت میں دے گا یہ رویہ قرآن کریم کی رو سے غیر عادلانہ رویہ ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو بھی وہی غلط فہمی تھی جو آج کے مغربی یا مغرب زدہ انسان کو ہو گئی ہے کہ مذہبی تعلیم کا تجارت، کاروبار اور معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان تمام صورتوں کا تذکرہ کر کے ان کی ممانعت کی گئی ہے۔

**سوال** کسی بھی معاشرے میں فقر و فاقہ جنم لینے کے کیا اسباب ہیں؟

**جواب** قرآن کریم میں مواقع کی فراہمی میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ ہر شخص کے لیے بنیادی ضروریات یکساں ہونی چاہئیں۔ معاشی ناہمواریوں کا حد سے بڑھنا کسی بھی معاشرے میں فقر و فاقہ پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے کیوں کہ جب یہ تضاد حد سے بڑھنے لگتا ہے اور امیر اور غریب اور فقیر اور دولت مند میں فاصلہ بہت بڑھ جاتا ہے تو اس کے کچھ خارجی اور غیر فطری اسباب ہوتے ہیں مثلاً یا تو دولت کی تقسیم میں کہیں عدم مساوات سے کام لیا گیا ہے یا مواقع کی فراہمی یکساں نہیں ہے، یا کہیں بے انصافی جنم لے رہی ہے یا کچھ لوگ جہالت کا شکار ہیں جس کی وجہ سے وہ تجارت اور کاروبار کے جدید تقاضوں اور طور طریقوں سے نا آشنا ہیں یا دولت کا ارتکاز ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کسی علاقے میں امراض پھیل گئے ہوں کہ کچھ لوگ ان امراض کی وجہ سے اپنے وسائل کا صحیح استعمال نہ کر پارہے ہوں یا پھر حلال و حرام کی تمیز ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے آمدنی بھی ناجائز ہے اور اخراجات بھی۔ یہ ہیں وہ بڑے بڑے اسباب جن کے نتیجے میں فقر و فاقہ جنم لیتا ہے۔ قرآن کریم وہ مکمل دستور حیات ہے جس میں ان تمام اسباب کا حل بہت جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور سیرت مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نورانی کرنوں سے معاشرے کی فلاح و کامرانی کی راہیں لمحہ بہ لمحہ روشن و منور کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے تاکہ ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں اپنی زندگیاں منور کر سکیں۔ آمین رب العالمین





## صالح مسلمان بحیثیت والد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صاحبِ صدر، معزز حاضرین و سامعین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج کی یہ مبارک  
محفلِ خاص ماہِ ربیع الاول کے حوالے سے سجائی گئی ہے اور اس بابرکت محفل میں مجھے جس  
موضوع پر گفتگو کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہ ہے ”حتم الرسل ﷺ بحیثیت والد۔“

اس بات سے تو آپ سب آگاہ ہیں کہ نسلِ انسانی کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی  
جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ پھر آپ کے لیے جوڑا  
بنایا اور انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتے ہوئے تابہ ابد یہ ذمہ داری انسان ہی کے  
حوالے کر دی اور انسانی نسل کا سلسلہ چل پڑا جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

اپنے گرد و پیش پر اگر آپ سرسری نگاہ بھی ڈالیں تو یہ بات واضح طور پر دکھائی دے  
گی کہ معاشرہ جن بنیادوں پر استوار ہے ”حقوق و فرائض کی ادائیگی“ ان میں بہت اہم  
ہے۔ ہر شخص اگر اپنا فرض ذمے داری اور دیانت داری کے ساتھ ادا کرے تو نہ صرف یہ  
کہ کسی طرف سے بھی حق تلفی کا آوازہ بلند نہ ہوگا بلکہ معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن  
جائے گا۔ اسلامی تعلیمات اور احکاماتِ قرآنی کی عملی تفسیر چوں کہ نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ  
مبارکہ کی صورت میں ہمارے لیے نمونہ عمل ہے اس لیے ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں  
آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ آج کی نشست میں ہم یہ جاننے کی کوشش  
کریں گے کہ حضور اکرم ﷺ ایک باپ کی حیثیت سے کیسے تھے؟ اس حوالے سے  
آپ ﷺ کا عمل اور تعلیمات کیا ہیں اور ان پر عمل کرتے ہوئے آج ایک مسلمان باپ

کو کیسا ہونا چاہیے؟

بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ آج کے بچے ہی کل کے معمار ہیں۔ پیدائش کے وقت دو افراد ہی بچے کے لیے اہم ہوتے ہیں یعنی ماں اور باپ جو اس کی مستقبل کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی بچے کے پہلے استاد اور آئیڈیل ہوتے ہیں جن سے وہ اچھے یا برے جذبات و اخلاق یا اطاعت و نافرمانی کو اپنے اندر جذب کرتا ہے لہذا مسلمان باپ کو خود بھی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر وہ صوم و صلوة کا پابند ہو گا، سچ بولے گا، بری باتوں اور گناہ کے کاموں سے بچے گا تو ان شاء اللہ بچہ بھی از خود ایسا ہی طریقہ اختیار کرے گا۔

انسانی فطرت بھی عجیب ہے جب کسی چیز سے محروم ہوتی ہے تو اس کی قدر جانتی ہے۔ اولاد کی قدر و اہمیت بھی بے اولاد سے پوچھیے وہ اللہ کی اس نعمت سے محرومی پر کس درجہ دل گرفتہ اور کرب کا شکار ہوتا ہے یقیناً وہی اس کی بخوبی وضاحت کر سکتا ہے۔ سورۃ الشوری آیت ۴۹-۵۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”تمام بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا اور قدرت والا ہے۔“

لڑکا ہو یا لڑکی، اولاد بلاشبہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے اور یہ انعام و نعمت نہ صرف دنیوی حوالے سے ہے بلکہ اخروی حوالے سے بھی اس کی بہت اہمیت ہے۔ دنیوی حوالے سے تو اس طرح کہ گھر کی رونق اولاد کے دم سے ہے۔ گھر میں خیر و برکت ان ہی کے دم سے ہوتی ہے اس کے علاوہ اولاد آپ کی جانشین ہے جو آپ کے مرنے کے بعد آپ کے کاروبار اور جائیداد کی وارث ہونے کے ناطے آپ کے نام و نشان کو برقرار رکھتی ہے جب کہ دینی حوالے سے اولاد کی اہمیت دو چند ہے کیوں کہ اولاد کی تربیت اگر صحیح اسلامی بنیادوں پر کی جائے تو یہی اولاد آگے چل کر دین کے جو بھی کام کرے گی اس میں آپ کا پورا پورا حصہ ہو گا اور اگر خدا نخواستہ بچپن ہی میں انتقال ہو گیا اور اللہ کی مرضی سمجھ کر آپ

نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے بے انتہا اجر عطا کیا جائے گا اور یہی بچے ماں باپ کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ ہیں۔ وہ اپنے والدین کی سفارش کرنے والے ہیں اور ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔ جب کہ اولاد کی زندگی میں اگر آپ کا بلاوا آگیا آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو بھی نیک اولاد آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے جس کا اجر رہتی دنیا تک آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا لہذا ضروری ہے کہ اللہ رب العزت کی اس عطائے خاص پر، اولاد ایسے عظیم انعام پر جتنا شکر بھی ادا کریں کم ہے کہ بلاشبہ یہ اللہ کی طرف سے ایسی دولت ہے جو نہ قوت و طاقت سے حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ مال سے، اور نعمتوں کے ملنے پر شکر ادا کرنا نہ صرف انبیائے کرام کی سنت بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل عرب معاشرہ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اولاد کے حوالے سے ان کا رویہ انتہائی قابل مذمت تھا۔ لڑکا پیدا ہوتا تو خوشیاں مناتے اور لڑکی پیدا ہوتی تو اسے زندہ درگور کر دیتے اور یہ معمولی سی بات بھی سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے کہ یہی نومولود لڑکی آنے والے وقت میں ماں ہوگی جس کے قدموں تلے جنت ہوگی۔ بد قسمتی سے آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسے بے شمار گھرانے موجود ہیں جو لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں مناتے اور مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں جب کہ لڑکی کی پیدائش پر ان کے چہروں پر اداسی چھا جاتی ہے اور گھر رنج و الم کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اور انداز اسلامی طرز فکر و عمل کے خلاف ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان اس طرح کی تفریق کریں۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض گھروں میں اگر مسلسل لڑکیاں پیدا ہو رہی ہوں تو میاں بیوی کے درمیان معاملہ طلاق تک پہنچ جاتا ہے اور منفی طرز فکر کے باعث ہنستا بستا گھرا جڑ جاتا ہے۔ خالان کہ اولاد کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس میں کسی کے ارادے، آرزو اور خواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ سچ اور حق تو یہ ہے کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں لڑکی بہتر ہے اور کس کے حق میں لڑکا۔ ہر شخص کو یہ تمنا اور دعا کرنے کا اختیار تو ہے کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو یا لڑکی لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ

یہ تمنا اور دعا قبولیت کے درجے تک پہنچ جائے بلکہ فیصلے کا کئی اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے کہ وہ آپ کو لڑکی دے یا لڑکا۔ دونوں سے نوازے یا دونوں سے محروم رکھے اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو بدل دے یا اس پر اثر انداز ہو، بلاشبہ اس کی قدرت و اختیار میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ لڑکی ہو یا لڑکا، اولاد اللہ کا انعام ہے اور جسے اس انعام و اکرام سے نوازا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف انعام کی قدر کرے بلکہ اپنے محسن کا شکر بھی بجالائے۔ مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے اس انعام کی ناقدری اور ناشکری کرے بلکہ اسے تو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بات تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس نعمت سے نوازے اس لیے وہ اپنی قدرت اور علم کے تحت حکیمانہ فیصلے فرماتا ہے اور ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے فیصلوں پر راضی رہے اور انھیں اپنے حق میں بہتر سمجھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی مومن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ رکھے۔“

اور ابن ماجہ کی ایک طویل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کا اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں تو اس کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔

بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی والدین کے فرائض کا آغاز ہو جاتا ہے اور بچے کے حوالے سے والدین کے ذمے جو کام ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ سب کے سب فرض ہوں بلکہ ان میں سے بعض مسنون اور بعض مستحبات ہوتے ہیں مگر والدین کی فطری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے جو کچھ بن پڑے احسن طریقے سے انجام دیں اور ہر بات کو فرض سمجھ کر ادا کریں۔

دنیا میں آنے والا لڑکا ہو یا لڑکی، مسنون عمل یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کان میں اذان کہی جائے۔ کنز العمال میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی ہے اور اس کی برکت بیان فرمائی ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابی رافع رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ بیان کرتے ہیں:

”میں نے دیکھا ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں

نماز والی اذان دی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔“

اذان و تکبیر اقامت کے بعد تحنیک (گھٹی) مسنون عمل ہے یعنی کھجور یا چھوڑا چہا

کر تھوڑا سا بچے کے منہ میں ڈال دیا جائے بلکہ ہلکا سا اس کے تالو پر مل دیا جائے۔

ایک باپ ساری زندگی اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے پہلا تحفہ اس کا

اچھا نام ہے۔ غور فرمائیے نبی مکرم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی کتنا پیارا تھا۔ ”محمد“ یعنی وہ

جس کی تعریف سب سے زیادہ کی گئی اور دوسرا نام جو آپ ﷺ کی پیاری والدہ نے رکھا

تھا وہ بھی کس قدر حسین اور بامعنی ہے۔ ”احمد“ یعنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ دنیا

نے دیکھا کہ آپ واقعی اسم بامعنی ثابت ہوئے۔ بلاشبہ نام کا اثر شخصیت پر ہوتا ہے۔

زاد المعاد میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نام معانی کے قالب ہوتے ہیں لہذا حکمت

کا تقاضا ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان ایک خاص ربط ہو کیوں کہ نام اپنے مسکن کی

شخصیت پر اثر ڈالتا ہے اور انسان اپنے نام کی اچھائی اور برائی سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔

آج کل ناموں کے معاملے میں عجیب سوچ ہے۔ لوگ بچے کی پیدائش پر ایسے ناموں کی

تلاش میں رہتے ہیں جو خاندان برادری میں کسی کے نہ ہوں۔ بالکل نئے اور منفرد ہوں۔

ایسے اچھوتے کہ لوگ سنیں تو حیران ہوں کہ کتنا منفرد اور نیا نام ہے۔ واقعی اس سے پہلے تو

کبھی نہیں سنا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی انفرادیت کے چکر میں وہ رکھے جانے والے

نام کے معانی و مفاہیم کو بھی بھلا دیتے ہیں یا اپنی کم علمی کی وجہ سے ادراک نہیں رکھتے۔ صحیح

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے سب سے پیارے نام عبداللہ، عبدالرحمن

(اور اس جیسے ہیں)۔“

ایک اور حدیث میں سنن ابوداؤد میں فرمایا کہ نبیوں کے ناموں پر نام رکھا کرو۔ اچھے

نام رکھنے کی ترغیب میں جہاں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے

وہاں ایک اور پہلو کی بھی نشان دہی فرمائی۔ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن تم اپنے آبا کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے لہذا تم اچھے نام رکھا کرو۔“

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

”جب تم میرے نام پر نام رکھو تو میری کنیت اختیار نہ کرو۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ رہنمائی بھی فرمائی کہ کس طرح کے نام نہ رکھے جائیں۔ صحیح مسلم میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اپنے بیٹے کا نام یسار (مال داری) رباح (نفع) بنیح (مبارک بادی) ارح (کامیاب) نہ رکھو۔ اگر تم نے یہ یا ایسا نام رکھا اور کسی نے دروازے پر آ کر بچے کا نام لے کر پوچھا کہ وہ گھر میں ہے؟ اتفاق سے وہ گھر میں نہ ہوا اور تم نے جواب دیا ”نہیں ہے“، تو گویا یہ ایک بدشگونی ہوگی۔“

اسی طرح بخاری شریف میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کسی شخص کا سب سے برا نام ”شہنشاہ“ ہوگا۔“

یوں تو نبی اکرم ﷺ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ بچے اپنے نام بدلتے پھریں کیوں کہ پیارا نام وہ ہے جو ان کے پیارے ماں باپ نے رکھا ہے۔ تاہم ناموں کی اچھائی اور برائی کا رسول اکرم ﷺ کو اس قدر احساس تھا کہ آپ کوئی برا نام سنتے تو اسے بدل دیتے تھے۔ سنن ابو داؤد میں فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ایک بہن کا نام عاصیہ تھا۔ حضور ﷺ نے اس کا نام عاصیہ (گناہ گار) سے بدل کر جمیلہ (خوش شکل) رکھ دیا۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نام آپ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے بڑھ تھا۔ بڑھ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ نام کے اثر کی وجہ سے ان کے مزاج میں بہت سختی تھی۔ نکاح کے بعد آپ ﷺ نے ان کا نام تبدیل فرمایا مگر روایات میں آتا ہے کہ اتنی عمر تک اس نام سے پکارے جانے کے سبب مزاج میں جو سختی تھی وہ کم تو ہوئی لیکن آخر دم تک کسی حد تک یہ سختی موجود تھی نام کی تبدیلی کے حوالے سے ایسے بہت سے واقعات احادیث کی کتب میں مذکور ہیں۔ نام کے بگاڑنے کے حوالے

سے بھی اسلام نے منع فرمایا ہے۔ سورة الحجرات آیت ۱۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

”لقب اور نام نہ بگاڑا کرو۔ ایمان کے بعد بُرا نام ڈالنا برا کام ہے۔ جس نے اس سے توبہ نہ کی وہی ظالم ہیں۔“

بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا ایک سنت عمل ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے بھی اپنے بچوں کا نہ صرف عقیقہ کیا ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے گویا بچوں کے ضمن میں عقیقہ کرنا والدین کے ذمے ایک اہم کام ہے۔ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر بچہ عقیقے سے رہن ہوتا ہے۔ ساتویں دن اس کے لیے جانور ذبح کیا جائے، اس کا سر منڈایا جائے اور نام رکھا جائے۔“

ترمذی میں حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

”بچے کی ولادت کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی وغیرہ دور کرو۔“

گندگی وغیرہ دور کرنے سے مراد بال اتروانا اور نہلانا ہے اور بعض علماء کے نزدیک ختنہ بھی اسی حکم میں داخل ہے اس لیے کہ وہ بھی گندگی دور کرنے اور پاکیزگی و صفائی حاصل کرنے کے لیے ہے۔

ذبیحے کی صراحت کرتے ہوئے ابو داؤد اور نسائی میں حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس کے گھر میں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے عقیقے کے طور پر قربانی کرنا چاہے تو

چاہیے کہ لڑکے کے لیے دو بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک بکری ذبح کرے۔“

عقیقہ دراصل اس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی ولادت کے ساتویں دن بطور صدقہ ذبح کیا جاتا ہے۔ اگر ممکن ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک لیکن لڑکے کے عقیقے میں دو بکریاں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک بکری یا بکرا بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔ یہ چوں کہ بچے کی جان کا صدقہ ہے

اور بچے کی جان اس کے عوض رہن ہے اس لیے عقیقہ کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی کا عقیقہ بچپن میں نہ ہوا ہو تو وہ بالغ ہونے کے بعد خود اپنا عقیقہ کر سکتا ہے۔ (فتح الباری، (ج ۹ ص ۵۹۴) میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود کیا جب کہ ایک روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی اور فرمایا:

”اے فاطمہ! اس کا سر منڈاؤ اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو، سو انھوں نے ان کے بالوں کا وزن کیا وہ ایک درہم کے برابر نکلے یا کچھ کم۔“

ختنہ بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت اور اسلامی شعار ہے۔ بیہقی اور فتح الباری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فطرت (سلیم) پانچ چیزیں ہیں۔ ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا، بغل کے بال صاف کرنا، موچھین کترنا اور ناخن کاٹنا۔“

یہ پانچوں چیزیں انبیائے کرام کی سنت رہی ہیں اور سارے انبیائے نے ان پر عمل کیا ہے یعنی یہ انسان کی فطرت اور جبلت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرا لیا جائے اور اگر کسی وجہ سے نہ کرا سکیں تو چالیس دن کے اندر اندر کرائیں ورنہ جب بھی کرائیں پہلے یا بعد میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ تو تھا چند ابتدائی ضروریات و معاملات کا احوال جن کی تکمیل باپ کے ذمے ہے مگر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے باپ کی ذمہ داری بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کے مراحل شروع ہو جاتے ہیں۔ شعب الایمان بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔“

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول



اکرم ﷺ نے فرمایا:

”کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔“

ایک باپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو اللہ کی نعمت جانتے ہوئے اس کی قدر کرے۔ اس سے محبت و شفقت سے پیش آئے اور کسی بچے کو اس بات کا احساس نہ ہونے دے کہ تم اسے کسی طرح نظر انداز کر رہے ہو۔ اپنی اولاد میں ہرگز تفریق نہ کرو سب کا آپ پر یکساں حق ہے۔ اس لیے سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرو۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اولاد میں کوئی زیادہ ذہین ہے اور کوئی کم ذہین یا ایک سے زائد بیویاں ہیں اور سب سے اولاد ہیں یا موجودہ اور سابقہ بیوی سے اولاد کا معاملہ ہے۔ بعض بچے بہت ہوشیار اور چالاک و ذہین یا بعض قدرے کم عقل یا پھر لڑکا اور لڑکی۔ غرض یہ کہ کسی بھی حوالے سے تفریق یا عدم مساوات کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے اور سب کی تربیت میں یکساں توجہ دینی چاہیے البتہ لڑکے اور لڑکی کے حوالے سے مخصوص ضروریات و احتیاجات کا خیال رکھنا عدم مساوات کے زمرے میں نہیں آتا اور نہ ہی اولاد میں سے کسی کو مادر پدر آزاد چھوڑ دینا عقل مندی کی بات ہے بلکہ اگر اولاد نافرمانی کی طرف راغب ہو جائے تو اسے پیار سے سمجھانا اور تربیت کرنا چاہیے اور ان کے درمیان تفریق اور عدم مساوات سے پرہیز کرنا اور برابری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ انھی کی زبانی سنئے۔

”ایک دفعہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا تو میری والدہ (عمرہ بنت

رواحہ رضی اللہ عنہا) نے کہا میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک آپ رسول

اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بنائیں۔ چنانچہ میرے والد حضور اکرم ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا کے

بطن سے ہے عطیہ دیا ہے وہ کہتی ہے کہ اس پر آپ ﷺ کو گواہ بناؤں۔ حضور

اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم نے باقی اولاد کو بھی اس کے برابر دیا ہے؟“

میرے والد نے کہا ”نہیں“ نبی اکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ”اللہ سے ڈرو

اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف (برابری) کرو۔“ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ”میرے والد نے آ کر عطیہ واپس لے لیا۔“ دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔“

اولاد کے لیے اچھی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی کفالت اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے ذرائع مہیا کرنا بھی باپ ہی کا خوش گوار فریضہ ہے۔ مسند احمد میں ختم المرسلین ﷺ نے فرمایا:

”اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرو اور مؤدب کرنے کے لیے (حسب ضرورت) سختی بھی کرو اور انھیں اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔“

جامع ترمذی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”سب سے بہتر اشرفی، وہ اشرفی ہے، جس کو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔“

ابو قلابہ (درمیانی راوی) کہتے ہیں آپ ﷺ نے بال بچوں پر خرچ کرنے سے بات شروع کی اور پھر فرمایا:

”اس آدمی سے بڑھ کر اجر و انعام کس کا ہو سکتا ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو مانگنے سے بچائے اور خوش حال بنائے رکھے۔“

گویا اولاد پر خرچ کرتے وقت نیت اللہ کو راضی کرنے کی ہو یہ نہ ہو کہ آج آپ ان کے لیے کر رہے ہیں تو کل یہ آپ کے لیے کریں گے۔ آج آپ جو یہ انویسٹ کر رہے ہیں تو کل اس کا بدلہ ملے گا اور یہ بڑھاپے کی بیساکھی بنیں گے۔ یہ ایک غلط سوچ ہے بلکہ اصل میں تو نیت یہ ہونی چاہیے کہ اولاد اللہ کا انعام ہے اور دولت بھی اللہ ہی نے دی ہے اس لیے اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اولاد پر خرچ کر رہا ہوں تو یہ بڑے ہو کر جو خیر و برکت کا کام کریں گے وہ آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہوگا۔ گویا ایک باپ کا بچوں کے

لیے دنیا کمانا بھی اجر و ثواب کا باعث بن جاتا ہے لہذا بچوں کے لیے آپ جو بھی صبح سے شام تک محنت مشقت کریں گے اس کے لیے اپنے اللہ سے آخرت کے اجر و ثواب کی امید ضرور رکھیں۔

جب ایک باپ اپنی اولاد کو پال پوس کر بڑا کرتا ہے۔ اسے اچھی تعلیم دلاتا ہے اور عمدہ تربیت سے اس کی سیرت و کردار کی تعمیر کرتا ہے تو ایک دن وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب اولاد جوان اور بالغ ہو چکی ہوتی ہے پھر وہ اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کے شادی بیاہ کا انتظام و انصرام کرتا ہے۔ آج معاشرے کا چلن بدل رہا ہے اور شادی بیاہ کے حوالے سے منفی اقدار اور سوچ پروان چڑھ رہی ہے۔ کہیں جہیز کی صورت میں مال و دولت کی ہوس ہے اور کہیں پری پیکر چہروں کی تلاش ایسے خود ساختہ معیاری رشتوں کی تلاش اور زیور و جہیز کی جستجو میں لڑکے لڑکیوں کی زندگیاں تباہ کرنا گناہِ کبیرہ سے کم نہیں ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے بحیثیت باپ شادی بیاہ کی ذمہ داری کس خوبی سے نبھائی اور ہمارے لیے ہدایت کا جو نور بخشا بلاشبہ وہی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ بیہقی، شعب الایمان میں حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جس کے گھر بچہ پیدا ہو وہ اُسے اچھا نام دے۔ اس کی تربیت کرے۔ جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرے۔ اگر سنِ بلوغت کے پہنچنے پر اس کی شادی نہ کی اور وہ گناہ میں پڑ گیا تو اس گناہ میں اس کا باپ بھی شریک ہوگا۔“

اسی طرح لڑکی کی شادی کے بارے میں بیہقی میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب لڑکی بارہ برس کی ہو جائے (عرب میں یہ بلوغت کی عمر تھی) اور اس کے والدین شادی نہ کریں تو اب اگر اس لڑکی سے کوئی گناہ ہو گیا تو اس گناہ کی ذمہ داری ماں باپ کی ہوگی۔“

گو جہیز کی لعنت نے معاشرے کو اس درجے اپنی گرفت میں لے لیا ہے کہ اب لڑکی کی پیدائش کو ماں باپ خود پر بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔ حالاں کہ بیٹیوں کو بوجھ نہیں سمجھنا

چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جس کو دنیا میں پیدا فرماتا ہے تو اس کے نصیب کا رزق اور نعمتیں اتارتا ہے۔ اس لیے باپ اولاد کی بہتر تعلیم و تربیت، ان کی ضروریات کی تکمیل اور کفالت، بہترین طریقے سے ان کی پرورش اور شادی بیاہ کرنے پر ہونے والے اخراجات کو خود پر بوجھ نہ سمجھے اور پریشان نہ ہو۔ خاص طور پر لڑکیوں کی شادی بیاہ پر تو بالکل پریشان نہ ہوں بلکہ ٹھنڈے دل سے ان تمام ذمہ داریوں کے حوالے سے سیرتِ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی پیاری سیرت پر نظر دوڑائیں اور اس حوالے سے احادیثِ مبارکہ میں جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ پیش نظر رکھیں اور اپنی اہلیہ کو بھی تسلی دیں کہ ان سب فکروں اور پریشانیوں پر اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور ان کے ساتھ اس نے اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔“

اسی طرح سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کے لیے جنت کا فیصلہ ہے۔“

غرض یہ کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا اصل شکر یہ ہے کہ نعمت اپنے صحیح مقصد میں استعمال ہو۔ اولاد اللہ تعالیٰ نے اس لیے دی ہے کہ اس کی صحیح دینی تربیت ہو اور اس طریقے پر پروان چڑھے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور بڑے ہو کر اللہ رب العزت کے کلمہ حق کو ساری دنیا میں بلند کرنے کے لیے اپنا تن من دھن سب قربان کر دے اور حضور ﷺ کی نیابت کا حق ادا کرے بجائے اس کے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت اغیار کے طریقوں پر کی جائے اور وہ بڑے ہو کر صرف دنیا کے مال

ومتاع کے حصول میں اپنی زندگی گزارے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اولاد کی نعمت سے نوازا ہے تو لغویات میں پڑنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا بیان کریں، شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے اور اپنے لیے دین پر پوری طرح چلنے کی دعا کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے نیز اولاد کی نعمت پر اپنا حقیقی شکر ادا کرنے اور دینی تعلیمات کی روشنی میں اولاد کی تعلیم و تربیت کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## سوال و جواب

**سوال** پروفیسر صاحب! میرا سوال ہے کہ اولاد اگر نافرمان ہو جائے اور گمراہی کا شکار ہو تو اس کی اصلاح کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

**جواب** دیکھیے یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں موقع کی مناسبت سے اختیار کیا جا سکتا ہے تاہم حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لطائف حوالۃ المؤمن والاخلاق“ میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لیے سب سے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لیے دعا کا اہتمام کریں۔ دعا کرنے میں نہ تو پیسے خرچ ہوتے ہیں اور نہ جان مارنا پڑتی ہے لہذا اپنی اولاد کی دنیوی و اخروی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا سب سے آسان عمل ہے۔ اولاد کے لیے دعا مانگنا اکثر انبیاء علیہم السلام کی سیرت مبارکہ میں ملتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ دعا مانگنے کا سب سے اچھا طریقہ اور سلیقہ تو انبیاء کرام کے پاس ہی ہوتا ہے لہذا دعا کے حوالے سے بھی تمام مسلمان والدین کے لیے جملہ انبیائے کرام خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ قابل اتباع ہے۔

**سوال** محترم! مجھے یہ پوچھنا ہے کہ کیا باپ پر بچے کا عقیقہ کرنا فرض ہے؟

**جواب** جی نہیں۔ عقیقہ ایک مستحب صدقہ ہے فرض نہیں ہے کہ لازمی کیا جائے۔ اگر کوئی معاشی طور پر کمزوری کی وجہ سے نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔ اگر باپ خوش حال ہو تو بہتر ہے کہ عقیقہ کرے۔ یہ بچے کی جان کا صدقہ ہے۔ عقیقہ کرنے سے بچہ نہ صرف بلاؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ آفات و مصائب سے بھی حفاظت رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ عقیقہ کا گوشت غریبوں میں تقسیم کرنے سے غریبوں کی دعائیں بچے کو ملتی ہیں جن کے قبول ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ رشتے داروں اور پڑوسیوں کو بھی گوشت دیا یا کھلایا جا سکتا ہے۔ اس سے سماجی روابط مضبوط ہوتے

ہیں۔ اخوت اور بھائی چارہ بڑھتا ہے اور نومولود کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ ابو داؤد اور جامع ترمذی کی ایک حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض رہن ہے۔ ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح

کیا جائے۔ اسی روز اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال اتروائے جائیں۔“

**سوال** کیا عقیقہ ساتویں دن کرنا ہی ضروری ہے یا کسی بھی دن کیا جاسکتا ہے؟ نیز اس کے گوشت کی تقسیم کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**جواب** ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے ورنہ تو یہ زندگی میں کبھی بھی کیا جاسکتا ہے۔

شارحین نے اس کی ایک آسان ترکیب یہ بیان فرمائی ہے کہ بچہ جس دن پیدا ہوا ہے اس سے پہلے والے دن عقیقہ کیا جائے مثلاً بچہ جمعرات کو پیدا ہوا ہے تو بدھ کو اس کا عقیقہ کیا جائے جس بدھ کو بھی عقیقہ کیا جائے وہ پیدائش کا ساتواں دن پڑے گا۔ گوشت کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے وہی عقیقے کے گوشت کا ہے یعنی تین حصے کر لیے جائیں ایک حصہ اہل خانہ کے لیے، ایک حصہ رشتے داروں اور دوستوں کے لیے اور ایک حصہ غریبوں اور مسکینوں کے لیے۔ عقیقے کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور پکا کر دعوت کر کے کھلایا بھی جاسکتا ہے مگر یاد رہے کہ تقریب عقیقہ چوں کہ سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں ہے اس لیے نہایت سادگی کے ساتھ انجام دی جانی چاہیے اور ویسے بھی مسنون تقریب یا عمل میں فضولیات اور دکھاوے سے بچنا چاہیے۔

**سوال** عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں لیکن جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ فکر مند دکھائی دیتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے بچوں کا کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں کچھ وضاحت فرمائیں۔

**جواب** دیکھیے! جو صورت آپ نے بیان کی ہے وہ ایمان کی کمزوری اور دینی تعلیم سے ناواقفیت کی وجہ سے دکھائی دیتی ہے۔ اگر ہم اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہوں اور

ہماری روزمرہ زندگی نور محمد ﷺ سے معمور ہو تو اس طرح سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارا رب تو وہ ہے جو انسان کو دنیا میں پیدا کرنے سے پہلے ماں کے جسم میں اس کا رزق اتار دیتا ہے پھر بھلا ہمیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچوں کا کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جس نے پیدا فرمایا ہے وہی روٹی روزی اور زندگی کا مالک ہے۔ دور اندیش اور عقل مند لوگ دنیا سے زیادہ آخرت کے بارے میں سوچتے ہیں اور اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ان کے بچے اگر نیک و صالح نہ بن سکے تو چاہے وہ دنیا میں کچھ بھی بن جائیں معاملہ تو خسارے میں ہی رہے گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ





## قرض کی ادائیگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صاحبِ صدر، معزز حاضرین و سامعین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کی یہ بابرکت محفل نبی مکرم ﷺ کے حوالے سے ہے اور مجھ ناچیز کو سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں ”قرض کی ادائیگی“ کے موضوع پر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی ہے۔

اصطلاحی طور پر قرض سے مراد وہ قابلِ واپسی رقم ہے جو کاروبار یا دیگر معاملات کے حوالے سے ایک شخص کسی دوسرے شخص کو دیتا ہے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ اس نیکی کے لیے استعمال کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دے گا۔ اپنا مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو قرآن نے اللہ کو قرض دینا بتایا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۵ میں ارشادِ خداوندی ہے:

”کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“

انسانی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور نامساعد حالات کے سبب بہت سے لوگ قرض کا سہارا لیتے ہیں۔ لین دین کے ایسے معاملات کے بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲-۲۸۳ میں واضح تعلیم فرمائی گئی ہے:

”اہلِ ایمان قرض کے حوالے سے آپس میں لین دین کریں تو اسے لکھ لیا کریں اور لکھتے وقت دو گواہ رکھیں اگر ایک مرد ہو تو دوسرے مرد کی جگہ دو عورتیں گواہ بنالیں۔“

لیکن یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اپنے دین کی واضح تعلیم کے باوجود ہمارے معاشرے میں لین دین کے معاملات کو ضبط تحریر میں لانا پسند نہیں کیا جاتا حالانکہ اس حکم پر عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں لین دین کے معاملات میں بہت سی قباحتیں بھی پیدا ہوتی دیکھی گئی ہیں اور بعض جگہ تو نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ جب ایک شخص آپ کی ضرورت میں آپ کے کام آیا اور آپ کو قرض دیا تو اپنی ضرورت پوری ہونے کے بعد جلد از جلد احسن طریقے سے قرض واپس لوٹائیں کجا یہ کہ بدنیت ہو جائیں اور قرض کو ہڑپ کر جائیں۔ یہ انداز و اطوار اسلام میں قطعاً پسندیدہ نہیں ہیں اور نبی مکرم ﷺ نے بھی ایسے رویے کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں فرمایا ہے بلکہ شکرے کے ساتھ اچھے طریقے سے قرض لوٹانے کی تعلیم فرمائی ہے اور اس شخص کو بہترین آدمی قرار دیا ہے جو قرض کی ادائیگی بہتر طریقے سے کرے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نو عمر اونٹ کسی سے قرض لیا پھر آپ کے پاس زکوٰۃ کے کچھ اونٹ آئے، ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ”آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اس آدمی کا نو عمر اونٹ کا قرضہ ادا کر دوں۔“ میں نے کہا ”ان اونٹوں میں صرف ایک اونٹ ہے جو بہت عمدہ ہے اور سات سال کا ہے۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہی اسے دے دو اس لیے کہ بہترین آدمی وہ ہے جو بہترین طریقے سے قرض ادا کرتا ہو۔“

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں بھی ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ ﷺ سے سخت کلامی کی تو صحابہ کرام نے بھی (اس کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آنے کا) ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

”اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو کیوں کہ صاحب حق کو کہنے کا حق ہے اور اس کا قرض ادا کرنے کے لیے ایک اونٹ خرید لاؤ اور اس کو دے دو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونٹ خریدنے چلے گئے اور واپس آ کر کہا (اس شخص کا اونٹ جس

حیثیت کا تھا اس طرح کا اونٹ نہیں مل رہا ہے) صرف ایسا اونٹ مل رہا ہے جو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر کا ہے اور زیادہ عمدہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو کیوں کہ وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو بہتر اور

زیادہ ادا کرے۔“

مقروض یعنی قرض لینے والا اور قرض خواہ یعنی قرض دینے والا جب دونوں لین دین کے معاملات اخلاص نیت کے ساتھ طے کرتے ہیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے لیکن آج کل عام مشاہدہ یہ ہے کہ لوگ قرض لینے کے معاملے میں جس قدر چُست نظر آتے ہیں قرض لوٹانے کے معاملے میں وہ کہیں زیادہ سست نظر آتے ہیں اور مختلف انداز سے کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح قرض کی ادائیگی نہ کرنی پڑے۔ نبی مکرم ﷺ نے قرض کی ادائیگی کے لیے سخت تاکید فرمائی ہے اور قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لینے والے کو ظالم کہا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ ایک بوڑھا زنا کار، دوسرا

مفلس تکبر کرنے والا تیسرا مال دار ظالم (جو قرض خواہ ہو یا واجب الادا رقم کے

ادا کرنے میں ٹال مٹول کر کے ظلم کرتا ہے)۔“

جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور مسند دارمی میں ایک حدیث مبارکہ میں حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مومن بندے کی روح اس کے قرضے کی وجہ سے معلق رہتی ہے جب تک کہ

وہ قرض جو اس پر ہے ادا نہ کر دیا جائے۔“

گویا کوئی شخص جب مرتا ہے اور دنیا سے اس کا تعلق ٹوٹتا ہے تو وہ یقین رکھتا ہے کہ

اس نے اپنی زندگی میں جو نیک اعمال کیے ہیں ان کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا

جائے گا اور ایسی حالت میں کہ جب دنیا سے گیا تو ایمان کی حالت میں تھا لیکن اگر اس

نے اپنے ذمے واجب الادا قرض کی ادائیگی کو ممکن نہیں بنایا اور غفلت و لاپرواہی یا کوتاہی

سے کام لیا تو صاحب ایمان اور اعمالی صالحہ کے باوجود اسے راحت و سکون کی وہ منزل

نصیب نہ ہوگی جس کا مومنین و صالحین سے وعدہ کیا گیا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا۔ صحابہ نے عرض کیا جنازے کی نماز پڑھ لیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”اس پر قرض تو نہیں ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا ”نہیں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔ پھر ایک جنازہ اور لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”اس پر قرض ہے؟“ کہا گیا ”ہاں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”کچھ چھوڑا ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا ”تین دینار“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی نماز پڑھ لی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”اس پر قرض ہے؟“ عرض کیا گیا ”تین دینار“ فرمایا: ”کچھ چھوڑ کر مرا؟“ عرض کیا ”کچھ نہیں“ فرمایا: ”تم اپنے دوست پر نماز پڑھ لو“ ابو قلاوہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز پڑھ لیجیے اس کا قرض میں ادا کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھ لی۔“

قرض تو بہر حال قرض ہوتا ہے اور اسے ہر حالت میں لوٹانا ہی پڑتا ہے لیکن مقروض اگر قرض کی ادائیگی احسن طریقے سے کرے تو قرض خواہ کی نہ صرف تسکین ہوتی ہے بلکہ ہمت و حوصلے میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ خوشی کے ساتھ دیگر ضرورت مندوں کو بھی قرض دینے سے نہیں ہچکچاتا۔ جب کہ دوسری صورت میں اس کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور وہ کسی ایک شخص کے غلط طرز عمل کے سبب بہت سے ضرورت مندوں کو قرض دینے سے بھی کتراتا ہے۔

اسلام میں شہید اور شہادت کو جو مقام اور قدر و منزلت حاصل ہے آپ سب اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ شہید کے بارے میں اللہ رب العزت نے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۴ میں ارشاد فرمایا:

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔“  
بلکہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۹ میں تو یہاں تک فرمایا:

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔“  
اس قدر بلند مقام و درجات حاصل ہونے والے شہید کو بھی قرض کے معاملے میں بری الذمہ قرار نہیں دیا گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”شہید کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے مگر قرض معاف نہیں کیا جائے گا۔“  
ذرا غور فرمائیے کہ جب اللہ کے اس قدر مقرب بندے بھی قرض کے اثرات و مضمرات سے نہ بچ سکیں گے تو میرے اور آپ جیسا ایک عام مسلمان اپنے ذمے واجب الادا قرض ادا کیے بغیر بھلا کیسے بخش دیا جائے گا؟ لہذا بہتر ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اپنے ذمے کا قرض ادا کر دیں تاکہ موت کا مزہ چکھنے کے بعد کسی طرح کی پریشانی و ندامت کا سامنا نہ ہو۔ اول تو قرض لینا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے لیکن اگر انتہائی مجبوری اور ضرورت میں قرض لینا پڑ جائے تو قرض کی ادائیگی کا ارادہ اور نیت ہونی چاہیے۔ نیت کی خرابی کا دخل ہرگز نہیں ہونا چاہیے تاکہ دنیوی اور اخروی آفات و بلاؤں سے محفوظ رہ سکیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص لوگوں سے قرض لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ اس سے وہ قرض ادا کر دیتا ہے اور جو شخص اس نیت سے قرض لے کہ اس کو ادا نہ کرے گا تو اللہ اس کے مال کو تلف اور ضائع کر دیتا ہے۔“

### انبا الاعمال بالنیات

ایسی معروف حدیث کو ہم اگر ذہن میں رکھیں تو یقیناً قرض لیتے وقت بد نیتی سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور نیت و ارادہ قرض کی ادائیگی کا ہے تو اللہ کی رضا اور مدد ہمارے شامل حال رہے گی۔ سنن نسائی کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔ انھوں نے بیان فرمایا:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ

قرض لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض دنیا ہی میں ادا کرادیں گے۔“

حصولِ رزق کے حوالے سے قرض لینے کا مقصد بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ اس بات کو تو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ قرض کسی جائز حاجت کی تکمیل کے لیے لیا جا رہا ہے یا پھر کسی بُرے کام کے لیے۔ اگر کوئی شخص اپنی جائز اور ضروری حاجت پوری کرنے کے لیے قرض لیتا ہے اور پھر قرض کی ادائیگی کی نیت اور فکر بھی رکھتا ہے تو قرضہ ادا ہونے تک اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مدد اس کے ساتھ رہے گی۔ سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا نہ ہو بشرطیکہ کسی برے کام کے لیے نہ لیا گیا ہو۔“

استطاعت ہوتے ہوئے بھی قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول اور لیت و لعل سے کام لینا درحقیقت اللہ کی رحمت سے دوری اور طرح طرح کی مصیبتوں کے ساتھ ساتھ اخروی وبال کا سبب بھی ہے لہذا اول تو مقروض کو چاہیے کہ تقاضا کرنے سے پہلے ہی قرض لوٹا دے لیکن اگر نوبت یہاں تک آجائے کہ قرض خواہ کو تقاضا کرنا پڑے تو پھر بغیر کسی تاخیر کے احسن طریقے سے قرض کی ادائیگی کی جائے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے تا وقت یہ کہ اس ذمے واجب الادا قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے یا یہ کہ وہ اتنا مال چھوڑ کر مرا ہو کہ اس سے قرض ادا ہو سکے۔ میراث یعنی وراثت کی تقسیم کے حوالے سے بھی علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر میت کے ذمے قرض ہے تو ترکے میں سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے لیکن اچھی بات تو یہ ہے کہ معاملہ ترکے تک پہنچنے ہی نہ پائے اور انسان اپنی زندگی میں ہی قرض سے خلاصی حاصل کر لے۔

مقروض کے ساتھ ساتھ قرض خواہ کے معاملات بھی اہم اور توجہ طلب ہیں۔ اسلام کے ہمہ جہتی نظامِ کامل میں زندگی کے تمام پہلوؤں اور ہر پہلو سے تعلق رکھنے والے انسانوں کے لیے نورِ ہدایت موجود ہے۔ اہل ثروت افراد کو اللہ تعالیٰ نے جہاں مال و

دولت سے نوازا ہے وہاں غریبوں، محتاجوں اور کم مایہ افراد کے حقوق بھی ان پر لازم کیے ہیں۔ قرض کا معاملہ بھی ایک ایسے ہی پہلو کی عکاسی کرتا ہے کہ کم مایہ شخص دولت مند یا صاحب استطاعت سے ادھار لے کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے۔ قرض خواہ کو قرض دیتے وقت یہ بات ضرور دیکھنی چاہیے کہ جسے وہ قرض دے رہا ہے کیا واقعی وہ اس کا مستحق بھی ہے۔ ہمارے ہاں آج کل بینکوں سے سودی قرضوں کا رواج چل پڑا ہے۔ بینکوں کو اپنے سود سے غرض ہوتی ہے وہ اس طرح کی جانچ پڑتال نہیں کرتے کہ قرض لینے والا ضرورت مند اور مستحق بھی ہے یا نہیں اور دیکھنے میں آیا ہے کہ بینکوں کے کارندے صاحب ثروت افراد کو بھی قرض لینے کی ترغیب دیتے پھرتے ہیں اور مال دار لوگ بینکوں کے یہ سودی قرضے لے کر اپنی عیش و عشرت کی زندگی پر لگاتے رہتے ہیں اور سود کے وبال سے بے بہرہ رہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ضرورت مند اور مستحق افراد کو قرض دے تو اسے وصولی کے معاملے میں بھی اپنا رویہ نرم رکھنا چاہیے کیوں کہ مقروض و مجبور شخص اگر آسانی کے ساتھ ہی قرض کی ادائیگی کر سکتا تو بھلا قرض کیوں لیتا لہذا تنگ دست مقروض کے معاملے میں اگر مہلت اور درگزر کا راستہ اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت پسندیدہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے اس کو بچائے وہ تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اپنا قرض معاف کر دے۔“

بعض مقروض افراد قرض خواہ سے مہلت اور رعایت کے حصول کے لیے تحفے تحائف کا سہارا لیتے ہیں اور قرض خواہ کو گاہے گاہے تحائف بھیجتے رہتے ہیں تاکہ وہ مرآت میں قرض کی ادائیگی میں چھوٹ دیتا رہے۔ یہ عمل اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے ہاں! اگر مقروض شخص کے قرض خواہ سے پرانے مراسم ہیں اور قرض لینے سے پہلے بھی وہ اس کے ہاں تحفے تحائف بھیجتا رہا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے اور پھر مقروض اسے ہدیہ بھیج دے یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو سواری پر سوار نہ ہو اور نہ ہدیہ قبول کرے لیکن اس

صورت میں کوئی حرج نہیں جب پہلے سے لین دین چلا آ رہا ہو۔“

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے فی زمانہ غربت و مہنگائی اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لوگ اپنے جسمانی اعضا بیچ کر چولہا جلانے پر مجبور ہیں اور سفید پوشی کا بھرم رکھنے میں اس درجہ خاموش ہیں کہ کسی کو ان کی پریشاں حالی کی خبر تک نہیں ہو پاتی لیکن دردمند دل رکھنے والے لوگ ایسے ضرورت مندوں کو پہچان لیتے ہیں اور اس طرح ان سے تعاون کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے دیتے ہیں تو دوسرے کو خبر تک نہیں ہوتی۔ یوں چپکے چپکے مدد کرنا اپنی جگہ افضل ہے لیکن ایک اور پہلو بھی ہے جو قرضِ حسنہ کہلاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو بار بار تھوڑی تھوڑی رقم بطور مدد دی جائے اور اسے اس مدد کا عادی بنا دیا جائے اس سے تو بہتر ہے کہ ایک بار اکٹھی اور مناسب رقم سے اسے کوئی کاروبار شروع کروا دیا جائے۔ یوں قرضِ حسنہ سے ایک بے روزگار شخص جب اپنا کاروبار شروع کرے گا تو وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں رہے گا اور آہستہ آہستہ نہ صرف اس کے گھر کے حالات بہتر ہو جائیں گے بلکہ کچھ عرصے بعد وہ اپنا قرض بھی آسانی سے اتار سکے گا۔ یوں اگر قرضِ حسنہ کے ذریعے اہل ثروت افراد میدانِ عمل میں آجائیں تو چراغ سے چراغ جلنے لگے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے غربت کے مارے افراد بھی سکھ کا سانس لے سکیں گے۔ اس طرح دولت مندوں کا میانہ روی کا انداز نہ صرف ضرورت مندوں کو دستِ سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچا لے گا بلکہ حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ قرض سے خلاصی بھی عطا کر دے گا۔ سنن ابو داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھا طور طریق اور متانت اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جز ہے۔“

اور میانہ روی کا ایسا انداز کہ صاحبِ ثروت افراد غریب و نادار افراد کی مدد ایسے طریقے سے کریں کہ مقروض کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو تو یہ بلاشبہ قرضِ حسنہ ہی کے ذریعے سے ممکن ہے کیوں کہ قرضِ حسنہ میں مقروض کے سر پر قرض کی ادائیگی کے حوالے سے کوئی تلوار نہیں لٹک رہی ہوتی بلکہ وہ اپنی سہولت سے قرض کی ادائیگی کر سکتا ہے اور اگر خدا نخواستہ حالات میں بہتری نہ آسکے تو بھی ذہنی اذیت سے بچا رہتا ہے لیکن نیت کی اس خرابی سے بچنا بھی ضروری ہے کہ قرضِ حسنہ حاصل کر کے لوگ بے جا اصراف میں مبتلا نہ



جائیں اور سمجھ لیں کہ یہ قرض واپس کرنے کے لیے تو ہے نہیں لہذا دل کھول کر خرچ کریں۔ قرضِ حسنہ کو بھی اگر ہم یہ سمجھ کر خرچ کریں گے کہ یہ بھی ایک قرض ہے جو بہر حال واپس کرنا ہے تو اس احساسِ ذمہ داری کے سبب اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ ہمارا قرض دنیا ہی میں ادا کروادے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حقوق العباد میں کوتاہی اور قرض سے محفوظ و مامون فرمائے اور جملہ مقروض افراد کو اچھے طریقے سے اپنا اپنا قرض ادا کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## سوال و جواب

**سوال** مجھے پروفیسر صاحب سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ نے قرض کے لین دین کے حوالے سے قرآنی تعلیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کی کچھ وضاحت فرمادیں۔

**جواب** دیکھیے بنیادی طور پر نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ قرآنی تعلیمات و احکامات کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی جن آیات کا میں نے اپنی تقریر کے دوران ذکر کیا ہے ان میں بہت وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اللہ نے اسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے کہ اس کا مالک ہے خوف کرنے اور زرقرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی اور جب گواہ (گواہی کے لیے) طلب کیے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا۔ یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے اس سے تم کو کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں پڑے گا ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ

نہیں اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔ اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے لیے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور دیکھو کہ وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے تو (کوئی چیز) رہن یا قبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دے دے) تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے۔ اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“

**سوال** پروفیسر صاحب! آپ نے اونٹ کے حوالے سے ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ وہ آپ ﷺ نے قرض لیا۔ کیا نبی پاک ﷺ نے کبھی پیسے بھی قرض لیے؟ اور اس کی ادائیگی کس طرح فرمائی؟

**جواب** میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ آیات قرآنی کی عملی تفسیر ہے اور آپ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جو جملہ انسانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کے سوال کے جواب میں سنن ابو داؤد کی ایک روایت بیان کرنا چاہوں گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میری واجب الادا رقم سے) زیادہ عطا فرمایا۔“ یہاں اس حدیث پاک کے حوالے سے یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ قرض کی ادائیگی کے وقت قرض خواہ کو اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن و مسنون ہے۔ چوں کہ یہ زیادہ لوٹانا کسی معاہدے یا شرط کی بنا پر نہیں ہے لہذا یہ سود نہیں کہلائے گا بلکہ یہ تبرع اور احسان ہے اور ان سنتوں میں سے ہے جن کو بتانے اور رواج دینے کی اشد ضرورت ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار کا قرض لیا پھر

جب آپ ﷺ کے پاس سرمایہ آ گیا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا فرما دیا اور ساتھ ہی مجھے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ قرض دینے والے کا بدلہ یہ ہے کہ قرض ادا کیا جائے اور (قرض دینے والے کی) تعریف اور شکر یہ بھی ادا کیا جائے۔ گویا:

هل جزاء الا احسان الا احسان  
 کے مصداق حق واجب سے زیادہ ادا کیا جائے اور ساتھ ہی دعائے خیر سے بھی نوازا جائے۔“

**سوال** قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ٹال مٹول سے کام لینے والے شخص کی کیا سزا ہے؟

**جواب** اس ضمن میں ایک حدیث مبارکہ بیان کرنا چاہوں گا۔ ابو داؤد میں حضرت عمرو بن شریک رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قرض ادا کر سکنے والے کا ٹال مٹول کرنا اس کی آبرو کو اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے۔“

یہاں آبرو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مقروض اگر قرض ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو لیکن پھر بھی قرض ادا نہ کرے اور قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے تو قرض خواہ کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ مقروض کی بے عزتی کرے یا برا بھلا کہے یا لوگوں میں اس کے لین دین کی خرابی کو مشہور کر کے معاشرے کے لوگوں کی نظر میں اس کو گرائے اور ظاہری طور پر یا چھپ کر اپنے حق کو وصول کرنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرے۔ اگر کسی ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو اور وہاں ایسا شخص پایا جائے جو قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے حالانکہ وہ ادائیگی کی طاقت رکھتا ہو تو سرکاری اہل کار بھی اس کو سزا دے سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں ایسے افراد کو قید بھی کیا جاسکتا ہے۔



## صراطِ مستقیم کے مسافر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صاحبِ صدر، معزز حاضرین و سامعین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کی یہ بابرکت محفل جشنِ نزولِ قرآن کے سلسلے میں سجائی گئی ہے اور مجھے قرآنِ حکیم اور صراطِ مستقیم کے سلسلے میں آج جس موضوع پر گفتگو کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہ ہے ”صراطِ مستقیم کے مسافر۔“

آئیے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے؟ صراطِ مستقیم کے لفظی معنی ہیں سیدھا راستہ یا کھلا راستہ جب کہ اصطلاحی معنوں میں صراطِ مستقیم سے مراد دینِ اسلام ہے۔ صراطِ مستقیم کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ سیدھا راستہ ہے جس کا علم ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں یعنی وہ راستہ جس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر لوگ چلتے رہے ہیں۔ وہ بے خطا راستہ کہ قدیم ترین زمانے سے آج تک اس پر جو گروہ بھی چلا وہ اللہ کے انعامات کا مستحق ہوا اور اس کی نعمتوں سے مالا مال ہو کر رہا۔

صراطِ مستقیم کے حوالے سے مسند احمد، مستدرک حاکم اور جامع ترمذی میں ایک مفصل حدیث ملتی ہے۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے (دینِ اسلام) صراطِ مستقیم کی مثل بیان کیا ہے (کہ ایک) سیدھا راستہ ہے اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ دیواروں میں دروازے ہیں جن پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ راستے کے سرے پر کوئی بلانے والا کہہ رہا ہے کہ لوگو! چلے آؤ۔ ادھر ادھر نہ بھٹکو اور جب آدمی دروازوں کے پردے اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے اوپر سے ایک شخص روکتا ہے کہ دروازہ نہ

کھولنا، تباہ ہو جائے گا۔ تو یہ سیدھا راستہ اور اس کی دیواریں اللہ تعالیٰ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں۔ دروازے محرمات (ممنوعہ کاموں) کی طرف کھلتے ہیں۔ راستے کے سرے پر بلانے والی شخصیت اللہ کی کتاب ہے اور اوپر سے روکنے والا اللہ تعالیٰ کا واعظ (ضمیر) ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہے۔“

گویا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صراطِ مستقیم درحقیقت دینِ اسلام اور ہدایت ہی کا نام ہے۔ ہم اس حوالے سے بہت خوش نصیب ہیں کہ مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے اور مسلمان کہلائے۔ جو لوگ ہدایت اور صراطِ مستقیم کی تلاش میں رہتے ہیں اور تحقیق و جستجو کے بعد اپنا عقیدہ اور دین چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو انھیں کس کس طرح کے مسائل اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تمام تر مصائب کے باوجود وہ ثابت قدم رہتے ہیں۔

مصائب و پریشانیوں کا یہ سلسلہ موجودہ دور ہی سے متعلق نہیں بلکہ حضور ﷺ کے دور میں بھی جب لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے تھے تو صراطِ مستقیم کے ان مسافروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ ان صبر آزمائے مالومات کو ایک شاعر نے کس خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے  
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

اللہ رب العزت جو انسان کا خالق و مالک ہے۔ وہ جانتا تھا کہ نوع انسان کو کس طرح قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے نبی مکرم ﷺ تک رہبری اور ہدایت کا یہ سرچشمہ جاری و ساری رہا ہے۔ صراطِ مستقیم کے حوالے سے اللہ رب العزت نے سورۃ الفاتحہ میں کتنی پیاری دعا سکھائی ہے۔

اهدنا الصراطِ المستقیم۔

یعنی (اے اللہ) ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ پانچوں وقت نماز میں ہم اللہ رب العزت کے حضور یہ دعا دہراتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت قرآنی میں جو دعا تعلیم فرمائی گئی ہے اس کے مخاطب جس طرح عامہ مومنین اور جملہ انسان

ہیں اسی طرح اولیائے کرام اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیں جو بلاشبہ ہدایت یافتہ بلکہ ہدایت کا سرچشمہ ہیں پھر بھلا اس حاصل شدہ چیز کی بار بار دعا مانگنے کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا جواب جاننے کے لیے درحقیقت ہدایت کو تفصیل کے ساتھ جاننا ضروری ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جائے گی کہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر ہدایت کے بارے میں جو تعلیمات بیان ہوئی ہیں ان میں اختلاف و تضاد نہیں ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفردات القرآن میں ہدایت کی بہترین تشریح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہدایت کے اصل معنی ہیں کسی شخص کی منزل مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا اور ہدایت کرنا حقیقی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے جس کے مختلف درجات ہیں۔

ہدایت کا ایک درجہ عام ہے جو کائنات و مخلوقات کی جملہ اقسام، جمادات، نباتات اور حیوانات پر محیط ہے۔ یہاں آپ کے ذہن و دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ بھلا ان بے جان اور بے شعور چیزوں کا ہدایت سے کیا کام کیوں کہ قرآنی تعلیمات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کائنات کی تمام اقسام اور ان کا ذرہ ذرہ اپنے اپنے درجے کے مطابق نہ صرف زندگی اور احساس بلکہ عقل و شعور بھی رکھتا ہے یہ الگ بات کہ یہ جوہر کسی میں کم اور کسی میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن اشیا میں یہ جوہر کم ہے ان کو بے جان و بے شعور کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ضعفِ شعور کی وجہ سے انہیں احکاماتِ الہیہ کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ اسی اختلافِ درجات اور عقل و شعور کی کمی بیشی کی وجہ سے جملہ کائنات میں صرف انسان اور جنات کو احکاماتِ شرعیہ کا مکلف قرار دیا گیا ہے کیوں کہ ان میں عقل و شعور بھی مکمل ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسری انواع و اقسام میں حیات و احساس یا عقل و شعور بالکل نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی (قالاً یا حالاً) بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو۔“ درجہ اولیٰ کی اسی ہدایت عامہ کا ذکر قرآن کریم کی آیت اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدیٰ میں کیا گیا ہے۔

ہدایت کا دوسرا درجہ پہلے کے مقابلے میں خاص ہے یعنی صرف ان چیزوں سے مخصوص ہے جو عرف میں ذوی العقول کہلاتی ہیں یعنی انسان اور جن۔ یہ ہدایت انبیاء اور آسمانی کتب کے ذریعے ہر انسان کو پہنچتی ہے پھر کوئی اس کو قبول کر کے مومن و مسلم ہو جاتا ہے اور کوئی رد کر کے کافر ٹھہرتا ہے۔

ہدایت کا تیسرا درجہ اس سے بھی زیادہ خاص ہے جو صرف مومنین و متقین کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان کو یہ ہدایت بھی اللہ کی طرف سے بلا واسطہ عطا ہوتی ہے۔ اس ہدایت کا دوسرا نام توفیق ہے یعنی ایسے اسباب اور حالات پیدا کر دینا کہ قرآنی آیات کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے نیز ان کی خلاف ورزی دشوار اور مشکل ہو جائے۔ ہدایت کے اس تیسرے درجے کی وسعت غیر محدود اور اس کے درجات غیر متناہی ہیں۔ یہی درجہ انسان کی ترقی کا میدان ہے۔ اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ اس درجہ ہدایت میں زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ میں اس زیادتی کا ذکر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”جو شخص اللہ پر ایمان لائے اس کے دل کو ہدایت کر دیتے ہیں۔“

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے:

”جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی مزید ہدایت کر دیتے ہیں۔“

غرض یہ کہ

اهدنا الصراطِ المستقیم :

ایک جامع اور اہم ترین دعا ہے جو انسان کو سکھائی گئی ہے۔ نوعِ انسانی کا کوئی فرد اس دعا سے بے نیاز نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح و کامرانی صراطِ مستقیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ صراطِ مستقیم یعنی ہدایت کے حوالے سے درجات کی وضاحت سے یقیناً آپ پر یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ ہدایت ہی ایک ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل ہے اور سورۃ الفاتحہ کی اہم ترین دعا ہدایت ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

ہدایت کے بارے میں یہ مختصر وضاحت میں نے آپ حضرات کی خدمت میں بیان کی یقیناً آپ اس پر غور و فکر فرماتے ہوئے بے شمار فوائد اپنے دامن میں سمیٹ سکتے ہیں



لہذا یہاں مزید کچھ نکات بیان کرتا چلوں۔ اول یہ کہ قرآن میں کہیں تو ہدایت کو ہر مومن و کافر کے لیے بلکہ کل مخلوقات کے لیے عام فرمایا گیا ہے اور کہیں اس کو محض متقین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ناواقف افراد تعارض کے شبہ میں پڑ سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہدایت کے عام و خاص درجات معلوم ہونے کے بعد یہ شبہ از خود رفع ہو جاتا ہے کہ ایک درجہ سب کو شامل اور عام ہے جب کہ دوسرا درجہ مخصوص ہے۔ دوم یہ کہ درجات کی تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت فرماتے ہیں گویا ہدایت عامہ سب کو کی جاتی ہے اور ہدایت کا تیسرا مخصوص درجہ ظالمین اور فاسقین کو نصیب نہیں ہوتا۔

کس قدر خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں صراطِ مستقیم یعنی ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بن جاتے ہیں۔ صحیح مسلم، مسند امام مالک اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص کسی کو ہدایت کی دعوت دے تو اسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ ہدایت کی دعوت قبول کرنے والے کا ہوگا اور ایک کے اجر سے دوسرے کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔“

دینِ اسلام یعنی ہدایت کی تبلیغ کا یہ کام تو تا بہ ابد چلتا رہے گا اور ہم سب جانتے ہیں کہ اس کے دو نمایاں پہلو ہم سب کے سامنے ہیں۔ اول یہ کہ جو لوگ اللہ کے دین (اسلام) کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں گے ان کے لیے اللہ کی طرف سے بے شمار انعام و اکرام ہیں اور دوم جو اس ہدایت کو قبول کرنے کے نتیجے میں تکالیف اور مشقتیں برداشت کریں گے تو صراطِ مستقیم کے ان مسافروں پر بھی اللہ کا کرم خاص ہوگا۔

چودہ سو سال قبل جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ بلکہ اعلانیہ تبلیغ کا آغاز کیا تھا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رشتہ دار بھی جانی دشمن ہو گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اسلام یعنی ہدایت کو پھیلانا چاہتا تھا اس لیے یہ تو پھیل کر ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لمحے ہمت بڑھائی اور سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲ میں فرمایا:

”اور بے شک (اے محمد ﷺ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔“

اور صراطِ مستقیم یعنی سیدھے راستے کی تعلیم نبی مکرم ﷺ کی طرف سے نہیں بلکہ خود رب العالمین کی طرف سے تھی۔ سورۃ الحج کی آیت ۵۴ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔“

یہی نہیں ایمان لانے والوں کو حوصلہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی صراحت کرتے ہوئے سورۃ آل عمران آیت ۵۱ میں ارشاد فرمایا:

”کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“

اور سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا:

”جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لیے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا نقصان بھی اسی کو ہوگا اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔“

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا ارشادات مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صراطِ مستقیم یعنی ہدایت درحقیقت اسلام ہی ہے۔ اب یہ نوع انسانی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اسے قبول کر کے مسلمان کہلائے یا رد کر کے کافر ٹھہرے لیکن کسی بھی شخص کی ذمہ داریاں دائرۃ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دو چند ہو جاتی ہیں۔ اسلام یعنی ہدایت اور صراطِ مستقیم کا مسافر بننے کے بعد اسے ہر طرح کے حالات کا صبر کر کے مقابلہ کرنا ہے اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے صراطِ مستقیم پر چلنے اور قائم رہنے کے عزم پر ڈٹے رہنا ہے۔ بلاشبہ اس عمل کی اللہ کے ہاں بڑی جزا ہے۔

تاریخ انسانی صراطِ مستقیم کے ایسے مسافروں کے ذکر سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا تن من دھن سب اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور ہر طرح کی آزمائشوں اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا ثبوت دیا۔ صراطِ مستقیم کے ان مسافروں کی تعداد اس قدر ہے کہ یہ

محدود وقت ان کے ناموں کی فہرست کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا کجا یہ کہ میں ان کے حالات یہاں بیان کروں۔ البتہ چند اہم اور موٹی موٹی باتوں پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں سنہرے اور اہم واقعات کی جانب اشارہ کرنا چاہوں گا تا کہ آپ اندازہ کر سکیں کہ صراطِ مستقیم کے مسافروں نے کیسی کیسی مشقتیں جھیل کر اسلام کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا۔

حضورِ اکرم ﷺ ہی کو لیجیے آپ ﷺ کو اپنے چچا حضرت ابو طالب اور سارے خاندان بنو ہاشم و بنو مطلب کی بھرپور تائید و حمایت حاصل تھی مگر اس کے باوجود کفار طعن و تشنیع اور جھوٹے الزامات و بہتانوں کی بارش کرتے رہتے۔ راستے میں کانٹے بچھاتے، اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ حضور ﷺ کے صحن میں پھینک دیتے۔ درِ اقدس پر غلاظتوں کے ڈھیر لگا دیتے حتیٰ کہ نماز بھی سکون سے نہ پڑھنے دیتے۔ یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے سے کون آگاہ نہیں۔ جب حرم شریف میں آپ نے بلند آواز سے تلاوتِ قرآن شروع کی تو کفار نے آپ کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ اسی حالت میں گھر لایا گیا اور کئی پہروں کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان کا چچا ان کو کچے چمڑے میں لپیٹ کر اور اسے رسی میں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا کرتا تھا۔ کچے چمڑے کی بدبو اس پر عرب کی شدید گرمی، آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تکلیف کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ امیہ بن خلف کے غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو وہ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کے ہاتھ میں پکڑا دیتا وہ ان کا تمسخر اڑاتے اور مکے کی گلیوں میں انھیں گھسیٹتے پھرتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَحَدٌ اَحَدٌ کے نعرے لگا کر کفر و شرک کے حواریوں کا منہ چڑاتے رہتے۔ اس کے علاوہ امیہ انھیں بھوکا پیاسا رکھتا۔ دوپہر کے وقت تپتی دھوپ میں ریتلی زمین پر لٹا دیتا اور چھاتی پر بھاری پتھر رکھ کر کہتا کہ محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دو اور لات و عزی کی عبادت کرو ورنہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے اور بلال رضی اللہ عنہ نیم مد ہوشی میں بھی ”احد“، ”اجد“ کہتے رہتے۔ حمامہ رضی اللہ عنہا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ مشرف

بہ اسلام ہوئیں تو ان کے کافر مالک نے طرح طرح کی اذیتیں اور سزائیں دیں۔ انھیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہم قبیلہ تھے۔ اسلام قبول کیا تو ان کا مالک انھیں بہت دکھ دیتا اور ان پر تشدد کیا کرتا یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی اور بے ہوشی کے عالم میں ان کی زبان باہر نکل آتی۔ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قابل اعتماد غلام تھے اور ہجرت کے سفر میں جب آپ غارِ ثور میں قیام فرماتے تھے تو یہ ریوڑ لے کر شام کو غار کے قریب پہنچ جاتے اور دودھ دوہ کر پیش کیا کرتے تھے۔ زبیرہ رضی اللہ عنہا ایک مشرک کی کنیز تھیں جب مسلمان ہو گئیں تو ان کے بے رحم مالک نے ان پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی یہاں تک کہ ان کی پینائی ختم ہو گئی جو بعد میں ان کی استقامت اور اللہ کے کرم کی وجہ سے لوٹ آئی۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے سبب مشرف بہ اسلام ہوئے مگر ان کی مالکہ امّ انمار کو جب یہ اطلاع ملی تو اس کی برہمی اور ناراضگی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ سنگ دل لوہے کا ایک ٹکڑا بھٹی میں گرم کرتی جب وہ لال سرخ ہو جاتا تو اسے چمٹے سے اٹھا کر خباب کے سر پر رکھ دیتی اس سے آپ رضی اللہ عنہ کو جو اذیت ہوتی ہوگی اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ انھیں انگاروں کی طرح گرم سنگ ریزوں پر پیٹھ کے بل لٹایا جاتا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کا پانی خشک ہو گیا تھا وہ خود فرماتے ہیں ”میں نے ایک روز دیکھا کہ کفار نے میرے لیے آگ بھڑکائی۔ مجھے زمین پر لٹا دیا اس کے انگارے میری پشت پر رکھے۔ ان کی تپش سے میری چربی پگھلی اور اس سے یہ انگارے بجھے۔“ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو بھی آگ کا عذاب دیا جاتا تھا۔

غرض یہ کہ صراطِ مستقیم کے سیکڑوں مسافر ہیں جنہوں نے انتہائی تکلیف اور کرب کا سامنا کیا اور ثابت قدم رہے۔ جس نے بھی اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کی اسے آزمائش کی بھٹیوں میں جھونکا گیا اور ان پر تشدد اور بے رحمی کی انتہا کر دی گئی۔ ظلم و تشدد کے نت نئے انداز اختیار کیے جاتے۔ کبھی دھتے انگاروں پر لٹا دیا جاتا۔ کبھی مشکیں کس کر چلپلاتی دھوپ میں تڑپنے کے لیے ڈال دیا جاتا۔ نہ پینے کے لیے پانی دیا جاتا اور نہ کھانے کے لیے لقمہ۔ ان تمام تر صعوبتوں کے باوجود اسلام کے یہ

جان نثار ان آزمائشوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم ثابت ہوئے اور ان کی یہ استقامت دیکھ کر ان درندہ صفت انسانوں کے چھٹکے چھوٹ گئے۔

صراطِ مستقیم کے مسافروں کی یہ معمولی سی جھلک ہم سے متقاضی ہے کہ ہم بھی عمل کے پیکر بن جائیں اور اسلام صرف ہماری زبانوں تک محدود نہ رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ثابت قدمی کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## سوال و جواب

**سوال** بعض اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان خود کو صراطِ مستقیم پر چلا تا ہے مگر پھر بھی زندگی میں کامیاب و کامران نہیں ہوتا، اس کی کیا وجہ ہے؟

**جواب** یہ بات میری گفتگو کے دوران تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ آپ نے پوچھا ہے تو میں مزید وضاحت کر دیتا ہوں۔ قرآنِ کریم نے ہر شخص کے لیے جس دعا کو ہر کام کے لیے ہر حال میں منتخب فرمایا ہے وہ صراطِ مستقیم ہی کی دعا ہے۔ جس طرح آخرت کی کامیابیاں صراطِ مستقیم پر موقوف ہیں اسی طرح دنیاوی کامیابیوں کا انحصار بھی صراطِ مستقیم ہی پر ہے۔ جہاں انسان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا تو اسے غور کرنا چاہیے کہ کس مرحلے پر اس نے کیا غلطی کی ہے۔ وہ کہاں صحیح راستے سے بھٹک گیا تھا کہ اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

**سوال** کیا بے جان اور بے شعور چیزیں بھی اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتی ہیں؟

**جواب** میں نے اپنی گفتگو کے دوران سورہ بنی اسرائیل کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ آپ کی تشفی کے لیے عرض ہے کہ سورہ النور آیت ۴۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں اور (بالخصوص) پرندے جو پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔“

ان آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات میں روح و حیات بھی ہے، ادراک و احساس بھی اور عقل و شعور بھی مگر بعض میں یہ جوہر اتنا کم اور مخفی ہے کہ عام دیکھنے والوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی لیے عام طور پر انھیں بے جان یا بے عقل کہا جاتا ہے اور احکامات شرعیہ کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا۔ جدید فلسفے اور سائنس پوری

وضاحت کے ساتھ ان باتوں کو ثابت کر چکی ہے۔

**سوال** پروفیسر صاحب! آپ نے ہدایت کے مختلف درجات بیان فرمائے ہیں۔ یہ

وضاحت فرمادیجیے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے یا نبی کے ذمے؟

**جواب** دیکھیے! صراطِ مستقیم یعنی ہدایت کے بارے میں تین درجات میں نے بیان کیے

ہیں جن میں آپ کے سوال کا جواب آچکا ہے۔ کہ ہدایت کے تین درجات میں سے

پہلا اور تیسرا درجہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور نبی یا رسول جو بھی کریں گے

بحر حال اللہ کے فرمان کے مطابق ہی کریں گے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں

انبیاء ﷺ کو ہادی قرار دیا ہے تو وہ اسی دوسرے درجے کے اعتبار سے ہے اور جہاں

یہ ارشاد ہے:

انك لا تهدي من احببت .

یعنی ”آپ (ﷺ) ہدایت نہیں کر سکتے جس کو چاہیں۔“

تو اس میں ہدایت کا تیسرا درجہ مراد ہے یعنی توفیق دینا آپ ﷺ کا کام نہیں ہے۔

یہ اللہ کا کام ہے۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## انبیائے کرام کی بعثت فلاح انسانی کا ذریعہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

ابتدائے آفرینش ہی سے گلوں کی مہک، پودوں کی لہک، ستاروں کی چمک، چاندنی کی چمک اور آبشار کے جھرنے اپنے خالق کی موجودگی کا نہ صرف اعلان کر رہے ہیں بلکہ اہل قلب و نظر کے لیے دل فریب نظارے بھی پیش کر رہے ہیں۔ کائنات کی ان خوبصورت تخلیقات میں حسین ترین تخلیق انسان ہے جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔

پہلے انسان اوز نبی اول حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک بے شمار انسان تخلیق ہوئے اور اپنی اپنی زندگی کے شب و روز گزار کر رہی عدم ہوئے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا بے شمار لوگ دنیا میں آئیں گے اور وقت مقررہ پر لقمہ ازل بن جائیں گے۔

تخلیق کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز پر غور کیجیے تو وہ بے ضابطہ نہیں ہے۔ حیوانات ہوں یا نباتات، جمادات ہوں یا فلکیات۔ ہر ایک کے پیچھے ایک قاعدہ اور ضابطہ دکھائی دیتا ہے جس کے تحت اس کی زندگی کا سفر جاری ہے، پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ انسان ایسی اشرف مخلوق کو بے ضابطہ مادر پدر آزاد چھوڑ دیا جاتا؟ بلاشبہ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظمت بخشی وہاں قدم قدم پر اس کی رہبری بھی فرمائی اور اس مقصد کے لیے دنیا میں انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور وقتاً فوقتاً کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث ہوئے جب کہ بعض مقامات پر یہ تعداد ایک لاکھ چھیاسی ہزار بھی ملتی ہے۔

تعداد جو بھی ہو یہ بات واضح ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت فلاح انسانی کا ذریعہ ہے۔ جب بنی نوع انسان گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ اصل راستے سے بھٹک جاتے اور ایسے افعال کو اپنا لیتے ہیں جو تباہی کی طرف لے جا رہے ہوتے ہیں تو رب العالمین



انسانوں ہی میں سے کسی بندے کو چن لیتا ہے اور وحی کے ذریعے اسے راہِ حق بتاتا ہے پھر کہتا ہے میرے بندوں کی رہنمائی کرو۔ وہ اللہ کے حکم سے توحید کا پیغام دیتا اور دنیا کو فانی قرار دیتے ہوئے توشہِ آخرت جمع کرنے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ انسان فلاح پا جائیں اور کامیاب و کامران ہوں مگر بعض بگڑی ہوئی اقوام انبیائے کرام کی راست روی کے سبب ان کی دشمن بھی ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑا کارساز ہے وہ دشمنی کے منجدار میں اپنے انبیاء و رسل کی حفاظت فرماتا ہے اور انبیاء پر ایمان نہ لانے اور ان سے ہدایت و فلاح نہ پانے والوں کے لیے کڑی سزا کی وعید سناتا ہے۔ انبیائے کرام کے بھیجنے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی دوسری آیت میں ارشادِ پاک ہے:

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی اور بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا

کہ میرے سوا کسی اور کو کارساز نہ ٹھہرانا۔“

اسی طرح سورۃ البقرہ کے اوائل میں بھی ارشادات موجود ہیں اور پھر سورۃ البقرہ ہی میں آگے چل کر آیت ۹۸ میں ارشاد ہوتا ہے:

”جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا

دشمن ہے تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔“

سورۃ آل عمران کی آیت ۳۳ میں انبیائے کرام کے بارے میں ارشادِ خداوندی

ہے:

”اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے خاندانوں کو

قوموں پر چن لیا۔“

اسی سورۃ مبارکہ میں رب العالمین کا ارشاد ہے:

”تمام نبیوں پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنا ہوگی۔“

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اور بستی ایسی نہیں جس

میں اس نے اپنا نبی اور رسول نہ بھیجا ہو۔ اللہ کے یہ نیک بندے جو اللہ کا پیغام لوگوں تک

پہنچانے کے لیے وقتاً فوقتاً دنیا میں مبعوث ہوتے رہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر زمانے اور ہر

قوم میں بھیجا۔ ان انبیائے کرام نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خلق خدا کی خدمت کے لیے وقف کیا اور اللہ کی توحید کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اس وعظ و نصیحت پر قوموں نے انھیں برا بھلا کہا انھیں تکلیفیں دیں اور ان کا مذاق اڑایا۔

تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب گمراہ لوگوں اور اقوام نے اپنے انبیاء کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔ ان کی تفصیل بلکہ اختصار کا بھی یہ مختصر پروگرام متحمل نہیں ہو سکتا۔ گمراہ لوگوں نے صرف تکلیفیں دینے اور عدم تعاون ہی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنے ان رہبروں اور فلاح و ہدایت سے ان کی زندگیاں منور کر دینے والوں کو قتل کر دینے سے بھی دریغ نہیں کیا مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے کاٹ دیا گیا۔ غور کیجیے تو یہی دارالعمل ہے جہاں قوموں کو انبیاء و رسل کی پیروی کرنی چاہیے کیوں کہ اسی میں عافیت ہے اور وہ لوگ جو رسولوں کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے کہ دوسروں سے الگ کر دیے جائیں گے۔

اپنی سخت گیری اور گمراہی کے سبب بہت سی اقوام نے انبیاء کو جو خاک اور خون میں نہلا دیا، ان پر ظلم و ستم کیے تو بعض کو پروردگار نے بڑے بڑے معجزات سے نوازا اور منکرین پر حکمران بنا دیا اور جو ظالموں کے ہاتھ جان دے بیٹھے اللہ اس کا حساب قیامت کے دن کرے گا وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ناحق قتل کے بارے میں سورۃ آل عمران اور متعدد سورتوں میں صاف طور پر پوچھتا ہے کہ ان کے خون سے ناحق ہاتھ کیوں رنگے گئے جب کہ وہ قوموں میں تفرقہ ختم کرنے اور رہنمائی کے لیے بھیجے گئے تھے۔

تعلیم و تحقیق کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سائنس دان کوئی بات کہتا ہے اور اسے سچ ثابت کرتا ہے مگر بعد میں آنے والے سائنسدان اس کے خیال اور نظریے سے اختلاف کرتے ہیں اس کی بات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ گزشتہ دنوں پاکستان کے نامور سائنس داں ڈاکٹر عطاء الرحمن نے ایک نوبل انعام یافتہ سائنس دان کی Theory کو غلط ثابت کر دکھایا ہے لیکن جب انبیائے کرام کی تعلیمات کی بات ہوتی ہے تو آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک نبی یا رسول نے کوئی بات کہی ہو اور بعد میں آنے والے کسی بھی نبی یا رسول نے اسے غلط کہا ہو۔ سارے

انبیاء و رسل کا ایک ہی طرح کا پیغام ایک ہی تعلیم رہی ہے۔ سبھی نے توحید کا پرچار کیا ہے اور گمراہ اقوام کی فلاح و کامرانی کے لیے اللہ کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ہی اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا فریضہ انجام دیا ہے اور دنیوی و اخروی فلاح کا راستہ دکھایا۔ سورۃ الحج کی آیت ۷۷ میں اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے:

”مومنو! رکوع کرتے اور سجدہ کرکرتے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ۔“

سورۃ الجمعہ کی آیت ۱۰ میں فلاح و کامرانی کی راہ سمجھاتے ہوئے اسی نجات کو یوں آگے بڑھایا:

”پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔“

انبیائے کرام کی بعثت کے حقیقی منصب یعنی فلاح انسانی کے حوالے سے ہمیں قرآن حکیم میں جا بجا واضح تعلیمات ملتی ہیں مثلاً سورۃ الاحزاب کی آیت ۷۰۔۷۱ میں ارشاد مبارکہ ہے:

”مومنو! اللہ سے ڈرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔“

خلاصہ یہ کہ انبیا و رسل ہی کی پیروی نوع انسانی کی فلاح کی ضامن ہو سکتی تھی اور اب رسول مکرم ﷺ کی پیاری پیاری سنتوں کی پیروی ہی ہمیں دنیا و آخرت کی فلاح سے ہم کنار کر سکتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے نقوش اپنانے اور نور قرآنی سے اپنی زندگیاں منور کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## حضور اکرم ﷺ بحیثیت عظیم انقلابی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

انقلاب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی تغیر و تبدل، بنیادی تبدیلی اور پرانے سیاسی و معاشی نظام کی جگہ نئے نظام کا نفاذ ہے جبکہ انقلابی سے مراد انقلاب برپا کرنے والا، تبدیلی کرنے والا اور تغیر و تبدل کرنے والا ہے۔ اصطلاحی طور پر انقلاب کے معنی ہیں حکومت کی فوری تبدیلی جو طاقت کے زور سے عمل میں لائی گئی ہو۔

جب ہم کائنات کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن میں حصول اقتدار کے لیے حکمرانوں نے انقلاب کا سہارا لیا ہے مگر بے شمار انقلابات میں ایک انقلاب ایسا بھی ہے جو اپنی ہمہ جہتی کے سبب ایک عظیم انقلاب ہے۔ ایسا انقلاب جس نے دنیا کی تاریخ پر دُور رس اثرات مرتب کیے اور کل عالم رہتی دنیا تک اس جیسی کوئی اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جی ہاں! یہ انقلاب، انقلابِ محمدی ﷺ ہے۔ اُس وقت کے معاشرے پر ایک طائرانہ نظر بھی ڈالیں تو معاشرتی اور اخلاقی پستی کی بے شمار مثالیں باسانی مل جاتی ہیں۔ علم سے بے بہرہ عرب معاشرے کا تمدن بگڑی ہوئی تصویر کا جو عکس پیش کر رہا تھا وہ کسی کی آنکھ سے اوجھل نہ تھا۔ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اخلاقی پستی کی انتہا تو یہ تھی کہ بیٹی پیدا ہوتی تو زندہ درگور کر دی جاتی تھی۔ ایسے بگڑے ہوئے معاشرے میں سدھار لانا کوئی آسان کام نہ تھا مگر نبی مکرم ﷺ کو پروردگارِ عالم نے ایسے ہی عظیم انقلاب کے لیے پیدا فرمایا تھا۔

قربان جائیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے، آپ ﷺ کی عظمت اور شان و

شوکت کے اور آپ ﷺ کے خلق عظیم اور انقلاب عظیم کے کہ صرف ۲۳ برس کے مختصر سے عرصے میں عرب کی کایا پلٹ دی۔ معاشرتی پستی، اس خوبصورتی کے ساتھ دور فرمادی کہ دنیا آج تک محو حیرت ہے۔ اس انقلاب عظیم کی بدولت آپ ﷺ کو بلاشبہ عظیم انقلابی کہا جاتا ہے۔ یہ عظیم انقلاب کسی مادی طاقت کے زور پر نہیں علمی اور اخلاقی قوت کے زور پر ظہور میں آیا تھا۔

پروردگار عالم نبی مکرم ﷺ کے توسط سے یہ انقلاب بپا کرنا چاہتا تھا اس لیے آپ ﷺ کو ایسی صفات سے آراستہ فرمایا کہ کفار بھی آپ ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے تھے۔ بچپن ہی سے آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے نوازا جانا آپ ﷺ کے اعلیٰ کردار کی مثال ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اپنے احباب اور عزیز و اقارب پر جنھیں ذرہ برابر اعتماد نہ تھا وہ اپنی امانتیں آنکھ بند کر کے نبی مکرم ﷺ کے سپرد کر جاتے تھے۔ حالاں کہ اس وقت تک آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا۔ یہ افعال و کردار کی عظمت ہی تھی کہ لوگ آپ ﷺ پر اس درجے اعتماد کرتے تھے۔

چالیس برس کی عمر میں جب آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور اس کے بعد علانیہ تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ ﷺ کوہ صفا پر چڑھ گئے اور مکے کے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا:

”اے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے اس پار دشمن حملہ کرنے کے لیے تیار

ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟“

سب نے بیک آواز کہا ”ہاں! کیوں کہ آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”تو پھر سنو! تم جن خداؤں کی پوجا کرتے ہو انھیں چھوڑ کر ایک اللہ وحدہ لا

شریک کی عبادت کرو۔“

کفار نے آپ ﷺ کی یہ بات نہ مانی مگر یہ بھی نہیں کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنا تبلیغی سفر جاری رکھا اور ”قطرہ قطرہ دریامی شود“ کی مثال صحابہ کرام کی تعداد روز افزوں بڑھتی رہی مگر ساتھ ساتھ کفار کی تکلیف دہ سازشوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا

اور پھر یہ تکلیف دہ رویہ اس درجہ شدت اختیار کر گیا کہ نبی پاک ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ کم و بیش دس برس آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلام کا نور پھیلایا۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے تقریباً ۲۳ برس وہ سنہرے لمحات ہیں جب شبانہ روز کی محنتیں اور باعمل تبلیغ اللہ کے پیغام کو پھیلانے اور عرب معاشرے میں عظیم انقلاب برپا کرنے کا سبب بنی۔

فتح مکہ کے وقت جب آپ ﷺ کامیاب پیغمبر اسلام کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو عجب شان تھی۔ عظمت و جلال چہرے سے نمایاں تھا۔ مکے کے وہ کفار جن کی اذیتوں کے سبب آپ ﷺ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے پریشان تھے کہ اب ان کے ساتھ جانے کیا سلوک ہوگا۔ قریش کے ایک سردار ابوسفیان نے دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کے لیے امان چاہی۔ دوسرے روز نبی مکرم ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے یا کعبۃ اللہ میں چلا جائے یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

آپ ﷺ نے اہل مکہ کو جمع فرمایا۔ اس مجمع میں وہ سب لوگ شامل تھے جن کی تلواریں اور برچھیاں اکیس برس تک مسلمانوں پر برستی رہی تھیں۔ اس موقع پر آپ کی زبان مبارک سے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو اس سے پہلے یا بعد میں نہ سنایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایک اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور مخالفوں کے تمام منصوبوں کو اکیلے توڑ کر رکھ دیا۔ ہاں، سن لو، فخر کی تمام باتیں، مال اور خون کے سارے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قریش! اللہ نے جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر مٹا دیا تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔“

قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے:

”لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک زیادہ

عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ دانا اور واقف کار ہے۔“  
آخر میں فرمایا:

”جانتے ہو آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟“ پھر خود ہی فرمایا: ”تم پر  
آج کچھ الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

یہ تھا دنیا کا سب سے عظیم انقلاب اور انقلاب عظیم کا عظیم انقلابی اور علم بردار جس کے  
حسنِ عمل کی ایک بھی مثال عالمی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے۔ عرب کے ریگزاروں میں عفو و  
درگزر اور رحمت کی یہ بارش انقلاب عظیم کی تابندہ مثال ہے جس کا اعتراف غیر مسلموں نے  
بھی اپنی کتابوں میں بکثرت کیا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے نور سے ہمیں اپنی  
زندگیاں منور کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## دعوت حق میں پیش آنے والی مشکلات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

آج کی اس تقریر کا موضوع ہے ”دعوت حق میں پیش آنے والی مشکلات“ اور آپ جانتے ہیں کہ دعوت حق سے مراد اللہ کے پسندیدہ دین یعنی اسلام کی تبلیغ و ترویج ہے۔ آدم علیہ السلام سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ کام انبیائے کرام کے ذریعے ہوتا رہا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چوں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور اسلام کو اس دنیا میں قیامت تک باقی رہنا ہے اس لیے دعوت حق یعنی تبلیغ دین کا یہ کام اب مسلمانوں ہی کے کاندھوں پر ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ بچپن ہی سے صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے مگر جب علانیہ تبلیغ کا حکم ملا تو گویا صادق و امین کہنے اور جاننے والے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ دعوت حق کی ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا سے کی۔ آپ پہاڑ پر چڑھ گئے اور اہل مکہ کو بلایا۔ جب لوگ پہاڑ کے نیچے جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے مکہ کے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف دشمن آپ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو کیا تم میری بات مانو گے۔“

اہل مکہ نے کہا:

”ہاں، کیوں کہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری بات غور سے سنو۔ تم جن خداؤں کی عبادت کرتے ہو انھیں چھوڑ دو۔

ایک وحدہ لا شریک کی عبادت کرو۔“



اس پر مکے کے لوگوں نے جواب دیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے بھلا وہ اپنے باپ دادا کے خداؤں کو جھوٹا کیسے کہہ سکتے ہیں؟ وقت گزرنے لگا اور دعوت حق کا کام آگے بڑھا۔ ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں کے مقابلے میں رکاوٹ بننے والے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اپنے بھی دشمن بلکہ جانی دشمن ہو گئے تھے اور انھیں تکلیفوں کے سبب ایک وقت وہ بھی آیا کہ آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ ہجرت مکہ اور غار ثور کے واقعے سے کون آگاہ نہیں۔ نبی مکرم ﷺ ہجرت کے لیے جب مکہ سے روانہ ہوئے تو دشمنوں کے تعاقب سے بچنے کے لیے آپ ﷺ ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ہر حال میں جانثار ساتھی اور آزمائش میں شریک تھے۔ انتہائی مصیبت کے وقت غار میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کے باعث آپ رضی اللہ عنہ کو یارِ غار کہا جاتا ہے۔ آج کل یارِ غار کی ترکیب مخلص دوست کے معنی میں عام استعمال میں ہے۔

تبلیغ کے لغوی معنی انتہا یا آخری ٹھکانے تک پہنچانا ہیں جب کہ دینی اصطلاح میں اس کے معنی اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسرے بندوں تک پہنچانا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ دعوت حق یعنی تبلیغ دین کے بارے میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

”اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔“

نبی مکرم ﷺ نے بھی اس سلسلے میں صراحت فرمائی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو لوگوں کو نیکی راہ کی طرف بلائے تو اس کو ان لوگوں کے اجر کے برابر ثواب ملے گا جو اس کی ہدایت کی پیروی کریں گے اور اس سے پیروی کرنے والوں کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی۔“

دعوت حق کا کام جس قدر مشکل اور مشقت طلب ہے اللہ تعالیٰ نے اسی قدر اس کا اجر اور بدلے کی ٹوید بھی سنائی ہے اور اس حوالے سے اپنے محبوب کی امت کو خاص طور پر

پسند فرمایا ہے۔ سورہ آل عمران آیت ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

” (مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔“

آپ ﷺ نے بھی تبلیغ کی اہمیت بیان فرمائی اور اپنے بعد یہ ذمہ داری اپنے امتیوں پر ڈال دی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری طرف سے اگرچہ ایک ہی آیت ہو اسے لوگوں تک پہنچا دو۔“

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دعوت حق میں پیش آنے والی مشکلات سے بھری پڑی ہے۔ آپ ﷺ نے جہاں اپنوں ہی کے ظلم و ستم کے سبب مدینہ ہجرت کی اور مشکلات برداشت کیں وہاں شعب ابی طالب اور طائف کی پہاڑیوں کے درمیان لہولہان ہو جانے والے واقعات سے کون ہے جسے آگہی نہ ہو۔

شعب ابی طالب مکہ معظمہ کے قریب ایک درّہ ہے جو بنی ہاشم کی میراث تھا۔ ۷ھ میں کفار مکہ نے طے کیا کہ بنو ہاشم اگر آں حضرت ﷺ کو ہمارے حوالے نہیں کرتے تو ان سے ہر قسم کے تعلقات توڑ لیے جائیں۔ بنو ہاشم اور خاص طور پر حضور ﷺ کے چچا یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ کے رسول کو ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ سوائے ابو لہب کے تمام بنو ہاشم اس درّے میں چلے گئے اور تین سال کی طویل مدت نہایت تنگی اور تکلیف کے ساتھ وہاں گزاری۔ ایک دن حضور ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے کہا کہ میرے پاس آنے والے فرشتے نے خبر دی ہے کہ مقاطعہ کی عبارت کو کیڑے کھا گئے ہیں۔ ابو طالب نے کفار مکہ سے کہا کہ میرے بھتیجے نے اس طرح کہا ہے اگر یہ درست ہے تو یہ مقاطعہ ختم کر دو۔ اگر یہ بات درست نہ ہوئی تو ہم اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ کاغذ دیکھا گیا تو حضور ﷺ کا ارشاد مبارک درست نکلا۔ اس طرح

۱۰ھ میں تین سال کی مشکلات جھیلنے کے بعد حضور ﷺ بنو ہاشم کے ساتھ اس درے سے باہر آئے۔

وادی طائف میں کفار کی سنگ باری سے آپ ﷺ اس درجے لہو لہان ہو گئے کہ نعلین شریفین خون سے بھر گئی تھیں مگر اس مشکل اور کڑے وقت میں بھی آپ ﷺ نے صبر و استقامت کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح گاہے گاہے آپ ﷺ نے دعوتِ حق میں بہت ظلم و ستم سہے۔ کبھی آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے تو کبھی نماز کے دوران آپ ﷺ کی کمر مبارک پر جانوروں کی اوجھڑیاں ڈال دی گئیں۔ کہیں کفار نے سنگ باری کی تو کہیں زندگی تنگ کر دی مگر حضور ﷺ کے پایہ عزم و استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی اور اسلام کو پھیلنا تھا، وہ پھیل کر ہی رہا۔

دعوتِ حق کی راہ میں کفار کا ظلم و ستم صرف نبی مکرم ﷺ تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اسلام قبول کرنے والے اور دعوتِ حق میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے لیکن اس میدان میں سبھی ثابت قدم رہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ایسے ہی بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام اس حوالے سے سنہرے لفظوں میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

چوں کہ اسلام روحانی اور مادی فلاح کا ضامن ہے لہذا ہر دور میں دعوتِ حق کی ضرورت رہی ہے اور آج کے زمانے میں تو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ اسلام کی صحیح تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کی جاسکیں۔ تبلیغ اور دعوتِ حق میں نہ صرف دنیا والوں کے لیے فائدہ ہے بلکہ اس میں ہر مسلمان کی بہتری اور فلاح مضمر ہے۔

دعوتِ حق یعنی تبلیغ کا کام نہایت صبر و تحمل اور حسنِ کلام سے کرنا چاہیے یعنی جب انسان دعوتِ حق دے تو اسے نرم خوئی، دل سوزی، اخلاص، ہمدردی، شفقت اور حسنِ اخلاق اور سب سے بڑھ کر باعمل ناصح ہونا بہت ضروری ہے۔ کسی بھی انسان کا کلام دوسرے کے دل پر اسی وقت اثر کرتا ہے جب دعوت دینے والا اپنے کہنے پر عمل پیرا بھی ہو۔ مبلغ کا کلام ہزار شیریں ہو لیکن اس کا اخلاق دلاویز نہ ہو تو وہ اثر نہیں کرتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ایسے پسندیدہ لوگوں میں شامل فرمائے کہ ہم ہر طرح کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کرتے ہوئے بھی دعوت حق میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## معجزات رسول ﷺ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

آج ہماری اس گفتگو کا موضوع ہے ”معجزات رسول اکرم ﷺ“ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے معجزے کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل عرض کر دی جائے۔ لفظ معجزہ عجز سے مشتق ہے جس کے معنی ناتواں ہونا یا عاجز ہونا ہیں اور جو جزم یعنی قادر ہونا کی ضد ہیں، اسی لفظ سے ”معجزہ“ بنا ہے جس سے مراد ہے عاجز کرنے والا یا اعجاز دکھانے والا۔ معجزہ کی جمع معجزات ہے جس کے معنی ہیں وہ خارق عادت جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی و رسول کے ہاتھ سے ظاہر کر دے اور دوسرے اس سے عاجز ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر جو خارق عادت نشانیاں ظاہر فرماتا ہے ان کو معجزہ اسی نسبت سے کہا جاتا ہے کہ جس نبی و رسول کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے اس کی امت اور قوم کے لوگ نہ صرف یہ کہ مقابلے میں اس معجزہ کی طرح کا کوئی کرشمہ دکھانے اور پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں بلکہ اگر کوئی چاہے کہ اس معجزہ کا توڑ کر دے تو یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ معجزہ کا لفظ اعجاز سے لیا گیا ہے جس کے معنی عاجز کرنے کے ہیں اور معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خارق عادت ہو اور جس سے نبوت و رسالت کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہوتا ہو اور جو خوارق عادت ظہورِ نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں ان کو معجزات نہیں کہتے بلکہ ارہاصات کہتے ہیں جو ارہاص کی جمع ہے اور ارہاص کے لغوی معنی مکان کو اینٹ، مٹی اور پتھر کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنانے کے ہیں لہذا ظہورِ نبوت سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق عادت گویا نبوت و رسالت کی عمارت

کو مستحکم و مضبوط بنانے کا ابتدائی ذریعہ ہوتے ہیں۔

”خارقِ عادت“ یعنی ایسی چیز کا وقوع پذیر ہونا جو جاری نظامِ قدرت سے الگ اور عادت و عام طریقے کے خلاف ہو اور جس کو کرشمہ سمجھا جاتا ہو، کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے ان کی الگ الگ قسمیں ہیں جنہیں الگ الگ ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان سب کی اپنی اپنی حیثیت بھی متعین ہو جائے اور ایک دوسرے سے ممتاز بھی رہیں۔ چنانچہ خوارقِ عادت کی پہلی قسم تو وہ ہے جو نبی اور رسول سے ظاہر ہو اور اسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو عام مسلمانوں سے ظاہر ہو اس کو معونت کہا جاتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو اولیائے کرام سے ظاہر ہو اسے کرامت کہا جاتا ہے اور چوتھی قسم وہ ہے جو کافروں اور فاسقوں سے ظاہر ہو اسے استدراج کہتے ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان چاروں اقسام میں اول الذکر قسم کو چھوڑ کر باقی تینوں اقسام اپنے مفہوم و مصداق کے اعتبار سے دعوائے نبوت کی قید سے باہر ہیں گویا ان تینوں اقسام میں سے کسی کو بھی معجزہ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ معجزہ تو وہی خارقِ عادت ہے جو نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو۔

جب ہم قرآنِ پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مختلف پیغمبروں کو مختلف معجزے عطا ہوئے تھے تاکہ ان کے ذریعے وہ لوگوں پر اللہ کی قدرت کا اظہار کر سکیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے محفوظ رہنا، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا پہاڑ سے پیدا ہونا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا جنات، ہوا اور جانوروں پر قابو پانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور پید بیضا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو زندہ کر دینا انھیں معجزات کی چند مثالیں ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات اسوۂ کامل کی حامل ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے کتنے ہی معجزات زبانِ زدِ خاص و عام ہیں جن میں شق القمر اور معراج النبی ﷺ کے معجزات زیادہ مشہور ہیں۔ اس محدود اور مختصر سے وقت میں یہ ممکن نہیں کہ ان معجزات بلکہ کسی ایک معجزے کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاسکے۔

حدود و قیودِ وقت میں رہتے ہوئے ہم آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے چند معجزات

پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں معراج اور شق القمر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے مشہور ترین معجزات ہیں جن کی تفصیل آپ بارہا سنتے اور پڑھتے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی نبی مکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کے حوالے سے کئی ایک معجزات معروف ہیں مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ احزاب کے موقع پر ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے تین سیر جو کی موجودگی میں آپ ﷺ کو دعوت دی تو آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے دعوت قبول فرمائی کہ اے جابر رضی اللہ عنہ جب تک میں نہ آ جاؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور آٹا نہ پکانا۔ پھر آپ ﷺ بلند آواز سے اعلان فرما کر خندق والوں کو ضیافت میں لے چلے اور پھر اہل دنیا نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے لعاب دہن کا اعجاز کیا تھا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا ویسے کا ویسا ہی بچا رہا۔ ایک اور معجزے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آپ نے زید رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال ان تینوں کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی لوگوں کو سنا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور وہ شہید ہو گئے پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی

شہید ہو گئے پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔“

آپ ﷺ بیان فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ حضرت

جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”حدیبیہ کے مقام پر سخت گرمی اور پیاس کا عالم تھا۔ لشکر کے پاس وضو تک کے

لیے پانی نہ تھا آپ ﷺ نے لوٹے میں اپنا ہاتھ ڈالا اور انگلیوں سے چشمہ بہہ

نکلا پھر سب نے خوب پیا اور وضو کیا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک لاکھ

افراد بھی ہوتے تو پانی ان سب کے لیے بھی کافی ہوتا۔“

اسی طرح سے ایک اور روایت میں حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ کے لعاب دہن

سے چند ساعت میں خشک کنوئیں کے دوبارہ بھر جانے کا اعجاز حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

نے بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح درختوں کی اطاعت کا معجزہ، ان دیکھے واقعات کی خبر دینے کا معجزہ، ناقابل

علاج تکالیف کا محض لعابِ دہن سے شفا یاب کر دینے کا معجزہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ سب نبی مکرم ﷺ کے معجزات ہی تو ہیں۔ یہ اور ایسے خوارقِ عاداتِ معجزات کا ظہور گا ہے گا ہے ہوتا رہا ہے۔ ان معجزات میں ایسے بھی ہیں کہ جن سے متاثر ہو کر کافر بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے مثلاً ھماد یا ھمام نامی جادوگر کا قبولِ اسلام بھی زبان و بیانِ رسالت کا اعجاز ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی مکرم ﷺ کے معجزات کا صحیح فہم اور ان پر ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ





## شانِ محبوبِ سبحانی ﷺ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

سورہ یس کی آیت ۶۹ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے ”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ“ یعنی ”ہم نے رسول کو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔“ یہی آیت مبارکہ آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

قرآن پاک کی تاثیراتِ عجیب اور دلوں پر اثر انداز ہونے کی کیفیت عام مشاہدے کی بات تھی لیکن منکرِ نبوت و رسالت اس اثر کو کم کرنے کے لیے کبھی قرآن پاک کو سحر اور نبی مکرم ﷺ کو ساحر اور کبھی اس کلام کو شعر اور آپ ﷺ کو شاعر کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ یہ تاثیراتِ عجیب کلامِ الہی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یا تو یہ جادو کے کلمات ہیں جو دلوں کو مسحور کرتے ہیں یا پھر یہ کلامِ شاعرانہ کلام ہے وہ بھی عام دلوں پر اثر انداز ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں اس بات کی تردید فرمادی کہ نہ صرف رسول کو شعر و شاعری نہیں سکھائی گئی بلکہ یہ تو آپ ﷺ کے شایانِ شان بھی نہیں ہے مگر کفار مکہ دعوتِ توحید کے راستے میں طرح طرح سے رکاوٹیں ڈالتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت نمبر ۵ میں ارشاد فرمایا:

”کفار کہنے لگے کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی باتیں ہیں اگر یہ خواب نہیں تو پھر یہ اس نے خود ہی گھڑ لیا ہے اور اگر یہ بھی نہیں تو یہ شاعر ہے اور قرآن اس کا شاعرانہ کلام ہے۔“

کفار کے ایسے ہی فضول اعتراضات ذکر کرتے ہوئے سورۃ الصافات آیت نمبر ۳۶

میں فرمایا:

”کیا ہم ایک (نعوذ باللہ) دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟“

پھر کفارِ مکہ نے دیکھا کہ ان کی تمام تر مخالفت کے باوجود دینِ اسلام تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ وقتی غبار ہے جلد بیٹھ جائے گا اور انہی کی بات درست ثابت ہوگی۔ قرآنِ پاک نے سورہ طور میں ان منصوبوں اور مشوروں کی حقیقت یوں بیان فرمائی:

”اور کفار یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے۔ ہم اس کے معاملے میں زمانے کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں۔“

جب ہم سیرتِ پاک ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات اور روشن ہو جاتی ہے کہ نہ صرف آپ ﷺ کو شاعری سکھائی ہی نہیں گئی کہ یہ آپ ﷺ کے شایانِ شان نہ تھی بلکہ اشعار کی طرف آپ ﷺ کا طبعی میلان بھی نہ تھا۔ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو صحیح طور پر ادا نہیں ہو پاتا تھا یا پورا یاد نہیں ہوتا تھا۔ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولاد عبدالمطلب کا ہر مرد و عورت شعر کہنا جانتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اس سے کوسوں دور تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ شعر پڑھتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ بغض آپ ﷺ کو شعروں سے تھا۔ ہاں کبھی کبھی بنوقیس والے کا کوئی شعر پڑھتے تھے لیکن وہ بھی صحیح طور پر ادا نہ کر پاتے۔ تقدیم تاخیر کر دیا کرتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے حضور ﷺ! یوں نہیں بلکہ یوں ہے تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے:

”نہ میں شاعر ہوں نہ شعر گوئی میرے شایانِ شان ہے۔“

معلوم ہوا کہ خود کوئی شعر کہنا تو کجا آپ ﷺ دوسروں کے اشعار پڑھنا بھی اپنے لیے مناسب نہ سمجھتے۔ بعض روایات میں جو خود حضور ﷺ سے وزنِ شعری کے مطابق کچھ کلمات منقول ہیں وہ بقصدِ شعر نہیں، اتفاقی ہیں اور ایسے اتفاقاً کوئی ایک دو شعر موزوں

ہو جانے سے کوئی آدمی شاعر نہیں کہلاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شعر گوئی سے آپ ﷺ کو طبعاً نفرت تھی۔ دعا میں آپ ﷺ کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس کے لیے شعر سے بھر لینے سے بہتر ہے۔ یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں۔ مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں۔ بعض اشعار نصیحت، آداب اور حکمت کے لیے ہوتے ہیں جیسا کہ جاہلیت کے زمانے کے شعرا کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں چنانچہ امیہ بن صلت کے اشعار کی بابت فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ اس کے اشعار تو ایمان لائے ہیں لیکن اس کا دل کافر ہی رہا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو امیہ کے ایک سو بیت سنائے۔ ہر بیت کے بعد آپ ﷺ فرماتے تھے اور کہو۔ ابوداؤد میں حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ بعض بیان مثل جادو کے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت والے ہیں مگر اس کے باوجود رب العالمین نے آپ ﷺ میں شعر و سخن کی تعلیم ودیعت ہی نہیں فرمائی لہذا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے بیان کردہ کلام کو شعر اور آپ ﷺ کو شاعر کہا جائے۔

اس مختصر سی گفتگو سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ شاعری اگرچہ بعض شرائط کے ساتھ جائز اور مباح ہے مگر نبی مکرم ﷺ کے ارفع و اعلیٰ، بلند و بالا اور عظیم مرتبے کے شایانِ شان نہیں۔

شاعری ایک انسانی کلام ہے جس سے نصیحت حاصل کرنے اور بگڑنے، دونوں کے امکانات ہوتے ہیں مگر امام الرسل ﷺ کا پیش کردہ کلام اپنا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے اور کلامُ الملوکِ ملوکِ الکلام یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے کے مصداق یہ کلام پوری کائنات میں نہ صرف سب سے افضل اور اعلیٰ ہے بلکہ شعر و سخن سے بھی ماورا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی شان و عظمت بیان کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا کہ رسول ﷺ کو شعر و شاعری نہیں سکھائی گئی اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔  
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شانِ محبوبِ سبحانی ﷺ کا فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## سیرت النبی ﷺ اور شیریں گفتاری و خوش کلامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت آدم علیہ السلام سے تا بہ ابد یہ کائنات انسانی اعمال و افعال ہی سے عبارت رہے گی اور نوع انسان کے اعمال کی درستگی کے لیے ہی اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کی بعثت فرمائی تاکہ لوگ اچھے اعمال و اخلاق سے اپنی زندگیاں سنواریں اور برائیوں سے اجتناب کریں کیونکہ انسانی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ بلاشبہ اخلاق و اعمال کے بلاشبہ اخلاق و اعمال کے نتائج ہماری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو زندگی بہت خوش گوار اور قلبی سکون کے ساتھ گزرے گی اور اس کا وجود دوسروں کے لیے بھی رحمت و اطمینان کا سامان ہوگا مگر اس کے برعکس برے اخلاق و افعال والا شخص خود بھی زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا تعلق اور واسطہ ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔

آپ ﷺ کو چوں کہ سید المرسلین، خاتم النبیین اور رحمت للعالمین ایسے منصب عطا کیے جانے تھے اس لیے پروردگار نے آپ ﷺ کی تربیت بھی خاص انداز میں فرمائی اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو اسوۂ حسنہ بنا دیا۔ یاد رکھیے میرے آقا ﷺ کا کوئی بھی عمل کوئی بھی سنت عام سی نہیں، میرے آقا ﷺ کی ہر سنت اعلیٰ ہے۔ میرے آقا ﷺ کا ہر فرمان اعلیٰ ہے، میرے آقا ﷺ نے جو دیکھا وہ بھی اعلیٰ، جو نہیں دیکھا، جو سنا، جو فرمایا، ان کا قول، ان کا فعل، ان کا قال، ان کی خلوت، ان کی جلوت، ان کا اٹھنا، ان کا بیٹھنا، ان کی محبت، ان کی مروت، ان کی مرجعیت، ان کا غصہ، ان کی شیریں گفتاری و خوش کلامی، یہ ساری چیزیں ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا ہیں۔ اگر کوئی ایک عمل یعنی

سنت کو اپنالے گا وہ کامیاب، جو دو اپنالے گا وہ اس سے بڑا کامیاب، جو تین اپنالے گا وہ اس سے بڑا کامیاب اور جو آقا ﷺ کی ساری زندگی کو اپنالے گا وہ تو کامیاب ہی کامیاب ہے۔

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ہمہ جہت و ہمہ گیر ہے۔ زندگی کے کسی بھی پہلو پر نظر ڈالیے روزِ روشن کی طرح درختان و تابندہ ہے۔ آپ ﷺ نے دنیا والوں کو وہ دستورِ حیات فراہم کیا ہے جس کی مثال قیامت تک پیش کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ یہ بات تو آپ سبھی جانتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ پاک قرآن کریم کی عملی تفسیر اور عالمِ انسانی کے لیے رہبری و رہنمائی کی کامل تصویر ہے۔ یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت عربوں کا کیا حال تھا۔ اخلاقی پستی اور جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چہار سو پھیلا ہوا تھا اور آپ ﷺ ہی نے نورِ ہدایت عام کیا۔ نبی مکرم ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا ذکر قرآنِ پاک میں کیا گیا ہے۔ ”ویز کیہم“ کے ذریعے ان میں سے ایک یہ بتایا گیا کہ انسانوں کا تزکیہ مقصود ہے اور اس تزکیے میں اخلاق و اعمال کی اصلاح اور درستگی کی خاص اہمیت ہے۔

یوں تو بد اخلاقی اور بد اعمالی کا فوری اور دنیوی نتیجہ بھی روزِ مرہ مشاہدے اور تجربے میں آتا رہتا ہے مگر مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان کے نتائج بدرجہا اہم نکلنے والے ہیں۔ آخرت میں شیریں گفتاری و خوش کلامی یا خوش اخلاقی کا نتیجہ رحمِ الرحیمین کی رضا اور جنت ہے اور بد اخلاقی کا انجام خداوندِ قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آگ سے محفوظ و مامون فرمائے۔

نبی مکرم ﷺ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی۔ آپ کی والدہ امّ سلیم نے آپ کو مستقلاً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا اور حضورِ اکرم ﷺ کے آخری روزِ حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نو عمری اور لڑکپن کی وجہ سے نبی پاک ﷺ کے کاموں میں آپ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں لیکن کبھی آپ ﷺ نے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا اور کبھی غصہ نہیں فرمایا۔

کفار کے ظلم و ستم اور بد اعمالیوں کو لے لیجیے کیا کیا نہیں کیا گیا۔ نماز ایسی عبادت ادا فرما رہے ہیں اور سجدے میں ہیں کہ اوپر اوچھڑی ڈال دی جاتی ہے۔ راستے سے گزر رہے ہیں کہ کانٹے بچھا دیے جاتے ہیں۔ کہیں راستے میں کچرا پھینک دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کا حسنِ عمل کہ کسی سے ترش رُو نہ ہوئے۔ پیشانی پر کبھی شکن نہ آئی۔ ہمیشہ شیریں گفتاری و خوش کلامی کا مظاہرہ کیا اور اسی عمل کی تعلیم دی۔ اور تو اور ایک عورت روز آپ ﷺ پر کوڑا پھینکتی تھی ایک دن وہ نہ دیکھی تو اس کی خیر خیریت پوچھنے اس کے گھر تک چلے گئے۔

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں وہ شخص نہ بتا دوں جو دوزخ کی آگ پر حرام ہے اور جس پر دوزخ کی آگ حرام ہے؟ وہ شخص ہے نرم خُو، اچھی عادتوں والا اور لوگوں سے میل جول رکھنے والا۔“

صحیح مسلم میں شیریں گفتاری و نرم خوئی کے حوالے سے متعدد احادیثِ مبارکہ موجود ہیں جنہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ مثلاً ایک حدیثِ مبارکہ میں آپ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور نرمی پسند کرتا ہے اور نرمی کرنے پر وہ کچھ ثواب دیتا ہے جو (جائز) سختی کرنے پر (بھی) نہیں دیتا۔“

ایک اور حدیث میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نکال لی جاتی ہے اسے عیب والا بنا دیتی ہے۔“

ایک جگہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص نرمی سے محروم کیا گیا وہ ہر نیکی سے محروم کیا گیا۔“

نبی مکرم ﷺ کے ایسے روشن و منور ارشادات و واقعات سے کتب احادیث و سیرت النبی کے لاکھوں کروڑوں صفحات بھرے پڑے ہیں اور یہ مختصر سا پروگرام ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہاں ایک واقعہ بیان کرنے کو دل چاہ رہا ہے ذرا توجہ سے سماعت فرمائیے تو

شیریں گفتاری اور شگفتہ روئی سے بات کرنے کی کیا عمدہ تعلیم ہے۔

ابو جزی جابر بن سلیم سے روایت ہے ”میں مدینہ پہنچا (اور میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس وقت تک کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ ان کو جو کچھ بتا دیتے ہیں اس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی ان کی زبان سے نکلتا ہے لوگ اس کو دل و جان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا علیک السلام یا رسول اللہ۔ یہ میں نے دو دفعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”علیک السلام“ نہ کہو یہ مردوں کا سلام ہے (یعنی اہل جاہلیت اس طرح مردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اس کے) السلام علیک کہو۔“

میں نے عرض کیا:

”آپ اللہ کے رسول ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں میں رسول ہوں اس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی دکھ اور تکلیف ہو اور تم اس سے دعا کرو تو تمہارے دکھ کو دور کر دے اور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آجائے اور تم اس سے دعا کرو تو تمہارے لیے زمین سے پیداوار پیدا کر دے اور جب تم کسی جنگل بیابان میں اور لق و دق میدان میں ہو اور تمہاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے اور تم اس سے دعا کرو تو وہ تمہاری سواری کے اس جانور کو تمہارے پاس پہنچا دے۔“

حدیث کے راوی جابر بن سلیم کہتے ہیں:

”میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیے۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”(تمہیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا۔“

جابر بن سلیم کہتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، نہ کسی آزاد کو نہ

غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے جانور کو (اس کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے



حضور ﷺ نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں

”کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو اور تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ بات کیا کرو، یہ بھی ایک طرح کا احسان اور حسن سلوک ہے اور اپنا تہہ بند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو اور تہہ بند کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو کیوں کہ یہ تکبر کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے اور اگر تمہیں کوئی گالی دے اور تمہاری کسی ایسی بری بات کا ذکر کر کے تم کو عار دلائے جو وہ تمہارے بارتے میں جانتا ہو تو تم ایسا نہ کرو اس صورت میں اس کی اس ساری زبان درازی کا پورا وبال اسی پر ہوگا۔“

جس طرح شیریں گفتاری و خوش کلامی ایسے اچھے عمل اور اچھے اخلاق پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں اور یہ اجر و ثواب مختلف اقسام اور درجات رکھتا ہے۔ اسی طرح برے اعمال و اخلاق پر وعیدیں بھی موجود ہیں اور ان کے درجات اور اقسام بھی مختلف ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی و بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے۔

بعض لوگ جان بوجھ کر بھی انجان بنے رہتے ہیں اور انا کے خول سے باہر نہیں نکلتے۔ شیریں گفتاری اور خوش کلامی کو کمزوری سمجھتے ہیں حالاں کہ یہ بڑی طاقت ہے۔ بقول شاعر

زباں	شیریں	ملک	گیری
زباں	ٹیڑھی	ملک	بانکا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سیرت النبی ﷺ کی منور کرنوں سے دامن بھرنے اور شیریں گفتاری و خوش کلامی ایسی سنتِ مطہرہ کو حرزِ جاں بنانے اور عمل کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## سیرت النبی ﷺ، بھائی چارہ اور معاشرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

دنیا کے کسی بھی خطے کے انسانوں پر نظر ڈالیے۔ ان کے اعمال و افعال ہی ان کی اور ان کے معاشرے کی تصویر پیش کرتے نظر آئیں گے کیوں کہ معاشرہ انسانوں سے اور انسان اپنے اعمال و افعال سے پہچانے جاتے ہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور جب ہم اسلامی معاشرے کی بات کرتے ہیں تو مسلمانوں کے اعمال و افعال کی تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ ایک وہ وقت تھا جب مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا اسلامی تعلیمات تھیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت و عظمت سے نواز رکھا تھا۔ ایک یہ وقت ہے جب دین سے دوری اور بے عملی کے سبب مسلمان سارے عالم میں ہر طرف ذلیل و خوار دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

اللہ رب العزت سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں ارشاد فرماتا ہے:

”اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہو جانا

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے

تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو

گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے

بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“

بلاشبہ پروردگارِ عالم نے انسان کو یونہی مادر پدر آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ اسے پیدا کرنے کے بعد اس کی رشد و ہدایت کے لیے بھی کامل اہتمام فرمایا۔ گا ہے بہ گا ہے انجبانے کرام ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ وہ انسانوں کو نیکی کے کام کرنے اور راہِ مستقیم پر چلنے کی تعلیم دیں کیوں کہ معاشرے کا امن و سکون اور باہمی محبت و اخوت کا راز اسی میں مضمر ہے۔

نبی مکرم حضرت محمد ﷺ نے بھی مسلمانوں کو نہ صرف اخوت اور بھائی چارے کی تعلیم دی ہے بلکہ خود بھی دینِ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو امن و سلامتی اور باہمی محبت و اخوت اور بھائی چارے کی روشن مثال بنا۔ علم کی روشنی سے منور ذہن اور روشن خیال لوگ اصحابِ صفہ اور اس نبوی دور کے مثالی معاشرے سے اپنے لیے خیر و منفعت کے لعل و جواہر چن سکتے اور موجودہ معاشرے کو بھی ایک اسلامی اور مثالی معاشرہ بنا سکتے ہیں۔

اگر ہم معاشرے کو ایک عمارت فرض کر لیں تو ذرا غور کیجیے کہ کسی عمارت کی غیر متناسب انداز میں تعمیر کیسا اثر قائم کرے گی۔ معاشرے کے افراد اینٹوں کی طرح ہیں جن کی منظم اور سلیقہ مندی سے تشکیل و تعمیر ہی سے عمدہ اور مثالی معاشرے کی تصویر سامنے آ سکتی ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسمِ انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضا بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں۔“

معاشرے میں باہمی اخوت و بھائی چارہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم خود کو برتر اور دوسروں کو کم تر جاننا چھوڑ دیں۔ خود کو بے عیب یا نیکو کار اور دوسروں کو عیب دار و گناہ گار نہ

سمجھیں۔ آپس میں نہ صرف محبت سے کام لیں بلکہ ایک دوسرے کا دل سے احترام کریں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔“

جب باہمی مروت و اخوت کا معیار اس قدر بلند ہو گا تو آپس کی محبتیں اور مثبت معاشرتی اقدار نہ صرف تیزی سے پروان چڑھیں گی بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے معاشرہ مثالی شکل اختیار کر جائے گا۔

حضور اکرم ﷺ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے آئے تھے اور آپ ﷺ نے حسنِ اخلاق کی اعلیٰ ترین اقدار پیش کیں جس کی تصویر اس وقت کے اسلامی معاشرے میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ صدیوں کے اس بگڑے ہوئے معاشرے کو امن و سلامتی اور بھائی چارے کی اعلیٰ ترین مثال بنا دینا آپ ﷺ ہی کا خاصا ہے اور قرآنِ پاک میں پروردگارِ عالم نے نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو اسوۂ حسنہ اور حضور ﷺ کی پیروی اور اطاعت ہی کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

معاشرے میں بعض اوقات فساد بھی ہو جاتا ہے اور بعض وجوہ کے سبب لوگ آپس میں لڑنے بھی لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۰ میں ارشاد فرمایا ہے:

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔“

جامع ترمذی میں نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے ہر شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔“

اس ارشادِ مبارک میں درحقیقت اس جانب توجہ دلائی جا رہی ہے کہ جب آپ کا بھائی راہِ راست سے بھٹکنے لگے تو نرمی کے ساتھ اسے اس کا احساس دلاؤ تا کہ وہ گناہوں سے بچ جائے اور معاشرے کا سکون بھی قائم رہ سکے۔ ایسا نہ ہو کہ جس بھائی کی اصلاح مقصود ہے اسے اس انداز میں گناہ و غلطی کا احساس دلایا جائے کہ بات طعن و تشنیع سے قریب ہو جائے۔ ایسا طرزِ عمل معاشرے میں بگاڑ تو پیدا کر سکتا ہے، اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم نہیں کر سکتا۔

انصار و مہاجرین کے بھائی چارہ سے کون واقف نہ ہوگا۔ کس طرح انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو سینے سے لگایا۔ اپنے مال اور جائیداد حتیٰ کہ ایک سے زائد بیویاں رکھنے والوں نے اس کی شرعی تقسیم سے بھی دریغ نہ کیا۔ قربانی کے اس جذبے ہی سے وہ معاشرہ ضرب المثل بن گیا تھا جس کی مثال آج تک دنیا کی کوئی قوم اور کوئی معاشرہ پیش نہیں کر سکا۔ یہ اعزاز صرف اسلامی معاشرے ہی کو حاصل ہے مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج مسلمان بھی باہمی محبت و اخوت اور بھائی چارے کے حوالے سے قربانی کے ایسے جذبوں سے عاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں معاشرے میں ہر طرف بے سکونی اور بے چینی دکھائی دیتی ہے۔ اخوت و مروت کے جذبات عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے پر آشوب دور میں صرف سیرت النبی ﷺ اور اسلامی تعلیمات ہی معاشرے کو بھائی چارے اور امن و سکون کا گہوارہ بنا سکتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان تعلیمات کو عملی طور پر اپنی زندگی میں نافذ کریں اور آپس کی دشمنی اور اختلافات ختم کر دیں۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو درداۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں تمہیں روزے اور زکوٰۃ اور نماز سے بھی بڑے درجے کی نیکی نہ بتاؤں؟“

ہم نے کہا ضرور یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ آپس کی مصالحت ہے، آپس کی دشمنی ایمان کھودیتی ہے۔“

غرض یہ کہ اخوت و بھائی چارہ اور آپس کی محبت ہی بنیادی طور پر معاشرے میں

مثبت تبدیلیوں کی ضامن ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت النبی ﷺ کے ان منور گوشوں سے اپنی معاشرتی زندگی روشن کرنے اور سنوارنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## حضور اکرم ﷺ پیکر صبر و استقلال

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

شان رسالت حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور قرآنِ حکیم لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کی ہدایت و رہبری کے لیے جہاں وقتاً فوقتاً صحائف و کتب کا نزول فرمایا وہاں ان تعلیمات کی عملی تصویر انبیاء و رسل کی شکل میں پیش فرمائی۔ قرآنِ حکیم بھی قیامت تک کے لیے ایک ایسا دستورِ حیات ہے جس میں ذرہ برابر تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہیں تعلیماتِ قرآنی کی عملی تفسیر نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ پاک میں جہاں دیگر موضوعات مذکور ہیں وہاں صبر و استقلال کی تعلیمات بھی بہت واضح اور نمایاں ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک میں صبر و استقلال کی یہ تعلیمات عملی ظہور رکھتی ہیں۔

صبر کے لغوی معنی روکنے، سہارنے اور برداشت کرنے کے ہیں یعنی اپنے نفس کو خوف اور گھبراہٹ سے روکنا اور مصائب و تکالیف کو برداشت کرنا جب کہ استقلال کے لغوی معنی استحکام اور مضبوطی کے ہیں۔ گویا صبر و استقلال سے مراد دل کی مضبوطی، اخلاقی بلندی اور ثابت قدمی ہے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں بھی جا بجا صبر و استقلال کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کے اجر و ثواب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۳ میں ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ.

”بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اور اجر و ثواب کی یہ خوشخبری دینے سے پہلے فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

”اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔“

اس آیت مبارکہ میں مصائب و مشکلات کا سامنا کرنے کا گر سکھایا جا رہا ہے۔ استقامت اور صبر و استقلال کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب بھی کوئی مشکل آن گھیرے تو نماز کی پابندی کو اپنا شعار بنائے رکھو اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ساری مشکلات اور پریشانیاں دور فرمادے گا۔ سورہ لقمان کی آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”جو مصیبت تجھ پر واقع ہو، اس پر صبر کرنا بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔“

جہاں صبر و استقلال کی یہ تعلیم عام لوگوں کے لیے ہے وہاں پروردگار اپنے نیک بندوں کو بھی مصیبت اور پریشانی کے وقت صبر و رضا کی تاکید فرما رہا ہے۔ یہ زندگی جو ہمیں عطا ہوئی ہے محض پھولوں کی بیج نہیں ہے بلکہ یہاں قدم قدم پر آزمائش کے کانٹے بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے دن کے ساتھ رات اور رات کے ساتھ دن کو لگا رکھا ہے اسی طرح دکھ کے ساتھ سکھ اور سکھ کے ساتھ دکھ کو لگا رکھا ہے۔ زندگی محض آزمائش اور امتحان ہے لہذا کبھی دکھ اور کبھی سکھ زندگی کا حصہ بنتے رہتے ہیں۔ انسانی جان ہو یا مال و اسباب سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزیں ہیں۔ کبھی وہ ان سے نواز کر اور کبھی ان سے محروم کر کے آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان پر جب بھی کوئی مصیبت اور آزمائش آئے تو رضائے الہی کی خاطر صبر و سکون سے کام لے۔

نبی مکرم حضرت محمد ﷺ نے جب مکہ معظمہ میں اعلان نبوت فرمایا تو کفار مکہ آپ ﷺ کے مخالف ہو گئے اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو تکالیف اور اذیتیں دینا شروع کر دیں، آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے نہ صرف روگردانی کی بلکہ آپ ﷺ کو جھٹلایا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ صبر و استقلال کا دامن تھامے رکھا اور کبھی تبلیغ دین سے منہ نہ موڑا۔

ایک دن آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ حرم شریف میں کفار کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کے کہنے پر آپ ﷺ کی پشت



مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی اور اس کی وجہ سے آپ کا سجدے سے اٹھنا بھی محال ہو گیا۔ مشرکین اپنے اس فعلِ بد پر بہت مسرور تھے اور زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔ کسی نے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو اس واقعے کی خبر کر دی۔ وہ فوراً دوڑی ہوئی آئیں اور آپ ﷺ کی پشت مبارک سے وہ غلاظت دور کی۔ قربان جائیے نبی مکرم ﷺ کے صبر و استقلال کے کہ اس سب کے باوجود بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

”بیٹی صبر سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے یہ نہیں جانتے کہ اُن کی بھلائی کس چیز میں ہے۔“

ابولہب حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کا چچا تھا مگر اس نے آپ ﷺ کی تبلیغ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ جہاں نبی پاک ﷺ جاتے وہ پیچھے پیچھے جاتا اور کہتا کہ لوگو! یہ (نعوذ باللہ) دیوانہ ہے، اس کی باتوں پر کان نہ دھرو اور ابولہب ہی کیا اس کی بیوی بھی ہر وقت آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی فکر میں لگی رہتی۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتی، جس سے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک لہولہان ہو جاتے مگر آپ ﷺ نے کفار کی تمام تر مخالفت اور تکالیف پر انتہائی صبر و استقلال کا مظاہرہ فرمایا اور ہمت نہ ہاری۔ دعوت و تبلیغ دین جاری رکھی اور اپنے مشن پر قائم رہے۔

کفار مکہ قدم قدم پر حضور ﷺ کے لیے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر رہے تھے۔ وہ کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی ساری تدابیر ناکام ہو چکی ہیں تو نبوت کے ساتویں سال انھوں نے خاندانِ بنو ہاشم سے قطع تعلق کر لیا جس کی رو سے عرب کے تمام قبائل کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ بنو ہاشم سے ہر طرح کا لین دین ختم کر دیں۔ اس کے بعد ابولہب کے سوا پورا خاندانِ بنو ہاشم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تین سال تک شعبِ ابی طالب میں محصور رہا۔ اس دوران اتنی زیادہ تکالیف انھوں نے برداشت کیں کہ محض تصور سے ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بچے ہوں یا بڑے بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ جاتے مگر کفار کو رحم نہ آتا۔ اس مصیبت پر بھی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے صبر و استقلال کی مثال قائم کی۔

ایک بار تبلیغِ اسلام کی خاطر آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے تین

بڑے سرداروں کے سامنے جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو انھوں نے آپ ﷺ کی بات سننے کے بجائے آپ ﷺ کے پیچھے اوباش اور آوارہ لڑکے لگا دیے جنھوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے اور آپ ﷺ کا جسم مبارک لہو لہان کر دیا۔ اسی حالت میں ملائکہ آپ کی خدمتِ اقدس میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں تو ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے مگر آپ ﷺ نے انھیں معاف فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

”یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔ اگر یہ مسلمان نہ ہوئے تو ان کی اولاد ضرور ایمان لائے گی۔“

فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ کا صبر و استقلال بھی قابل تقلید مثال ہے۔ آپ نے کیسے کیسے جانی دشمن اور کفار کو معاف فرما دیا۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی صبر و استقلال کی ایک اعلیٰ مثال ہے جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے ساری زندگی مشکلات اور پریشانیوں میں گزاری مگر ہمیشہ صبر و استقلال سے کام لیا۔ بدلہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے جانی دشمنوں سے بھی بدلہ نہ لیا اور انھیں معاف کر دیا جس سے متاثر ہو کر بڑے بڑے کافر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے نبی رحمت ﷺ کی اتباع اور پیروی کی وہ بھی ستاروں کی مانند چمک اٹھے اور خدا کے محبوب بن گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پیکر صبر و استقلال نبی آخری الزمان حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے انوار بے کراں سے اپنی زندگیاں منور کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نبی مکرم ﷺ کی تعلیمات صبر و شکر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ  
 نبی مکرم ﷺ رسولِ آخر الزماں اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ساری کائنات کے لیے  
 قیامت تک مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ جو قرآنِ کریم کی عملی تفسیر ہے  
 زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۳ میں ارشادِ خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ  
 الصَّابِرِينَ.

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں  
 کے ساتھ ہے۔“

اسی طرح اس سے پہلی آیت ۱۵۲ میں ارشاد ہوا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ.

”سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور  
 ناشکری نہ کرنا۔“

ارشاداتِ ربانی آپ نے ملاحظہ فرمائے اب ہم صبر و شکر کے حوالے سے کچھ مزید  
 جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں، ذہنی، جسمانی اور  
 روحانی قوتوں، اختیارات اور مال و اسباب کو درست طریقے سے استعمال کرنا اور ان کے  
 غلط استعمال سے گریز اور احتیاط کو شکر سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ اس کے برخلاف کفرانِ  
 نعمت یا کفر کہلاتا ہے اور اس کا مفہوم ناشکر گزاری میں شامل ہے۔

اسی طرح صبر بھی ایک اہم اسلامی تصور ہے جو ایک خاص ذہنی رویے کا اظہار اور کردار میں توازن و استقامت پیدا کرتا ہے۔ صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں الصبور بھی شامل ہے۔ اخلاقی نظام فکر میں صبر ایک بنیادی فضیلت و اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا ذکر ضبط نفس کے طور پر بھی آیا ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے صبر کی بحث کو سمیٹتے ہوئے سات عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ تبلیغی حوالے سے بھی مصائب اور دشواریوں کے سلسلے میں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں صبر و استقامت سے کام لینے کی تلقین و تعلیم فرمائی گئی ہے اور اس کے صلے میں نصرت و کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔

صبر و شکر کی فطری اہمیت یہ ہے کہ اس کے باعث انسان میں نہ صرف قوت ارادی اور قوت عمل میں کمی نہیں آتی بلکہ کٹھن حالات اور مشکل معاملات بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ عام معاشرے میں نظم برقرار رکھنے اور خوشگوار باہمی تعلقات کے ضمن میں بھی اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ گویا صبر و شکر کی اصطلاح وسیع معنی میں استعمال ہوتی ہے اور اس مختصر سے وقت میں ان معانی و مفاہیم کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ چند خاص خاص پہلوؤں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

جامع ترمذی میں حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس شخص میں یہ دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین و صابرین میں اٹھائیں گے۔ جس کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں اور ان کی پیروی اختیار کرے اور دنیا کے معاملے میں ان غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کم تر ہوں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ان بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا اور جس کا حال یہ ہے کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجے کے لوگوں

کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں ان کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔“

بلاشبہ صبر و شکر کے فضائل اور صابر و شاکر کے درجات بہت بلند ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۵۵ میں ارشادِ الہی ہے:

”اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔“

اسی طرح سورۃ النساء کی آیت ۱۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

”اگر تم (اللہ کے) شکر گزار ہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر شناس (اور) دانا ہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا معاملہ اس کے لیے اچھا ہی اچھا ہے اور یہ بات اس کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہے۔ اگر اسے بد حالی سے واسطہ پڑتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے اچھا ہے۔“

گویا ہر حال میں اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہی دنیوی اور اخروی کامیابی ہے۔ سورۃ ابراہیم کی آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) سخت ہے۔“

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ صبر و شکر کے واقعات اور تعلیمات سے بھری پڑی ہے۔ ایک گلی سے گزرتے ہوئے کافر عورت کا روزانہ آپ ﷺ پر کچرا ڈالنا اور آپ ﷺ کا صبر کرنا پھر نتیجتاً اس عورت کا قبولِ اسلام بہت معروف ہے۔ کس طرح کفار

آپ ﷺ پر نماز کے دوران اوجھڑی وغیرہ کمر مبارک پر ڈال جاتے تھے اور آپ ﷺ نہ صرف صبر بلکہ ان کے لیے دعا فرماتے تھے۔

نبی مکرم ﷺ کی لختِ جگر کے حوالے سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی اور مؤطا امام مالک میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ ﷺ کو کہلا بھیجا:

”میرے بچے کا آخری دم ہے آپ ﷺ تشریف لائیں۔“

آپ ﷺ نے سلام کہلوایا اور پیام دیا:

”اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسی کا ہے اور جو کچھ لے لیا اسی کا ہے اور ہر ایک چیز کی اس کے یہاں مدت مقرر ہے پس صبر کرو۔“

انسان کی زندگی میں رنج و الم اور نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے اور نہ کسی کے مقدر میں سدا کے لیے غم لکھ دیے گئے ہیں۔ رنج و غم اور صدمات کا سہنا بھی انسان کے لیے جزا کا باعث ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزندِ آدم! اگر تو نے شروعِ صدمے میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں تجھے جنت عطا کر کے ہی راضی ہوں گا۔“

اسی طرح معجم طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ اس کو بخش دیں گے۔“

معاشرہ انسانوں سے عبارت ہے اور چھوٹے بڑے معاملات میں لوگ ایک دوسرے سے تعاون بھی کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں معاونت اور احسان کرنے والے کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”جو شخص لوگوں کا شکریہ نہ ادا کرے گا تو ایسا شخص اللہ کا بھی شکریہ نہ ادا کرے

گا۔

اگر ہم زندگی کے جملہ امور اور حالات و واقعات کو صبر و شکر کے حوالے سے سیرت النبی ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں دیکھنا اور رُو بہ عمل لانا چاہیں تو جامع ترمذی کی یہ حدیث مبارکہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی جس میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے جو فیصلہ ہو وہ اس پر راضی رہے اور آدمی کی بد بختی اور بد نصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بد نصیبی اور بد بختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔“

اگر انسان خود کو عقلِ کل سمجھ لے۔ اللہ کی رضا میں راضی ہونے کے بجائے اپنی سمجھ بوجھ کو مقدم جانے تو یہ بھی ناشکری کے مفہوم ہی میں آتا ہے۔ سورۃ الزمر کی آیت ۷ کے شروع میں ناشکری کے بارے میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے:

”اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند کرے گا.....“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا میں راضی رہنے اور شکر گزار بندہ بننے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## سیرت النبی ﷺ اور توبہ و استغفار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

توبہ کا مطلب ہے رجوع کرنا، لوٹنا، پلٹنا، گناہوں سے پچھتا کر اللہ کی طرف مائل ہونا۔ بندے کی طرف سے توبہ کے یہ معانی ہیں کہ وہ سرکشی سے باز آ گیا، طریق بندگی کی طرف پلٹ آیا اور اللہ کی طرف سے توبہ کے معنی ہیں کہ وہ اپنے شرمسار غلام کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہو گیا۔ پھر سے نظر عنایت اس کی طرف مائل ہو گئی۔ قرآن مجید میں توبہ کا لفظ اللہ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ۱۰۴ میں ارشادِ الہی ہے:

”وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔“

جب کہ سورہ مائدہ میں ارشادِ ربّانی ہے:

”اور انھوں نے گمان کیا کہ کوئی خرابی نہ ہوگی سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے

پھر اللہ نے ان پر رجوع برحمت کیا۔“

نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ پاک جو قرآن پاک کی عملی تفسیر اور ہم مسلمانوں کے لیے قابلِ تقلید مثال ہے۔ توبہ و استغفار کے حوالے سے واضح تعلیمات کا مرقع ہے۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات میں توبہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ توبہ ہی مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے جس کے باعث ان کا شمار شہدوں اور صدیقین میں ہوتا ہے کیوں کہ جو بندہ جس قدر اللہ کے قریب ہوگا اسے اسی قدر اپنے حقیر ہونے اور اللہ کے جلال و کمال کا احساس ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا و اولیا توبہ و استغفار کثرت سے کیا کرتے تھے۔ ضروری نہیں ہے کہ توبہ اسی وقت کی جائے جب گناہ سرزد ہو جائے بلکہ وہ



توبہ و استغفار کے ذریعے گناہ کے تصور سے بھی لرز کر اللہ کی طرف بھاگتے تھے اور اس طرح وہ اپنے رب کے قریب تر ہو جاتے تھے۔ بلاشبہ توبہ و استغفار کے ذریعے گناہ دُھل جاتے ہیں اور مغفرت کا مژدہ جاں فزا میسر آتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس بارے میں واضح ارشادات ہیں مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

”کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک و صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

سورہ مائدہ کی آیت ۳۹ میں فرمایا:

”اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکو کار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

سورہ الاعراف کی آیت ۱۵۳ میں اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے:

”اور جنہوں نے برے کام کیے پھر اس کی توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا، مہربان ہے۔“

سورہ طہ آیت ۸۲ میں ارشاد خداوندی ہے:

”اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے پر چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔“

جب کہ سورہ النصر کی آیت ۳ میں فرمان الہی ہے:

”تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔“

گناہوں کے اثرات و مضمرات نیز توبہ و استغفار کے ثمرات قرآن پاک کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ میں بھی جا بجا موجود ہیں اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ عمل کا وہ روشن مینار ہے جہاں سے حاصل کردہ نور ہی ہماری دنیوی اور اخروی زندگی کو خوب سے خوب تر کی طرف لے جاتا ہے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی سے فیض یاب ہو کر ہم اپنی دنیا اور آخرت بہتر بنا سکتے ہیں اور اس کا ایک طریقہ توبہ و استغفار ہے۔ توبہ دراصل اس ندامت و پشیمانی کا نام ہے جو گناہ

پر اس کے گناہ ہونے کے لحاظ سے حاصل ہو اور بہا تھ ہی اس بات کا بھی پختہ ارادہ ہو کہ آئندہ وہ کام نہ کیا جائے۔ بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ”توبہ ہر مومن پر ”علی الفور“ تادم مرگ واجب ہے کیونکہ کوئی بشر معصیت سے خالی نہیں اور معاصی نفس ایمان کے لیے مہلکات ہیں۔“ توبہ کی ایک قسم توبتہ النصوح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ توبتہ النصوح یہ ہے کہ انسان دل سے نادم ہو، زبان سے استغفار کرے، جسم کو گناہ سے قطعاً روکے اور نیت کرے کہ آئندہ پھر اس گناہ کا ارتکاب نہ کروں گا۔ بعض کہتے ہیں کہ توبہ کے معنی ہیں ”گناہ سے باز رہنا۔“

بلاشبہ توبہ گناہ کو اس طرح زائل کر دیتی ہے گویا گناہ سرزد ہوا ہی نہیں۔ توبہ و استغفار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہستی سے بھلا کیا گناہ سرزد ہوں گے مگر صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت اعزم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کرو۔ میں خود دن میں سو سو دفعہ اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔“ سبحان اللہ! کتنے خوش بخت ہیں ہم مسلمان کہ ہمیں پروردگار عالم نے عمل کا ایسا نمونہ عطا فرمایا جس کی مثال تا بہ ابد کوئی پیش نہ کر سکے گا۔

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک اس کا سانس حلق میں نہ آجائے۔ توبہ و استغفار کے لیے اس سے زیادہ مہلت بھلا اور کیا درکار ہوگی اور کہاں مل سکے گی؟ جب کہ فائدہ بھی اس عمل کا صرف اور صرف ہمیں ہی حاصل ہوتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ درحقیقت مسلسل گناہ انسان کے دل کو سیاہ کر دیتا ہے جس کی ابتدا کسی معمولی اور چھوٹے سے گناہ سے ہوتی ہے اور وہ دل پر ایک چھوٹا سا نشان قائم کر دیتا ہے۔ مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ

جاتا ہے۔ پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ و استغفار کے بجائے مزید گناہ کیے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے اخروی ثمرات کی رغبت مختلف انداز میں پیدا فرمائی۔ بخاری و مسلم میں ایک تمثیلی انداز ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی توبہ سے اس مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو، جو سامانِ حیات سے خالی اور اسبابِ ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ صرف اس کی سواری کی اونٹنی ہو جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو اور وہ اپنے بازو پر سر رکھ کے لیٹ جائے اور سو جائے پھر جب اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی سامان سمیت غائب ہو۔ وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت سے جان پر بن آئے اور وہ سوچے کہ اسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ موت آجائے پھر وہ آکر وہاں اپنے بازو پر سر رکھ کر مرنے کے لیے لیٹ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی مع ساز و سامان اس کے پاس موجود ہے تو یہ مسافر شخص خوشی سے چلا کر پکار اٹھے: ”اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔“ وہ ایسا اس لیے کہے کہ افراطِ فرحت و خوشی میں اس کے ہوش قائم نہ ہوں تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے مل جانے سے ہوگا واللہ مومن بندے کے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔“

غور طلب بات یہ ہے کہ مومن کے جس عمل سے پروردگار کی خوشی کا یہ عالم نبی مکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے وہ اپنے گناہوں پر نادام ہونا اور توبہ و استغفار کرنا ہی تو ہے۔ ایک مسلمان کے لیے دنیا کی زندگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل زندگی تو اخروی زندگی ہی ہے اور گناہ گاروں کی توبہ و استغفار تو شہ آخرت سے کم نہیں۔ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان خطا کار ہے اور گناہ گاروں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں۔

دعا ہے کہ رب العالمین نبی مکرم ﷺ کی حیات اور ارشادات مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے گناہوں سے بچنے اور سرزد ہو جانے والے گناہوں پر توبہ و استغفار کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## عمل کی اہمیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور رب العالمین نے انسانوں کی رہبری کے ساتھ ساتھ کامل دستورِ حیات بھی مرحمت فرمایا ہے۔ اسی دستورِ حیات کی عملی تفسیر نبی مکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور قدم قدم پر ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا گیا:

کیا اچھا ہوتا کہ آپ فلاں شخص (مراد عثمان رضی اللہ عنہ) کے پاس جاتے اور ان سے بات کرتے۔ کہنے لگے: تمہارا خیال ہے کہ کیا میں ان سے اسی وقت بات کر سکتا ہوں جب تم کو سناؤں؟ میں ان سے علاحدگی میں بات کروں گا۔ ایسے طریقے پر کہ کسی فتنے کا دروازہ نہ کھلے اور فتنے کا دروازہ کھولنے والا پہلا شخص میں نہ ہوں اور نہ میں کسی شخص کو اس بعد سے جب میں نے نبی مکرم ﷺ سے ایک بات سنی ہے محض اس بنا پر کہ وہ مجھ پر امیر مقرر ہو گیا ہے۔ یہ کہتا ہوں کہ وہ خیر الناس ہے (سب سے اچھا ہے) لوگوں نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو کیا ارشاد فرماتے سنا ہے؟ کہنے لگے: میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا اور اس کی آنتیں پھسل کر آگ میں جا پڑیں گی تو وہ ان کو لے کر اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدھا خر اس چلاتے وقت اس کے گرد چکر کاٹتا ہے لہذا اہل جہنم اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے اے شخص تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیا تم

نیک کام کرنے اور برے کام نہ کرنے کی نصیحت نہیں کیا کرتے تھے؟ وہ کہے گا ”ہاں میں تم کو نیک کام کرنے کی نصیحت کیا کرتا تھا لیکن خود نیک کام نہیں کیا کرتا تھا اور تم کو برے کاموں سے منع کیا کرتا تھا لیکن خود برے کام کیا کرتا تھا۔“ آپ جانتے ہیں کہ اسلام عمل کا دین ہے۔ مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

پروردگار عالم نے اپنے مقدس کلام اور کامل ضابطہ حیات میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو ذرہ برابر بدی کا ارتکاب کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور جو ذرہ برابر نیکی یعنی خیر کا کام کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اندازہ کیجیے کہ جہاں ذرہ برابر عمل بھی ضائع ہونے کا تصور نہ ہو وہاں بے عملی کا نتیجہ کیا ہوگا؟

اس مختصر سے وقت میں متذکرہ تفصیلی حدیث کی وضاحت تو ممکن نہیں ہے مگر بے عمل نصیحت کے حوالے سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کی روشنی آپ تک پہنچانے کی کوشش کروں گا، امید ہے کہ آپ اپنے قلب و ذہن کو علم کے نور سے منور فرمائیں گے۔

متذکرہ حدیث میں عذاب جہنم کا جو منظر پیش کیا گیا ہے وہ اس سبب سے ہے کہ انسان اوروں کو تو نیک کام کرنے کی تلقین کرے مگر خود ان امور کی انجام دہی نہ کرے اور دوسروں کو برے کام کرنے سے منع کرے مگر خود باز نہ رہے۔ بظاہر تو یہ ایک اچھی بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی کو برے کام کرتے دیکھ کر اسے برائی سے بچنے کی تلقین کرے اور نیکی کے کام کرنے کا مشورہ دے لیکن یہ صائب رائے اس وقت بے معنی اور بے اثر ٹھہرتی اور سزا کا مستحق قرار دلواسکتی ہے جب ان باتوں پر انسان خود عمل پیرا نہ ہو۔ بعض لوگ محض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہی کو سب کچھ جان کر اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ رہتے ہوئے زندگی فخر کے ساتھ گزارتے ہیں کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے اور یہی کافی ہے۔ شاید جامع ترمذی کی یہ حدیث ان لوگوں کی نظر سے نہیں گزری جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عمل

میں کوتاہی کی تو (آخرت میں) اس کا نسب کام نہ آئے گا۔ غور و فکر کا مقام ہے کہ نبی مکرم ﷺ فرمائیں کہ نسب و نسبت کام آنے والی چیز نہیں اصل بات عمل کی ہے اور ہم عمل کے معاملے میں صفر رہتے ہوئے صرف نسب و نسبت پر اتراتے پھریں جب کہ اعمال کی جزا اور بدلہ ہی اصل میں جنت یا جہنم ہے۔

متذکرہ حدیث مبارکہ میں جہاں بے عملی کا ذکر ہے وہاں اس بات کا پتا بھی چلتا ہے کہ لوگوں کو دین کی تبلیغ کی جا رہی ہے اور تبلیغ کے حوالے سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے اگرچہ ایک ہی آیت ہو اسے لوگوں تک پہنچا دو۔ جب کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

”جو لوگوں کو نیک راہ کی طرف بلائے تو اس کو ان لوگوں کے اجر کے برابر ثواب ملے گا جو اس کی ہدایت کی پیروی کریں گے اور اس سے پیروی کرنے والوں کے ثواب میں کچھ بھی تو کمی نہیں ہوگی۔“

یہ دعوت و تبلیغ اور نیکی کی تعلیم بلاشبہ ارشادات نبوی ﷺ ہی کے ضمن میں ہے مگر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور ارشادات قرآنی کی عملی تفسیر اور آئینہ ہیں اور کلام اللہ کی سورۃ البقرہ آیت ۴۴ میں ارشادِ باری ہے۔

” (یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کیے دیتے ہو حالانکہ تم (اللہ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔“

اس ارشادِ الہی میں بھی نیکی کی تلقین کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنے کی تاکید ہے کہ خود بھی ان باتوں پر عمل کیا جائے۔ سورۃ الصف کی دوسری آیت میں ارشادِ الہی ہے:

”اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔“

اعمال کی اہمیت صحیح بخاری و صحیح مسلم کی اس حدیث مبارکہ سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت کے

ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے پاس رہ جاتی ہے۔ گھر کے لوگ اور مال اس کے ساتھ جاتے ہیں اور اس کو تنہا چھوڑ کر واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ جاتا ہے اور اسی کے ساتھ رہتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج اور ان تعلیمات پر عمل کرنے نیز قول و فعل کے تضاد سے بچنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ





## عمل صالح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

آج کی اس بابرکت محفل میں مجھے جس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنے کا موقع دیا گیا ہے وہ ہے ”عمل صالح“۔ اہل ایمان اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر جو کام کرتا ہے انہیں اچھے عمل یا عمل صالح کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر بھی اکثر مقامات پر کیا ہے جس کی وجہ سے بعض اسلاف کا موقف ہے کہ ایمان اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں یعنی اگر کوئی آدمی کلمہ پڑھتا ہے لیکن نماز روزہ اور دیگر فرائض ادا نہیں کرتا تو ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا جب کہ بعض سلف صالحین کا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ عمل صالح ایمان کا جزو تو نہیں البتہ نتیجہ ضرور ہے یعنی ایمان لانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان عمل صالح کرے۔ عمل صالح نہ کرنے سے ایمان کے ابطال کا نہیں تو فساد ایمان کا اندیشہ ضرور ہے تاہم یہ بات ایک کلمہ گو کی شان کے منافی ہے کہ اس کے قول و فعل میں تضاد اور فرق پایا جائے۔

عمل صالح یعنی اچھے عمل کے حوالے سے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں جا بجا واضح تعلیمات و ارشادات موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ البینہ آیت ۷، ۸ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام خلقت سے بہتر ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اُس سے خوش۔ یہ (صلہ) اُس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔“

اسی طرح سورہ طہ آیت ۷۵، ۷۶ میں نیک اور اچھے اعمال انجام دینے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”اور جو اس کے روبرو ایمان دار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ (انعام) ہے جو پاک ہوا۔“

قرآن کریم کی سورہ الزلزال کی آخری آیات میں انسانی اعمال و افعال کے بارے میں یہ بات بھی واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے، اچھے اور برے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس لیے ہمیں کسی بھی چھوٹی نیکی کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ہمارا وہی معمولی سا نیک عمل اللہ کے ہاں مقبول و محبوب ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ غیر معمولی اجر و ثواب سے نواز دے اور برے کاموں کو یہ سوچ کر انجام دینے میں نہ لگے رہیں کہ یہ تو گناہِ صغیرہ ہیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ کی پکڑ اور عذاب بہت سخت ہے۔ سورہ مومن آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”جو برے کام کرے گا اسے بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔“

گویا اچھے اعمال کا بدلہ اچھا اور برے اعمال کا بدلہ برا ہی ہو گا لہذا مومن اور مسلمان ہونے کی وجہ سے عملِ صالح کے ذریعے ہی ہم اچھے بدلے اور اچھے مقام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

سورہ النحل آیت ۹۷ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص (مرد ہو یا عورت) نیک اعمال کرے گا اور وہ مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔“

اسلام میں انسانی عمل کی بہت اہمیت ہے کیوں کہ ان اعمال کا تعلق دنیا کے ساتھ

ساتھ آخرت کی دائمی زندگی سے بھی وابستہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے پاس رہ جاتی ہے۔ گھر کے لوگ اور مال اس کے ساتھ جاتے ہیں اور اس کو تنہا چھوڑ کر واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ جاتا ہے اور اسی کے ساتھ رہتا ہے۔“

مسند احمد میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہترین ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے۔“ پھر اسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ برا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اس کے برے رہے۔“

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ اپنے اعلیٰ و ارفع خاندان یا اعلیٰ و ارفع حسب نسب کے گھمنڈ میں عمل صالح کی قطعاً پروا نہیں کرتے اور خیال کرتے ہیں کہ انھیں ان کے ارفع و اعلیٰ حسب نسب اور نسبت کے سبب معاف کر دیا جائے گا۔ انھیں نیکیوں اور نیک اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اشرف المخلوقات اور اہل ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری نسبت اور تعلق جس عظیم ہستی سے ہے وہ تو اللہ کا محبوب اور وجہ تخلیق کائنات ہے۔ کاش ہم نبی مکرم ﷺ کے ارشادات نورانی سے ہی اپنی زندگیاں منور کر لیں۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے عمل میں کوتاہی کی تو (آخرت میں) اس کا نسب کام نہ آئے گا۔“

لہذا اگر ہم حسب نسب کے حوالے سے اپنی بدگمانیوں کی اصلاح کر لیں تو بلاشبہ ہم آخرت میں بھی کامیاب و کامران ہوں گے مگر شرط یہ ہے کہ ہم عمل صالح کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیں۔ نیک اور اچھے اعمال کی انجام دہی اگر ہمارا معمول بن جائے تو کسی

عذر کے سبب یہ عمل نہ کرنے پر بھی کرنے کا اجر ملتا ہے۔ صحیح بخاری اور مسند ابوداؤد میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کسی بندے کے نیک عمل میں بیماری یا سفر کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس نیک عمل کا ثواب اس کے حق میں لکھتا رہے گا جسے وہ صحت اور (سفر سے پہلے) قیام کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔“

غرض یہ کہ اچھے اور برے اعمال ہی کے تناظر میں ہماری آخرت اور دائمی زندگی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہمارے ان تمام اعمال کا ریکارڈ مرتب ہو رہا ہے جس کی روشنی میں روزِ محشر فیصلہ کیا جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی یہاں بھی غالب ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ نیکیاں اور بدیاں لکھتا رہتا ہے۔ اگر کوئی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو کرتا نہیں ہے تو اللہ اس کی ایک پوری نیکی لکھتا ہے اور اگر کوئی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو کرتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض دس نیکیوں سے لے کر سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھتا ہے اور جو شخص کسی بدی کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اس کو کرتا نہیں ہے تو اللہ اس کی ایک نیکی لکھتا ہے اور کوئی بدی کا ارادہ کرے اور پھر اس کو کر بھی لے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کی صرف ایک بدی لکھتا ہے۔“

سورۃ القارعہ آیت ۶ سے ۱۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

”تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے اُس کا مرجع ہاویہ ہے اور تم کیا سمجھو کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں برے اعمال سے بچنے اور صالح اعمال انجام دینے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## فرض کی ادائیگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فرض کی اصطلاح دین کے ان کاموں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن کے کرنے کا سختی سے حکم دیا گیا ہو اور جن کا کرنا لازمی ہو یا جن کے ترک کرنے پر کفر لازم ہوتا ہے اور سزا ملتی ہے جب کہ ادا کرنے پر جزا ملے گی۔ حنفی فقہاء کے نزدیک فرض وہ کام ہے جو دلیل قطعی یعنی قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہو اور جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔

دینی فرائض کے علاوہ انسان پر معاشرتی، ملکی اور اخلاقی فرائض بھی عائد ہوتے ہیں جن کی پابندی قانون اور معاشرت کی رو سے لازمی ہے۔ معلوم نہیں ہم اس مسلمہ حقیقت کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں کہ حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہیں؟ ایک کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے اور دوسرے کا حق پہلے کا فرض ہوتا ہے گویا اپنے فرائض کی بجا آوری یعنی دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے بغیر اپنے حقوق کا حصول ممکن نہیں اور ان کا مطالبہ کرنا بالکل ایک غیر منطقی اور غیر فطری بات ہے۔ آسان لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فرض پہلے ہے اور حق بعد میں۔

جب ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس دکھائی دیتا ہے۔ ہر ایک کی زبان پر حقوق کی رٹ ہے۔ فرائض کی بجا آوری تو کجا ان کا احساس اور شعور تک نہیں۔ گویا ہم گاڑی کو ایک پیہے سے چلانا چاہتے ہیں جو کبھی نہیں ہوا اور نہ آج ممکن ہے۔ ذرا غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ عصر حاضر میں سماجی رشتوں اور معاشرتی علاقوں کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہی ہے۔ آج حقوق کے لیے انجمنیں ہیں۔ ایسوسی ایشن، یونین اور فیڈریشن ہر سطح اور ہر شعبہ حیات کے لیے ہیں۔ اعلیٰ افسروں کی یونین بھی ہیں

اور کلرکوں، چپراسیوں کی بھی۔ خاکروبوں اور قلیوں کی بھی ہیں اور تاجروں، آڑھتیوں اور عام دکانداروں کی بھی۔ گویا معاشرے کے ہر طبقے نے اپنے حقوق کے لیے اجتماعی جدوجہد کا پختہ انتظام کیا ہوا ہے۔ اخبارات حقوق نمبر نکالتے ہیں۔ اشتہار چھپتے ہیں، جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکلتے ہیں۔ یوم حقوق اور ہفتہ حقوق منائے جاتے ہیں اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ ہر طرف حقوق حقوق کی پکار ہے۔ دوسری طرف فرائض کی بجا آوری اور یاد دہانی کا معاملہ ہے۔ اس مقصد کے لیے نہ کوئی انجمن ہے نہ ادارہ۔ اس کے اہتمام و انصرام کے لیے نہ کوئی جلسہ منعقد ہوتا ہے اور نہ جلوس نکلتا ہے۔ بہت زیادہ ہوتا ہے تو کسی مسجد کے منبر اور دین کے پلیٹ فارم سے اس کی دعوت گاہے گاہے سننے میں آتی ہے جس کا اثر نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہوتا۔

اسلام نے ہر انسان پر دوسرے انسانوں کے فرائض لازم کیے ہیں مثلاً خدمتِ خلق انسانی فرائض میں سرفہرست ہے۔ اس بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی خیر مجتہم رضی اللہ عنہم کا فرمان مبارک تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:

”اے فرزندِ آدم! میں بیمار پڑا تو نے میری خبر نہ لی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے مالک! اے میرے پروردگار! میں کیسے تیری تیمارداری کرتا تو خود رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے علم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے تو نے اس کی خبر گیری نہ کی؟ تو اس کی تیمارداری کرتا تو مجھے تو اس کے پاس ہی پاتا۔ اسی طرح پروردگارِ عالم فرمائے گا اے فرزندِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ اے فرزندِ آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہ دیا۔ بندہ عرض کرے گا تو خود پروردگارِ عالم ہے میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ پھر یہی فرمائے گا ”میرا فلاں بندہ تیرے پاس بھوکا پیاسا آیا تو نے اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا۔“

مسلم شریف ہی میں ایک اور مقام پر خیر مجتہم رضی اللہ عنہم کا ارشادِ مبارک ہے کہ اللہ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مصروف رہتا ہے۔

اسلام کے لفظی معنی ہی سلامتی چاہنا اور پناہ دینا ہیں۔ دوسرے انسان کی حفاظت کا فرض یاد دلاتے ہوئے خیر مجسم ﷺ نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ بِلِسَانِهِ وَيَدِهِ.

”یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

انسانی فرائض میں دوسروں کے ساتھ شفقت اور رحم و کرم سے پیش آنے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ نبی مکرم، خیر مجسم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ رحم کرنے والے پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں لہذا جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم فرمائے گا۔ اس سے بھی شدید تاکید بخاری و مسلم میں ان الفاظ میں آئی ہے کہ جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا۔

فرائض کی ادائیگی کا یہ موضوع خاصا وقت طلب ہے اور ان محدود لمحات میں موضوع کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ تاہم اس ضمن میں دو امور کا ذکر خاص طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے اول یہ کہ فرائض کی بجا آوری کو حقوق کے مطالبات پر اولیت دی جائے اور فرائض کی تلقین کے لیے مؤثر طور پر ہر طبقہ خود اہتمام کرے۔ خیر مجسم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”تم پر دوسروں کے حقوق لازم ہیں وہ ادا کرو اور اپنے حقوق کے لیے اللہ سے سوال کرو۔“

دوم یہ کہ فرائض اور حقوق کا تعین واضح طور پر کیا جائے۔ ہر شخص کو، ہر شعبہ حیات میں غیر مبہم طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے فرائض اور اس کے حقوق کیا ہیں تاکہ شدت اور حد درجہ مبالغہ آرائی کی نوبت نہ آئے۔ معاشرہ پرسکون رہے اور باہمی روابط میں غلط فہمی پیدا نہ ہو کیوں کہ اکثر خرابیاں اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بلاشبہ مطالبہ حقوق سے لازمی طور پر باہم تصادم اور ایک دوسرے سے عداوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ ادائے حقوق کے جذبے کی آبیاری سے باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار کی روح بیدار ہوتی ہے۔ جس قوم میں اور جہاں کہیں حقوق کی

ادائیگی یعنی فرائض کی بجا آوری کا اہتمام ہوگا وہاں متوازن معاشرہ ضرور وجود میں آئے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف ملک عزیز میں بلکہ مشرق و مغرب میں ہر جگہ معاشرے کا عدم توازن، عدم اطمینان، توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی بڑی وجہ یک طرفہ مطالبات ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔  
آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ





حصہ دوم

پروگرام ”حی علی الفلاح“ کے معروف سلسلے ”درسِ حدیث“  
میں نشر ہونے والی تقاریر

## آدابِ مجلس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم تین ہو تو تم میں سے دو تیسرے سے الگ ہو کر بات نہ کریں کیوں کہ  
اسے یہ چیز رنج پہنچائے گی۔“

اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے عرض کیا ”اگر چار ہوں تو؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

”تب کچھ حرج نہیں۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس  
کے آداب سے متعلق تعلیم فرمائی ہے۔ دین اسلام جہاں ہمیں کامل دستورِ حیات فراہم کرتا  
ہے وہاں سیرت مبارکہ کی جامعیت اس دستورِ حیات کی عملی تفسیر اور رہبری کی روشن تصویر  
ہے۔ زندگی کے دیگر معاملات کی طرح آدابِ مجلس کے حوالے سے قرآن حکیم اور سیرت  
مبارکہ میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔ سورۃ الجادلہ آیت ۱۱ میں ارشادِ خداوندی ہے:

”مومنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو اللہ تم کو

کشادگی بخشے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو کرو۔ جو

لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے

بلند کرے گا اور تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“

سنن ابوداؤد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ جگہ میں منعقد کی جائے۔“

مذکورہ حدیث مبارکہ میں آدابِ مجلس کے حوالے سے جو رہنمائی کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں تین افراد ایک جگہ بیٹھے ہیں تو یہ عمل مناسب نہیں ہے کہ دو افراد وہاں سے الگ جا کر کوئی رازداری کی بات کریں۔ اس طرح یقیناً تیسرے شخص کے دل میں کوئی بھی خیال اور وہم جگہ بنا سکتا ہے۔ اسے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ کہیں وہ دونوں اسی کے خلاف تو کوئی بات نہیں کر رہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے جو دو افراد کی سرگوشی کے نتیجے میں تیسرے شخص کے دل میں جگہ بنا لیتا ہے۔ ہاں اگر دو چار آدمی سے متعلق بات ہو تو معاملہ جدا ہے۔ سنن ابو داؤد ہی میں حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔ یہ تعلیم اسی لیے ہے کہ

جب دو افراد ایک محفل میں موجود ہیں تو ممکن ہے کہ وہ آپس میں کوئی رازداری

کی گفتگو کر رہے ہوں اس لیے ضروری ہے کہ اس میں بلا وجہ مداخلت نہ ہوں۔“

حدیث پاک میں مزید وضاحت و صراحت فرماتے ہوئے بیان ہوا ہے کہ دو افراد کا الگ الگ ہو کر گفتگو کرنا جہاں تیسرے شخص کے دل میں وہمات و خیالات پیدا کرنے کا سبب بنے گا وہاں اس شخص کے لیے رنجش اور تکلیف کا سبب بھی ہوگا اور ایک مسلمان کے لیے بھلا وہ عمل کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے جو دوسرے مسلمان کے لیے رنج اور تکلیف کا سبب ہو؟ پوچھے جانے پر چار افراد کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ اگر چار افراد ایک جگہ ہیں اور ان میں سے دو الگ جا کر گفتگو کریں تو کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ باقی دو افراد بھی آپس میں ہم کلام ہو سکتے ہیں اور اس طرح ان کا ذہن جب آپس میں گفتگو میں مصروف ہوگا تو کسی بھی تکلیف اور رنج میں مبتلا نہ ہوگا۔

غور فرمائیے تو مجلس کے آداب بھی درحقیقت معاشرتی آداب ہی میں سے ہیں اور یہ آداب بھی معاشرے کے حسن میں اضافے کا سبب ہیں۔ احادیث مبارکہ میں مجلس کے آداب کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر واضح تعلیم ملتی ہے۔ مثلاً مجلس میں آنے جانے اور بیٹھنے کے بارے میں سنن ابو داؤد میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتا (تو حاضرین مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے پر ہی بیٹھ جایا کرتا تھا۔“

اسی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی ایک شخص دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر آپ وہاں نہ بیٹھ جائے بلکہ کھل کر بیٹھے اور جگہ فراخ کر دے اللہ تعالیٰ تم کو بافراغت جگہ دے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص ان کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اس جگہ نہیں بیٹھتے تھے۔“

یہ اور ایسی ہی دیگر احادیثِ مقدسہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں اور زندگی گزارنے کے لیے آسانیاں فراہم کرتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیاں احادیثِ مبارکہ کے نورِ ہدایت سے منور کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## خطبہ نکاح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ  
 سنن ابی داؤد، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ  
 بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (نکاح وغیرہ پر) اہم ضرورت  
 (اور مواقع) کے لیے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

”ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے۔ ہم (اپنی سب ضرورتوں اور  
 تمام مقاصد میں) اُس سے مدد کے طالب اور خواست گار ہیں اور اُسی سے  
 (اپنے قصوروں اور گناہوں کی) معافی اور مغفرت کی استدعا کرتے ہیں اور  
 اپنے نفس کی شرارتوں سے اسی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے  
 اُس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کے لیے اللہ ہدایت سے محرومی کا فیصلہ فرما  
 دے اُس کو کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا  
 کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے  
 بندے اور رسول برحق ہیں۔ اے ایمان والو! اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ  
 دے کر تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کی حق تلفی سے ڈرو۔ اللہ تم پر نگہبان  
 ہے (تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس  
 سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے فرمانبردار نہ ہو۔  
 اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ سیدھی بات بولو، وہ تمہارے اعمال  
 درست فرما دے گا اور تمہارے گناہ و قصور معاف کر دے گا اور جو بندہ حکموں  
 پر چلے اللہ اور اس کے رسول کے، تو اُس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“

خطبہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس خطبے کا مضمون بہت ہی جامع ہے اور جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے کہ یہ خطبہ صرف نکاح کے موقع کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ عمومی قسم کا ہے لہذا یہی آج موضوع گفتگو ہے۔ خطبے کے جو الفاظ یہاں بیان ہوئے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں تاہم بعض روایات میں ایک دو الفاظ کا اضافہ بھی ملتا ہے۔

رجوع الی اللہ کے جذبے کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی شخص کسی بھی اہم موقع پر اللہ کے حضور اپنی بندگی، نیاز مندی اور وفاداری کے حوالے سے بارگاہِ الہی میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہے وہ سب اس خطبے کے ابتدائی حصے میں بیان ہوا ہے۔ جب ایک گناہ گار بندہ اللہ کے حضور نیاز حاصل کرتا ہے تو اول وہ اپنے خالق اور مالک کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے۔ اس کی عظمت و بڑائی بیان کرتا ہے۔ اسے مالک الملک اور مختار کل تسلیم کرتا ہے۔ قادرِ مطلق اور ہر طرح کی تعریف کا مستحق مانتا ہے۔ پھر اپنے گناہ و قصور اور غلطیوں پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کرتا اور مغفرت طلب کرتا ہے۔ یہی نہیں گناہوں سے توبہ و استغفار کرتا اور نفس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ ہدایت و رہنمائی کا طلب گار ہوتا ہے۔ جانتا ہے کہ ہدایت اور معافی اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور کوئی نہیں جو اس کے خلاف لب کشائی کی ہمت بھی کر سکے۔ بلاشبہ وہ جسے ہدایت دینا چاہے تو کوئی نہیں ہے کہ اسے گمراہ کر دے۔ جب یوں ایک گناہ گار بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور بڑائی کو بیان کرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کے ساتھ ساتھ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف بھی بیان کرتا ہے اور اقرار کرتے ہوئے گواہی دیتا ہے کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور برحق رسول ہیں۔

اس خطبے میں آگے چل کر سورہ نساء، سورہ آل عمران اور سورہ احزاب کی آیات بیان ہوئی ہیں اور بلاشبہ ان آیات میں بھی انسان کے لیے ہدایت ہی کا سامان ہے۔

مذکورہ آیات میں ہدایت و رہبری کا جو پیغام موجود ہے، اسے انتہائی اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے کہ بلاشبہ وہ ہر شخص کی نگہبانی کر رہا ہے ہر شخص کے ایک ایک عمل سے واقف ہے اور قضا و قدر کا مالک ہے۔ حقوق اللہ کے حوالے سے اتنا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بیان ہے اور قرابت داروں کے

حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حقوق العباد سے پہلو تہی کرنا اور آنکھیں چرانا نقصان کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی حقوق العباد کی ادائیگی نہ کرنے والے کو اس وقت تک معاف نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی حق تلفی ہوئی ہو۔ غصب کیا گیا، یا جس کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ دوسری آیت میں بھی اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے اور واضح کیا جا رہا ہے کہ اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ ہم کہیں بھی ملازمت کرتے ہیں تو غور فرمائیے کہ قدم قدم پر اپنے مالک یا افسر اعلیٰ کے غضب اور ناراضگی سے بچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں مگر وہ جو خالق کائنات ہے اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کرتے ہوئے اس کی ناراضگی کو از سر فراموش کر دیتے ہیں۔ انسان کے اسی تساہل و تغافل کو جھنجھوڑتے ہوئے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ گویا اس کی عظمت و جلال کو ضرور پیش نظر رکھو۔

تیسری اور آخری آیت میں بھی پہلے اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے اور پھر یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ لگی لپٹی باتیں کرنے کے بجائے سیدھی، صاف، سچی اور کھری بات کرنی چاہیے۔ محض کسی کو خوش کرنے کے لیے لچھے دار گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے تو پروردگار نہ صرف ان کے اعمال درست فرمادے گا بلکہ ان کے گناہ اور قصور سب معاف فرمادے گا اور یہی انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اسے اللہ کی رضا اور نصرت حاصل ہو جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خطبے میں بیان کی گئی تعلیمات پر عمل کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## میقات کا تعین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ  
”اہل مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا چاہیے) ذوالحلیفہ ہے  
اور دوسرے راستے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے اور اہل عراق کا میقات  
ذات عرق ہے اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے اور اہل یمن کا  
میقات یلملم ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں مواقیت یعنی مختلف  
میقات کا بیان ہے جن کی تعداد پانچ ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے  
ایک روایت بیان ہوئی ہے جس میں چار میقات یعنی ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم  
کا ذکر ملتا ہے لیکن متذکرہ حدیث مبارکہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پانچواں میقات ذات  
عرق بیان فرمایا ہے اور اسے اہل عراق کا میقات قرار دیا ہے۔ دونوں روایات میں ایک  
اور معمولی سا فرق یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جحفہ کو اہل شام کا  
میقات بتایا ہے جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے ”دوسرے راستے والوں“ کا میقات کہا  
ہے اور ان احادیث مبارکہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے  
راستے سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ المکرمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ  
سکتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر علاقوں مثلاً شام سے آنے والے جو لوگ جحفہ کی طرف  
سے آئیں وہ جحفہ سے احرام باندھیں۔ بعض شارحین نے ”دوسرے راستے والوں سے“  
اہل شام ہی مراد لیا ہے اور یوں دونوں روایات میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا فرق سامنے



آتا ہے اور میقات کے پانچ مقامات معین اور متفق علیہ ہیں۔ ان مواقیت کے بارے میں تعارفی گفتگو سے پہلے میقات کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

آپ جانتے ہیں کہ خانہ کعبہ کو پروردگار نے اپنا گھر اور ایمان والوں کا قبلہ قرار دیا اور واضح کر دیا کہ جو لوگ استطاعت رکھتے ہوں وہ ساری عمر میں ایک بار ضرور حج کریں۔ سورہ آل عمران کی آیت ۹۷ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا .

یعنی ”اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے۔“

جو خوش نصیب یہ فرض ادا کر لیتے ہیں جن کو یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے ان کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے بڑے مراتب بیان فرمائے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کسی حج کرنے والے سے تمھاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لیے کہو کیوں کہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“

حج ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو صاحب استطاعت ہی پر فرض ہے۔ پروردگار عالم نے اس حاضری یعنی حج کے کچھ آداب اور طریقہ ہائے کار بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاضری کے لیے آنے والے اپنے عام اور روز مرہ استعمال کے لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں آئیں جو مردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو اور جسے پہن کر میدانِ حشر کی حاضری یاد آ جائے۔ کوٹ، پتلون، گرتا پاجامہ اور شیروانی، صدری کچھ نہیں بس ایک تہبند باندھ لیں اور ایک چادر جسم کے حصے پر ڈال لیں۔ سر بھی کھلا ہو اور پاؤں میں بھی ایسا جوتا نہ ہو کہ پورا پاؤں ڈھک جائے۔ اس ضمن میں عورتوں کے لیے احکامات جدا ہیں اور اس قسم کی جو بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں درحقیقت ان کا منشا یہ ہے کہ بندہ ایسی صورت اور بہیت میں حاضر ہو جس سے اس کی بے چارگی اور عاجزی، عیش دنیوی سے بے رغبتی اور بے مائیگی و بے حیثیتی کا اظہار ہوتا ہو۔

پروردگارِ عالم کی شانِ کریمی دیکھیے کہ اس نے بندوں کے ضعف کا بے حد خیال رکھا اور انہیں اس بات کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر روانہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ حکم دے دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ آج کل تو حجاجِ کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں اور تقریباً چار گھنٹے میں کراچی سے جدہ پہنچ جاتے ہیں۔ ایک وقت تھا جب حجاجِ کرام کی ایک کثیر تعداد بحری جہازوں کے ذریعے سفر کرتی تھی اور یہی سفر ہفتوں میں کتنا تھا اور ذرا پیچھے جائیں اور مختلف ممالک کے حالات دیکھیں تو حاجی کئی کئی مہینے کا پیدل سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچتے تھے۔ آج بھی جن ممالک سے ہوائی سفر کی سہولت نہیں ہے وہاں کے حاجی بحری اور بڑی راستوں سے کئی کئی ہفتوں میں وہاں پہنچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت کے لیے احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لیے مشکل ہوتا لہذا مختلف راستوں سے آنے والے حجاج کے لیے مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیے گئے ہیں اور یہ حکم دے دیا گیا ہے کہ حج یا عمرہ کے لیے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پر پہنچیں تو اللہ کے گھر اور اللہ کے شہر کے ادب میں وہیں سے احرام باندھ لیں۔

میقات کے طور پر جن پانچ مقامات کا ذکر متذکرہ حدیث میں ہوا ہے ان میں اول ذوالحلیفہ ہے جو مدینہ طیبہ سے مکہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے اور مکہ معظمہ سے اس کا فاصلہ تقریباً ڈھائی سو میل ہے۔ یہ میقات اہل مدینہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے۔ ”جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔“ کے مصداق اہل مدینہ کے دین سے خاص تعلق کے سبب ان کا میقات اتنی دوری پر مقرر کیا گیا کہ دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اسے مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔ دوسری میقات بحفہ مذکور ہے جس کا محل وقوع رابع کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے مغربی ساحل کے قریب سو میل کے فاصلے پر ہے۔ بحفہ موجودہ رابع کے قریب ایک بستی تھی اب اس نام کی کوئی آبادی وہاں نہیں ہے۔ یہ شام اور مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لیے میقات ہے۔ تیسری میقات ذاتِ عرق ہے جو عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے مقرر ہے اور مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے فاصلے پر شمال مشرق

میں عراق جانے والے راستے پر واقع ہے۔ قرن المنازل چوتھی میقات ہے جو مکہ معظمہ سے ۳۵-۳۰ میل مشرق میں نجد جانے والے راستے پر ایک پہاڑی ہے اور نجد کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے۔ پانچویں اور آخری میقات یملم ہے اور تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً چالیس میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستے پر پڑتی ہے اور یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات ہے۔

نہ صرف یہ کہ رسول مکرم ﷺ نے ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لیے اور دوسرے تمام علاقوں کے ان لوگوں کے لیے جو حج و عمرے کے لیے ان مقامات کی طرف سے آئیں میقات مقرر فرمایا بلکہ فقہائے امت کا اس امر پر بھی اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرے کے لیے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر اس مقام سے آگے بڑھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عمل کی توفیق اور حاضری کی سعادت نصیب فرمائے۔

آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ



## مرغ کی اذان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”جب تم مرغ کی چیخ (اذان) سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو کہ وہ  
فرشتے کو دیکھتا ہے (تب چیختا ہے) اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ .  
” (پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطاں مردود سے) پڑھو کیوں کہ وہ شیطاں کو  
دیکھ کر چیختا ہے۔“

اس حدیث مبارکہ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ مرغ کی اذان سن کر دعا مانگنا مستحب  
ہے۔ اصطلاح فقہ میں مستحب اس عمل کے لیے کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر تو ثواب ہوتا  
ہے اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ غیرہ مؤکدہ سنتیں اور نوافل مستحب کے ذیل میں  
آتے ہیں۔

متذکرہ حدیث کے پہلے حصے میں یہ تعلیم فرمائی جا رہی ہے کہ جب مرغ کی اذان سماع  
دار ہو تو اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کریں کیوں کہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے تب اذان دیتا  
ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں اس موقع کے لیے جو دعائیہ الفاظ ملتے ہیں وہ کچھ اس  
طرح ہیں:

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ مِنْ فَضْلِکَ .

یہی اب اللہ بے شک میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ حدیث مبارکہ  
کے دوسرے جز میں گدھے کی آواز سن کر اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ایک

اور حدیث میں گتے کی آواز کے بارے میں بھی یہی بیان ہوا ہے کہ وہ بھی گدھے کی طرح اس وقت چیختا ہے جب شیطان کو دیکھتا ہے جب کہ غصے کی حالت میں بھی یہی دعا پڑھنے کا ارشاد پاک ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا ان میں سے غصے کی وجہ سے ایک شخص کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں اس پر سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ دور ہو جائے گا۔“

پھر یہ کلمات ارشاد فرمائے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ .

یعنی پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے۔

بظاہر یہ بہت چھوٹی اور معمولی سی دعائیں معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں جو بڑی حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ پروردگار عالم رجوع الی اللہ کا جذبہ رکھنے والوں کو نہ صرف محبوب رکھتا ہے بلکہ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی دعاؤں کے سبب بڑے اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔ پروردگار عالم مانگنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہے اور جو نہ مانگے اور سوال کرنے سے جی چرائے اس سے خفا اور ناراض ہوتا ہے۔

دعا سے محرومی اور دوری کا ایک بڑا سبب جاہلیت کا یہ غلط خیال تھا کہ اللہ ہم سے بہت دور ہے ہماری آواز وہاں کیسے پہنچ سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۶ کا یہ اعلان اور مشردہ سنایا:

”اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو (کہہ دو) میں

نزدیک ہوں، دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں۔“

بات صرف یہی نہیں ہے کہ بندہ اپنے مالک سے دعا کر سکتا ہے اور وہ اس کی دعا سنتا اور اس کی مدد کر سکتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کو دعا مطلوب ہے اور وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے اور دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دعا درحقیقت بندگی کا تہایت واضح اور مؤثر مظاہرہ اور عدم دعا بندگی سے گریز و سرکشی کی علامت ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

احادیث مبارکہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا نہ کرنا محض محرومی کا باعث نہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی باعث ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر ہی ہمیں تعلیماتِ نبوی ﷺ میں قدم قدم پر چھوٹی بڑی دعائیں دعوتِ فکر و عمل دے رہی ہیں کہ ہم اسلام ایسے دینِ فطرت کی برکتوں سے دامن بھر لیں اور رضائے الہی کے حصول کے لیے رجوع الی اللہ کے جذبے سے سرشار ہوتے ہوئے رب العالمین کی پناہ اور فضل کا سوال کرتے رہیں۔  
دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں عمل کی توفیق اور ہمت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



اور  
تک  
سگی  
بڑی  
ہے

## مرض پر صبر و شکر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ  
 مَوْطَا میں امام مالک رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان فرماتے ہیں۔

”حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو کہ وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ جب عیادت کرنے والے اس کے پاس آتے ہیں تب اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ تک یہ بات پہنچاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں تب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے اوپر میرے بندے کا یہ حق ہے کہ اگر میں نے اسے وفات دی تو اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر شفا دی تو اس کے (پہلے) گوشت و خون سے بہتر گوشت و خون پیدا کر دوں گا اور اس کی برائیوں کو دور کر دوں گا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث مبارکہ میں انسان کو مختلف امراض اور تکالیف میں مبتلا کیے جانے کے حوالے سے حکمت الہی کا بیان ہے کہ جو ان مصائب و تکالیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتا ہے اسے اچھے اور بہتر اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔

یہ بات ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کے لیے ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی چھوٹی بڑی بیماری میں ضرور مبتلا کیا جاتا ہے لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض ایسا نہیں اتارا جس کی دوا نہ اتاری ہو۔“

مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم (بیماری میں) دوا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کے بند و ضرور دوا کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری دنیا میں پیدا کی

اس کی شفا اور دوا بھی پیدا کی ہے۔ صرف ایک بیماری کی کوئی دوا نہیں پیدا کی۔

انہوں نے پوچھا کہ وہ کون سی بیماری ہے فرمایا بڑھا پا جو لا علاج ہے۔“

اگر ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو یہ بات نمایاں طور پر ہمارے سامنے آتی ہے

کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہے۔ انہیں حکمتوں میں

سے ایک، انسانوں کو مختلف امراض یا تکالیف میں مبتلا کر کے آزمانا ہے اور یہ امراض

درحقیقت انسان کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ ان مختلف بیماریوں کے سبب انسان کے گناہ

جھڑ جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے اور صبر و شکر کے ساتھ وہ علاج معالجہ کرانے

اور شفا یاب ہونے کی کوشش کرتا رہے۔ شاک و ناشکرانہ بنے تو اس کا بدلہ بخشش ہی ہے۔

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اس کا اظہار نہ کرے شکوہ شکایت تو

اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ اس کو بخش دیں گے۔

احادیث مبارکہ میں جہاں انسانوں کو امراض میں مبتلا کیے جانے کی حقیقت بیان کی

گئی ہے وہاں دیگر احادیث میں ان امراض و بیماریوں کے اسباب انسانی اعمال و افعال

ہی کو قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بیماریاں انسانی اعمال ہی کا نتیجہ ہیں اور حکمت

خداوندی کے تحت امراض کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان گناہوں سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ جامع

ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بندے کو جو معمولی ایذا پہنچتی ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ

ہو یہ اس کے گناہوں کا ثمرہ ہے اور وہ گناہ جنہیں اللہ تعالیٰ (بغیر سزا دیے) دنیا

و آخرت میں بخش دیتا ہے ان گناہوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جن پر وہ سزا



دیتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

ترجمہ: ”اور از قسم مصیبت جو چیز تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے (گناہوں یا گناہگاروں) کو معاف فرما دیتا ہے۔“

گویا انسانوں کو جو بھی مصیبت و تکلیف اور بیماری وغیرہ پہنچتی ہے وہ سب اس کی اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے یوں گناہگاروں کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ اپنی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں سے باز آ جاؤ اور نیک راستے پر چلنے ہی کو اپنی دینی و دنیوی راحت و سکون کا ذریعہ جانو البتہ وہ لوگ جب کسی مصیبت و تکلیف یا بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں جو گناہگار نہیں ہوتے تو اس سے ان لوگوں کی آزمائش اور امتحان مقصود ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے درجات میں بلندی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جب بندہ عبادت کے نیک راستے پر ہوتا ہے اور پھر بیمار ہو جاتا ہے (اور اس عبادت کے کرنے پر قادر نہیں رہتا) تو اس فرشتے سے جو اس بندے پر (اس کے نیک اعمال لکھنے کے لیے) متعین ہوتا ہے کہا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اس بندے کے لیے (اس کے نامہ اعمال میں) اس عمل کے مثل لکھو جو وہ تندرستی کی حالت میں کیا کرتا تھا یہاں تک کہ میں اسے تندرستی عطا کروں یا اسے اپنے پاس بلا لوں۔“

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں تمام آفات و بلاؤں اور مصیبت و تکالیف سے نجات عطا فرمائے اور نیک اعمال کے نور سے اپنی زندگیاں منور کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## بیمار پر دم جھاڑ کرنا مستحب ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے یا آپ ﷺ کے پاس کوئی مریض لایا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے:

”اے انسانوں کے آقا اور مالک تکلیف دور کر دے۔ شفا عطا فرما کہ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ شفا صرف تیری ہی شفا ہے۔ ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری مطلقاً باقی نہ رہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس مبارک حدیث میں بیماری اور شفا کے حوالے سے واضح تعلیم موجود ہے کہ شفا من جانب اللہ ہوتی ہے۔ تاہم شفا کے حصول کی کوشش انسانوں ہی کو کرنا ہوتی ہے۔ اچھا اور صحت مند معاشرہ اسی وقت ظہور میں آسکتا ہے جب معاشرے کے لوگ اچھے اور صحت مند ہوں۔ پُر جوش عملی جدوجہد اور افکار عالیہ صحت مند ذہانت ہی کی بدولت ممکن ہیں۔ بلاشبہ صحت مند معاشرے کے لیے صحت مند ذہنوں کا ہونا ضروری ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اسی لیے علاجِ مرض پر بھی بہت زور دیتا ہے۔ گرد و پیش کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ آج کی جدید دنیا کی زیادہ تر توجہ بھی انسانی صحت کے استحکام اور بیماریوں کے علاج دریافت کرنے پر ہی ہے۔ مرض رفع کرنے کے لیے کی جانے والی تدابیر علاج کہلاتی ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کا علاج فطرت کے پاس موجود نہ ہو۔ ہر مرض کا کوئی نہ کوئی علاج کسی نہ کسی تدبیر میں مضمّن ہے۔

انسان علاج معالجے کے حوالے سے جو تدابیر اختیار کرتا ہے ان میں ایک دوا دارو کے ذریعے علاج کی تدبیر ہے اور دوسری جھاڑ پھونک کے ذریعے علاج کی۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ مریض کو چاہیے کہ وہ اپنے مرض کے خاتمے کے لیے ہر طریقہ بروئے کار لائے البتہ ان طریقوں سے بچنے کی تعلیم دی جن سے ایمان و ایقان اور توحید پر اثر آتا ہو۔ تدابیر علاج کے سلسلے میں اصرار کی حد تک زور دیا گیا ہے کہ ان پر عمل کر کے مرض سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے۔ بہت سے امراض اور بیماریوں کا علاج خود آپ ﷺ نے بتایا جن پر عمل کر کے بیماری سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”زمانہ جاہلیت میں ہم افسوں پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا

اپنے افسوں پیش کرو اگر ان میں وہ لفظ نہ ہوں جن سے شرک لازم آتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“

گویا مشرکانہ کلمات سے بچتے ہوئے جھاڑ پھونک کی اجازت ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور مؤطا امام مالک میں ایک مفصل

حدیث مبارکہ ملتی ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

”ایک سفر کے دوران ہم ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ایک لڑکی آئی اور

بولی کہ قبیلے کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ اس وقت ہمارے مرد بھی

موجود نہیں۔ کیا تم میں سے کوئی جھاڑ پھونک جانتا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص

جس کے بارے میں ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ دم کرنا جانتا ہوگا، اٹھا اور لڑکی کے

ساتھ گیا۔ (اس کے دم سے) سردار تندرست ہو گیا اور ہمیں تیس بکریاں

بھجوائیں اور دودھ بھی پلایا۔ ہم نے اس شخص سے پوچھا کیا تم جھاڑ پھونک

جانتے ہو؟ وہ بولا نہیں، البتہ میں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا۔“

ہم نے صلاح کی کہ اس معاملے پر کچھ کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہو کر دریافت کرنا چاہیے، چنانچہ مدینہ پہنچ کر ہم نے آپ ﷺ کو ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے (اس شخص سے) فرمایا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سورہ فاتحہ کوئی منتر (کی قسم) ہے؟ (پھر فرمایا کہ) یہ سب کچھ آپس میں بانٹ لو اور ہمارے لیے بھی حصہ نکالو۔“ اس حدیث مبارکہ سے جہاں قرآنی آیات مبارکہ سے شفا ایسی نعمت کے حصول کا مژدہ سنایا، وہاں ملنے والے مال سے اپنا حصہ نکالنے کا ارشاد فرما کر یہ عمل مستحب بنا دیا۔ بلاشبہ جو شخص جھاڑ پھونک کرتا ہو اور لوگوں کو فیض پہنچا سکتا ہو اسے یہ عمل ضرور کرنا چاہیے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکے تو چاہیے کہ پہنچائے۔“

مختصر یہ کہ اگر غیر شرعی امور سے اجتناب برتا جائے تو جھاڑ پھونک کے ذریعے بھی علاج کی اجازت ہے۔

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں جملہ امراض سے کامل شفا نصیب فرمائے اور حصول صحت کے لیے شریعت سے متصادم تدابیر اختیار کرنے سے بچائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## کلونجی ہر بیماری کے لیے شفا بخش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

بخاری شریف کے ساتویں باب الحبة السوداء میں ایک حدیث مبارکہ مذکور ہے کہ  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے  
 ہوئے:

سنا حبة السوداء .

”کالا دانہ“

کلونجی یا کالی زیری موت کے علاوہ ہر بیماری کے لیے شفا بخش ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں حبة السوداء کی افادیت کا بیان ہے جسے عرف عام میں کلونجی کہا  
 جاتا ہے۔ کلونجی صدیوں سے اچار ڈالنے اور پیٹ کی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں  
 استعمال کی جا رہی ہے۔ آیور ویدک طب میں کرشن جیرک اور کالی جیری کے نام سے بیان  
 کی جاتی ہے اور انگریزی نام NIGELLA SATIVUM کے معنی کالا زیرہ ہے  
 حالاں کہ زیرہ بالکل مختلف چیز ہے۔

عربی میں جسے حبة السوداء کہتے ہیں فارسی میں وہ شو نیز ہے۔ محدث عبداللطیف نے  
 زیرہ سیاہ قرار دیا اور اس کو الکمون الہندی کا اضافی نام دیا ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے  
 ہر بیماری کی دوا قرار دیا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے قرآن حکیم میں ارشاد پاک ہے:

واتیت من کل شیء۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر ایسی خوش خبریاں سنائی ہیں۔ کہیں صبح کے وقت  
 کھجور کھانے والے کو زہر سے محفوظ قرار دیا تو کہیں سنا استعمال کرنے والے کو ہر بیماری

سے شفا کی خبر دی مگر کلونجی اس حوالے سے یکتا ہے کہ کلونجی تمام بیماریوں کے لیے شفا بخش ہے خواہ وہ حدت سے ہوں یا برودت سے۔ کتب سیرت میں مذکور ہے کہ نبی مکرم ﷺ خود بھی طبی ضروریات کے لیے کلونجی استعمال فرماتے تھے مگر آپ ﷺ اسے شہد کے شربت کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

خالق ارض و سما نے نبی مکرم ﷺ کی ذات بابرکات کو انسانوں کے لیے راہ نما قرار دیتے ہوئے اسوۂ حسنہ کا حامل قرار دیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

پر ایمان لاتے ہوئے جب ہم سیرت پاک ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو قدم قدم پر راہ نمائی ملتی ہے۔ یہ راہ نمائی روحانی اور جسمانی دونوں طرح سے فیضیاب کرتی ہے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوهُ

”یعنی تمہیں جو کچھ رسول اکرم ﷺ دیں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔“

اس ارشاد مقدس کی روشنی میں اگر ہم متذکرہ حدیث مبارکہ سے استفادہ کرنا چاہیں تو بے شمار امراض کا یقینی علاج صرف اور صرف کلونجی کے ذریعے سے ہی کیا جاسکتا ہے مگر موت لا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

یعنی ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

کلونجی سے حصول شفا کے لیے یہ بات زیادہ ضروری ہے کہ طب کے میدان میں روز افزوں ترقی ہوتی رہے۔ مسلمان سائنسدان جو کبھی تحقیقی علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے اور تحقیقات کے ذریعے انسانوں کے لیے شفا حاصل کرنے کے مختلف النوع طریقے اختیار کرتے تھے، آج تقریباً معدوم ہو چکے ہیں۔ جدید تحقیقات اب اینٹی بائیوٹک کے گرد گھوم رہی ہیں اور اسلامی طب یعنی جڑی بوٹیوں کے حوالے سے تحقیق قصہ پارینہ معلوم ہوتی ہے۔

کلونجی کے حوالے سے جس قدر تحقیقات ہوئی ہیں ان میں اطباء نے اس کے بے شمار فوائد بیان فرمائے ہیں مثلاً ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کلونجی جسم کے کسی بھی حصے میں واقع رکاوٹ یعنی سدہ کو دور کرتی ہے۔ تبخیری مادے کو خارج کرتی ہے۔ معدہ کو مضبوط کرتی ہے۔ اسے اگر سرکہ میں ملا کر کھایا جائے تو پیٹ کے کیڑے مار دیتی ہے اور پرانے زکام میں مفید ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ کلونجی کا تیل نکال کر گنچ پر لگایا جائے تو بال اگتے ہیں اور کلونجی کا لگاتار کھانا باؤ لے کتے کے زہر کا اثر زائل کر دیتا ہے۔

بعض اطباء نے کلونجی کو لقوقہ، فالج، دردِ شقیقہ، نسیان، چکر اور گھبراہٹ میں مفید بتایا ہے اور مٹانے و گردے سے پتھری نکالنے میں مفید لکھا ہے۔ طبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جدید سائنس میں ڈاکٹر خالد غزنوی نے لکھا ہے کہ بھارتی ماہرین نے کلونجی کو نفث، دردِ شکم، قونج، استسقاء، ضعفِ اعصاب، ضعفِ دماغ، نسیان، فالج اور رعشہ میں مفید قرار دیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ پرانے حقاظ بچوں کو قرآنِ پاک حفظ کراتے وقت یادداشت کو بہتر بنانے کے لیے نہار منہ کلونجی کے چند دانے کھلاتے تھے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وسیع اور وحی الہی پر مبنی رہا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلونجی کو شفا کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے تو یقیناً اس کے فوائد کی فہرست بھی محدود نہیں ہو سکتی لہذا اس مختصر سے وقت میں ان کا بیان ممکن نہیں ہے۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم ہمیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ سے کامل استفادے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## سورۃ واقعہ کے فضائل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ پڑھا کرے، اسے کبھی فقر و فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی۔ نیچے کے زاوی بیان کرتے ہیں کہ خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور وہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھتی تھیں۔

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں سورۃ واقعہ کی فضیلت اور برکت بیان ہوئی ہے۔ یوں تو قرآن پاک کی ایک ایک سورۃ مبارکہ اور ہر سورۃ مبارکہ کا ایک ایک حرف فضائل و برکات سے پُر ہے مگر احادیث میں بعض سورتوں اور آیات کے فضائل و برکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

جامع ترمذی اور سنن دارمی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کما لی اور یہ ایک نیکی اللہ کے قانونِ کرم کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے (مزید وضاحت کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں یہ نہیں کہتا یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُمّ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اس طرح اُمّ پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا۔“

اس حدیث پاک میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ اخلاص کے ساتھ تلاوتِ قرآن پر ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا ہوں گی۔ یہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے



کہ یہ اجر و ثواب تلاوت کردہ آیات کے معانی و مفاہیم کو سمجھے بغیر پڑھنے پر بھی ملے گا ورنہ تو قرآن پاک کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا اجر و ثواب اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ حسین ہوگی، جب کہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس ہی اتر آئے (اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پھر تمہارا کیا گمان ہے خود اس آدمی کے بارے میں جس نے خود یہ عمل کیا ہو؟“

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے سورہ ہود نے اور سورہ واقعہ نے اور سورہ والمرسلات نے اور سورہ عم یقیناً لہون نے اور سورہ اذا شمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔“

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعات میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے جس بیماری سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ اس بیماری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے؟ فرمایا: اپنے گناہوں کا۔ دریافت کیا خواہش کیا ہے؟ فرمایا: اپنے رب کی رحمت کی۔ پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا: طبیب نے ہی تو بیمار کر ڈالا ہے۔ پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا: مجھے مال کی کوئی حاجت نہیں۔ کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔ فرمایا: کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے؟ سنیے میں نے اپنی سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر رات پڑھ لیا کرے اسے ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابو ظبیہ بھی اس سورت کو بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے۔ حدیث مذکور میں بھی یہی تعلیم دی جا رہی ہے۔

قرآن حکیم کے فضائل و ثمرات انفرادی طور پر ہی حاصل نہیں ہوتے بلکہ من حیث القوم اجتماعی طور پر بھی اس کے برکات و فضائل کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی قرآن مجید کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا۔“

غرض یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفتِ قائمہ اور بندوں کے لیے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور فرمان برداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور فرمان برداری ہے اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو امت خواہ وہ کسی نسل سے ہو اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو۔ قرآن مجید کو اپنا رہنما بنا کر خود کو اس کا تابع فرمان بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سر بلند کرے گا اور اس کے برعکس جو قوم اور امت جو اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچے گرا دی جائے گی۔ اسی بات کو جواب شکوہ میں علامہ محمد اقبال نے کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے اور تلاوتِ قرآن کے ذریعے

اجر و ثواب اور فضائل و برکات کے گہر ہائے نایاب سے فیض یاب ہونے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نماز اور خطبے کا بیان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

مشکوٰۃ شریف باب الخطبہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نماز میں طوالت اور خطبے میں اختصار انسان کے فقیہہ (سمجھدار) ہونے کی

نشانی ہے۔ پس تم نماز لمبی کرو اور خطبہ (تقریر) میں اختصار سے کام لو۔ بلاشبہ

بعض بیان جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ مذکورہ حدیث پاک میں نماز اور خطبے یعنی

تقریر کے حوالے سے رہنمائی کی گئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام ساری زندگی پر محیط

ہے اور یہ صرف عبادات اور نیک کام انجام دینے ہی کے حوالے سے رہنمائی نہیں فرماتا

بلکہ زندگی کے عام معمولات کے حوالے سے بھی رہنمائی فرماتا ہے۔ نماز ایک عبادت ہے

اور یہ عبادت آپ جانتے ہیں کہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک فرض اور دوسرے نفل۔ فرض

نماز کا تعلق ہماری اجتماعی زندگی سے جب کہ نفل نماز کا تعلق ہماری انفرادی زندگی سے

ہے۔ مذکورہ حدیث میں نماز میں طوالت کا ذکر ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہاں نفل نماز

کے حوالے سے رہنمائی کی جا رہی ہے کیوں کہ فرض نماز اور امام کی ذمہ داریوں کے

حوالے سے بہت سی احادیث میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ نماز کو بھاری نہ بنایا جائے نیز بوڑھے

اور بیمار مقتدیوں کا بھی خیال رکھا جائے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز کسی امام کے پیچھے نہیں

پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی عادت یہ تھی کہ) جب آپ (نماز میں) کسی بچے

کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشے سے کہ اس کی ماں کہیں فکر مند نہ ہو جائے۔ نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔“

اسی طرح مسلم شریف میں ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو آخری وصیت کی تھی، وہ یہ تھی:

”جب تم لوگوں کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔“

مسلم شریف کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں

”آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت

کرو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ”میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے

اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے۔“ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر)

فرمایا: ”میرے قریب آؤ“ (جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مجھے اپنے آگے بٹھایا اور میرے سینے پر دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا

دست مبارک رکھا۔ پھر فرمایا کہ پشت پھيرو (میں نے اپنی پشت آپ کی جانب کر

دی) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان اپنا دست

مبارک پھیر کر فرمایا: کہ (جاؤ اور) اپنی قوم کی امامت کرو اور (یہ یاد رکھو کہ) جب

کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیوں کہ ان میں

بوڑھے بھی ہوتے اور بیمار بھی، ان میں کمزور بھی ہوتے ہیں اور حاجت مند بھی۔

ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ جس طرح چاہے نماز پڑھے۔“

دوسری بات جو مذکورہ حدیث میں بیان ہوئی وہ خطبے یعنی تقریر کے بارے میں ہے۔

عام طور پر عیدین اور جمعہ کے دن امام عربی میں جو خطبہ دیتا ہے اسی کو خطبہ خیال کیا جاتا

ہے جب کہ عربی زبان کا یہ لفظ خطاب کے حوالے سے اس اردو تقریر پر بھی محیط ہے جو

اصلاح احوال کے ضمن میں ہو اور اردو میں کی جائے۔ چوں کہ یہ خطاب یا تقریر عوام

الناس کے لیے ہوتی ہے، اس لیے لوگوں کی طبیعت اور مزاج کو بھی پیش نظر رکھنے کی تعلیم

دینے کے لیے اختصار یعنی مختصر تقریر کرنے کی رہنمائی کی گئی ہے۔ بعض لوگ دین کی باتیں

ذرا ذیر سنتے ہیں تو اکتاہٹ کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ ایسے موقع پر تقریر جاری رکھنا فائدہ

مند نہیں بلکہ تقریر کا ختم کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ لوگوں میں دین سے بے زاری پیدا نہ ہو اور وہ آئندہ بھی دین کی باتیں سننے پر آمادہ ہوں۔

مذکورہ حدیث میں جادو اثر بیان کی بات کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تقریر کا مختصر یا طویل ہونا اثر اور بے اثر ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض لوگوں کا انداز بیان اور اسلوب اس قدر پُر اثر ہوتا ہے کہ جادو کی طرح لوگوں کو مسحور کر دیتا ہے اور مختصر بات یا تقریر بھی طویل گفتگو یا تقریر سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح دنیاوی امور میں افراط و تفریط یعنی حد سے زیادہ زیادتی اور حد سے زیادہ کمی غیر نفع بخش ہے اسی طرح دینی امور یعنی اعمالِ نفل میں بھی افراط و تفریط مطلوب نہیں ہے بلکہ اس راستے پر بھی میانہ روی اور ان میں اعتدال اختیار کرنا ضروری ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے جملہ معاملات میں اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## نماز کی تاثیر اور برکت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صحیح مسلم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے  
پھر پورے خشوع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے  
واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب  
نہ ہوا ہو اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی ہے۔“

مذکورہ حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں نہ صرف اوقات نماز میں نماز کا  
اہتمام کرنے کی تعلیم فرمائی جا رہی ہے بلکہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت بھی بیان ہوئی ہے کہ  
اگر انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو نماز سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پہلے  
گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے کی شرط درحقیقت اس لیے ہے  
کہ کبیرہ گناہوں کی نحوست اس قدر غلیظ اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے  
ہیں کہ ان کا ازالہ تو صرف توبہ ہی سے ممکن ہے، تاہم اللہ چاہے تو یونہی معاف فرمادے  
اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

نماز ارکان اسلام میں اہم ترین رکن ہے۔ قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر نماز کا  
ذکر آیا ہے جن میں نماز کی اہمیت، اس کے ثمرات و اثرات، اوقات اور طریقہ ادائیگی  
وغیرہ کا بیان ہے۔ نماز تحفہ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ابتداء پچاس اور جلد ہی (اسی رات  
میں) گھٹ کر پانچ نمازوں پر مشتمل رہ گیا مگر ثواب میں کوئی کمی نہیں کی گئی اور پانچ نماز  
قائم کرنے پر ثواب پچاس نمازوں ہی کا دیا جائے گا۔

نبی مکرم ﷺ نے بھی بے شمار احادیث میں نماز کی اہمیت اور ثمرات و برکات کا ذکر فرمایا ہے۔ مذکورہ حدیث بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ مسند احمد، مسند دارمی، شعب الایمان اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو گی اور دلیل ہوگی اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا تو وہ اس کے واسطے نہ نور بنے گی نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات اور وہ بد بخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“

سورۃ البقرہ کی آیت ۴۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

”اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔“

نماز گناہوں سے چھٹکارے اور نجات کا باعث ہے اور نماز قائم کرنے والے ہی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے مستحق ہوں گے۔ سورۃ فاطر کی آیت ۲۹-۳۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

”جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر خرچ کرتے ہیں وہ اُس تجارت کے فائدے کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہ ہوگی کیوں کہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا وہ بخشنے والا اور قدر دان ہے۔“

مسند احمد میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے۔ درختوں کے پتے (خزاں کے سبب سے) از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اس کے پتے جھڑنے لگے پھر آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے ابو ذر! میں نے عرض

کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
 ”جب مومن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی  
 طرح جھڑ جاتے ہیں۔“

قرآن و احادیث میں بے شمار مقامات پر نماز کے لیے فضائل و برکات و ثمرات بیان  
 ہوئے ہیں۔ انسان کمزور واقع ہوا ہے اور مصائب و پریشانیوں سے گھبرانے لگتا ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۳ میں ارشاد فرمایا:

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں  
 کے ساتھ ہے۔“

اسی طرح سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:  
 ”(اے محمد ﷺ) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے، اس کو پڑھا کرو  
 اور نماز کے پابند رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی  
 ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا  
 ہے۔“

نماز ہی کو نبی مکرم ﷺ نے کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز بتایا  
 ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
 ”بندے کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ غرض یہ کہ  
 نماز جس کی ارکان اسلام میں بنیادی ستون کی حیثیت ہے اور قیام الصلوٰۃ ہی  
 کے ذریعے دین کی عمارت کو قائم رکھنے کی تعلیم ہے۔ مقررہ اوقات میں نماز  
 پڑھنا ہی کامیابی و کامرانی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ  
 ہے۔“

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے  
 رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ  
 محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:  
 ”ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا۔“



ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۴-۱۵ میں رَبِّ الْعَالَمِينَ کا ارشادِ پاک ہے:

”بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پابندیِ وقت کے ساتھ قیام الصلوٰۃ کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے نوازے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو

رکعتوں میں سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور سورۃ قل هو اللہ احد پڑھیں۔

مسلم شریف کی حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں فجر کی نماز میں رسول  
مکرم ﷺ کی قرأت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ نماز آپ جانتے ہیں کہ ارکان  
اسلام میں ایک اہم رکن اور بنیادی ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ نماز کے لغوی معنی بندگی،  
پرستش، نیاز، عاجزی و انکساری نیز فکر و فرمانبرداری کے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں آیا  
ہے کہ جس نے ایک نماز نہ پڑھی اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ گیا اور جتنی نمازیں نہ  
پڑھیں اتنے ہی سیاہ داغ پڑ گئے۔ قرآن پاک میں نماز قائم کرنے کا ذکر کثرت سے آیا  
ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ آیت ۴۳ میں ارشاد پاک ہے:

وَأَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْکَعُوا مَعَ الرَّٰکِعِیْنَ۔ ”اور نماز پڑھا

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔“

اسی سورۃ مبارکہ کی آیت ۱۵۳ میں فرمایا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ  
الصَّابِرِیْنَ۔

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں

کے ساتھ ہے۔“

احادیث مبارکہ میں بھی قیام نماز کی اہمیت اور عدم ادائیگی کے حوالے سے سخت

وعیدیں ملتی ہیں۔ مسند احمد، مسند دارمی اور شعب الایمان بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہو گا اور دلیل ہوگی اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی اور برہان اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا تو وہ اس کے واسطے نہ نور بنے گی نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات اور وہ بد بخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“

جب کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں بھی ایک سخت وعید ملتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”بندے کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔“

متذکرہ حدیث پاک فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کے بارے میں ہے اسی حوالے سے بخاری شریف، سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن نسائی وغیرہ میں متعدد احادیث ملتی ہیں۔ اگر ان تمام احادیث مبارکہ کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قرأت دوسری نمازوں کی بہ نسبت فجر کی نماز میں اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ کے سبب) آپ فجر کی نماز بھی قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد یا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ایسی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیا کرتے تھے۔ متعلقہ احادیث کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات قرأت فرماتے تھے۔ اسی طرح ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے فجر کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ مبارکہ قرأت فرمائی تاہم جمعۃ المبارکہ کے دن آپ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں سورہ الم سجدہ پہلی رکعت میں اور سورہ الدھر دوسری رکعت میں قرأت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا

وسزا کا ذکر بہت مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے اور جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہونے والی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ غالباً اس کی تذکیر اور یاد دہانی کے لیے جمعہ کے دن فجر کی دو رکعتوں میں ان سورہ ہائے مبارکہ کی قرأت فرماتے تھے۔ نماز فجر کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ سورہ ہود کی آیت ۱۲ میں ارشاد مبارکہ ہے:

”اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں یہ ان کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔“

سورہ نور کی آیت ۵۶ میں ارشاد الہی ہے:

”اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور (اللہ کے) پیغمبر کے فرمان پر چلتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دل کی کہرائیوں سے نبی مکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے اور پابندی وقت کے ساتھ قیام الصلوٰۃ کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## چاشت کی نماز مستحب ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ  
 اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض کاموں کو کرنا  
 پسند فرمانے کے باوجود اس خیال سے ان کو ترک کر دیتے تھے (نہ کرتے تھے)  
 کہ کہیں لوگ انھیں مسلسل کرنے لگ جائیں اور وہ فرض کر دیے جائیں (اور  
 امت پر مشقت بڑھ جائے) یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چاشت  
 کے نوافل نہیں پڑھے لیکن میں پڑھتی ہوں۔

ابھی آپ نے کتاب التہجد بخاری شریف سے حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائی جس سے  
 نماز چاشت کے مستحب ہونے کا پتا چلتا ہے۔ جب سورج اچھی طرح نکل آئے اور روشنی  
 خوب پھیل جائے تو چاشت کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال سے پہلے پہلے تک  
 باقی رہتا ہے۔ اس وقت میں آدمی کو اختیار ہے کہ دو، چار یا بارہ رکعت پڑھے۔

مسند احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور  
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص چاشت کے وقت بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں  
 سونے کا محل بناتا ہے۔“

ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے:

”جو شخص چاشت کی دو رکعتوں کی حفاظت کرے تو اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں  
 اگرچہ وہ دریا کی جھاگ کے برابر ہوں۔“

آپ جانتے ہیں کہ کائنات کا نظام باقاعدہ ایک نظام الاوقات کے تحت کام کر رہا ہے۔ ہر کام اور ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ظہور میں آتی ہے۔ چاشت کی نماز کے حوالے سے بھی وقت کا بہت خیال و اہتمام رکھا گیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو کہا کہ یہ لوگ جانتے نہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز اس سے بہتر ہے یعنی چاشت کی نماز جو یہ لوگ اول وقت میں پڑھ رہے ہیں اس سے وہ چاشت کی نماز بہتر ہے جو گرم وقت میں پڑھی جائے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹوں کے بچے گرم ہو جائیں یعنی آفتاب خوب بلند ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چاشت کا وقت یہ ہے کہ سورج خوب بلند ہو جائے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل جائے اور ایک پہر ختم ہونے کے بعد دوسرا پہر شروع ہو جائے۔ یہ وقت افضل اس لیے ہے کہ اس وقت عام طور پر طبیعت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے اور جی یہی چاہتا ہے کہ آرام کیا جائے۔ لہذا ایسے وقت میں آرام اور طبیعت کے تقاضے کو پس پشت ڈال کر وہی اللہ کے بندے نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں جو بارگاہ رب العزت کی طرف کامل رجوع اور توجہ رکھتے ہیں۔

ابتدا میں جو حدیث آپ کی خدمت میں پیش کی تھی اس میں جہاں اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کے نوافل ادا فرماتی تھیں وہاں اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چاشت کی نماز سے رغبت تھی مگر پسندیدگی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ کہیں یہ نماز بھی امت پر فرض نہ کر دی جائے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا بھی حد درجہ خیال تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار چاشت کی نماز ادا بھی فرمائی

ہے۔ بخاری شریف میں امّ ہانی رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ابن ابی لیلیٰ بیان فرماتے ہیں۔  
 ”حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا ہمیں کسی نے یہ اطلاع بہم نہیں پہنچائی کہ اس  
 نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کے نوافل پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت امّ  
 ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ”حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے  
 گھر میں غسل فرمایا اور اس کے بعد آٹھ رکعت نماز ادا کی اور یہ نماز  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی ہلکی پڑھی کہ میں نے اتنی ہلکی نماز پڑھتے ہوئے  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا البتہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع و سجود  
 پورے اہتمام سے کیے تھے۔“

یوں تو فرض نماز کی ادائیگی بھی مسلمانوں کے لیے بہترین اجر و ثواب کا باعث ہے مگر  
 پروردگار عالم اپنے فرماں بردار بندوں اور پیروکاروں کو اور زیادہ نوازنا چاہتا ہے اسی لیے  
 اس نے نوافل کا اہتمام کرنے والوں کو اجر عظیم کی بشارت دی ہے۔ چاشت کی نماز کا بھی  
 احادیث میں بلند درجہ بیان ہوا ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ  
 سے روایت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”صبح ہوتے ہی تمھاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم آتا ہے۔ پھر تمھاری ہر تسبیح یعنی  
 سُبْحَانَ اللَّهِ کہنا صدقہ ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا صدقہ ہے۔ نیک کام کا  
 حکم کرنا صدقہ ہے اور بری بات سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب کے مقابلے  
 میں دو رکعت چاشت کی کافی ہوتی ہیں۔“

دیگر نقلی عبادات کی طرح چاشت کی نماز کی فضیلتیں بے شمار ہیں۔ بعض احادیث میں  
 اس نماز کی اہمیت بہت شد و مد کے ساتھ ملتی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ  
 سے مروی ایک حدیث پاک ہے

”مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی میں ان باتوں کو  
 مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا۔

① ہر مہینے تین روزے رکھنا۔

② چاشت کی نماز ادا کرنا۔

③ وتر پڑھ کر سونا۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم ہمیں بھی فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نوافل کی ادائیگی کی ہمت و توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



کہ  
سینہ  
کے  
اچھڑ  
تو  
کرا  
کے  
تو



## شب قدر اور طاق راتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث مبارکہ میں نہ صرف رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی تلاش پر زور دیا گیا ہے بلکہ درحقیقت لیلۃ القدر کی اہمیت بھی بیان ہوئی ہے۔

لیلۃ القدر کی اہمیت رب العالمین نے سورۃ القدر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ یہ قرآن حکیم شب قدر ہی میں نازل کیا گیا اور اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ یاد رہے ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر نہیں کہا اس سے بھی افضل قرار دیا۔ سورۃ القدر میں ارشاد الہی ہے:

لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ”یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔“

اس ارشاد الہی سے شب قدر کی قدر و منزلت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شب قدر کی عبادت نقلی عبادت ہے لیکن رب العالمین کے کرم نے اس کی عظمت دوچند کر دی ہے۔ تاہم سمجھ لیجئے کہ اس اجر و ثواب کی حیثیت بونس کی طرح ہے۔ ایک مزدور جب سال بھر محنت اور دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے تو مالک خوش ہو کر ایک دو ماہ کی تنخواہ بطور بونس یا انعام اسے دیتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایک دو ماہ کام کرنے سے آزاد اور فارغ ہے بلکہ یہ انعام یا بونس تو اس کی اضافی مدد ہے اور روز مرہ کے فرائض کی بجا آوری اپنی جگہ مسلم اور لازم ہے۔

شب قدر ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے یعنی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اور اثنیسویں راتوں میں سے ایک ہے اور اس کی تلاش ہمارے ذمے ہے۔ تلاش کے اس ارشاد میں بھی حکمت پوشیدہ ہے۔ اگر شب قدر کا تعین کر دیا جاتا کہ خاص فلاں رات شب قدر ہے تو گمان غالب تھا کہ لوگ صرف اسی ایک رات میں عبادت و ریاضت کا اہتمام کرتے مگر پروردگار رجوع الی اللہ کے جذبے کو بیدار رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے ایسے مواقع مہیا فرماتا ہے۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ شب قدر ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات ہے۔ پھر نبی مکرم ﷺ نے مزید نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں اس کا امکان زیادہ ہے لہذا ان راتوں میں عبادت کا خاص اہتمام کیا جائے نہ کہ کسی ایک رات ہی کو متعین کر لیا جائے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے، ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھیں گے، ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی گزشتہ سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

سورۃ القدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے زمین پر آنے اور طلوع فجر تک رہنے کا ذکر آتا ہے۔ شعب الایمان بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب لیلة القدر واقع ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا (عبادت میں مشغول) ہو۔

غرض یہ کہ شب قدر کے فضائل اور انعامات و اکرامات بے شمار ہیں۔ اصل بات تو انہیں سمیٹنے اور ان سے دامن بھرنے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تو بے پایاں و بے کراں ہے۔ وہ دلوں اور نیتوں سے بخوبی آگاہ ہے اور اسی کے مطابق عمل کا بدلہ عطا فرماتا ہے اور اگر نیت و اعمال میں اخلاص نظر آئے تو وہ بے حد و حساب نوازنے پر قادر ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ جب شب قدر کی فضیلت قرآن و حدیث سے اس قدر ثابت ہے تو قادرِ مطلق ہمیں کس درجے اجر و ثواب سے نواز سکتا ہے۔ بلاشبہ ہمیں رجوع الی اللہ کے جذبے کو بیدار کرنا چاہیے۔ اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کی طرف راغب ہونا چاہیے اور پھر اجر و ثواب کا معاملہ رب العالمین پر چھوڑ دینا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ وہ ہمیں مایوس نہیں فرمائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شب قدر کے گہر ہائے گراں مایہ سے اپنا دامن بھرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نوافل کا ایک خاص فائدہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث مبارکہ میں جریت بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں  
”مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح  
بندے کی صحبت میسر فرما۔ پھر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر  
ہوا تو میں نے ان سے کہا ”میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی  
صالح بندے کی صحبت نصیب فرما (اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا  
ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
سنی ہو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے نفع مند بنائے گا۔“

تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن  
بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز  
جانچی جائے گی پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جائے گا  
اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام و نامراد رہ جائے گا پھر اگر اس کے فرائض میں  
کمی و کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا ”دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرہ اعمال  
میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں؟ تاکہ ان سے اس کے  
فرائض کی کمی و کسر پوری ہو سکے پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی  
طرح ہوگا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں نوافل کی اہمیت و افادیت بیان

ہوئی ہے۔ نوافل جمع ہے نفل کی۔ عربی اصطلاح اور شرع میں اس سے مراد وہ نیک کام ہے جو بندہ اپنی مرضی و منشا سے انجام دیتا ہے۔ گویا یہ فرض نہیں ہوتا۔ نہ کرنا گناہ نہیں لیکن کرنے سے ثواب ضرور ملتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے علاوہ بھی سال بھر میں مختلف اوقات میں روزے رکھتا ہے تو یہ نفلی روزے ہوں گے یا مقررہ یعنی فرض نمازوں کے علاوہ اگر اضافی نمازیں پڑھتا ہے تو یہ نفلی نمازیں کہلا سکیں گی۔ بعض نفلی نمازوں کا ذکر احادیث مبارکہ میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً: صلوٰۃ التَّسْبِيحِ، صلوٰۃ استخارہ، صلوٰۃ الحاجات، صلوٰۃ الاستغفار یا چاشت اور اشراق کی نمازیں۔ یہ اور ان جیسی دیگر عبادات نفلی ہونے کے باوجود امت کے لیے بے شمار فوائد کی حامل ہیں۔ مثلاً قرآن پاک کی سورۃ القدر میں شب قدر کی عبادت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ .

”یعنی اس ایک رات کی عبادت کا ثواب اور اجر ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی زیادہ ہے۔“

اسی طرح صلوٰۃ الاستغفار یا صلوٰۃ التَّسْبِيحِ وغیرہ کے فضائل و برکات بھی احادیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن اس درجے فضائل و برکات سے نوازے جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم صرف شب قدر میں عبادت کر لیا کریں اور پورے سال نماز کے قریب بھی نہ جائیں۔ یاد رکھیے کہ فرائض سے چشم پوشی کے سبب ہم نوافل کے فضائل سے بھی محروم کیے جاسکتے ہیں۔ ایک مثال سے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک شخص فیکٹری میں ملازم ہے۔ وہ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد اور ٹائم بھی کرتا ہے اور سال بھر کے بعد فیکٹری کا مالک دو مہینے کی اضافی تنخواہ بھی بونس کے طور پر دیتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اوور ٹائم اور بونس کا فائدہ صرف وہی ملازمین اٹھا سکتے ہیں جو مقررہ اوقات میں بھی محنت سے کام کرتے ہیں۔ اگر کوئی ملازم دن کے مقررہ اوقات میں کام نہ کرے لیکن اوور ٹائم یا بونس کا فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ بات درست ہے کہ اگر مالک نے دو ماہ کی تنخواہ بونس کے طور پر دے دی ہے تو وہ اب دو ماہ تک کام

پر ہی نہ جائے گو یا فرائض کی ادائیگی ہی نوافل سے فیض یاب ہونے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے البتہ کسی مجبوری کے سبب اگر کوئی کمی و کسر رہ جائے تو اس کا ازالہ متذکرہ حدیث پاک کی روشنی میں نوافل سے ممکن ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عبادت اور عبودیت میں ایک لطیف لیکن بنیادی فرق ہے۔ عبودیت کا مطلب ہے کہ رب جو کرے عبد یعنی بندہ اس پر راضی ہو لیکن عبادت یہ ہے کہ بندہ وہ کرے جو اللہ کی رضا ہو۔ مطالب الحقانی کے مطابق عبادت کے تین مراتب ہیں اول یہ کہ بندہ ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے اللہ کی عبادت کرے۔ دوم یہ کہ ثواب کے لیے عبادت کرے اور مرتبہ اخلاص سے باہر نہ نکلے اور سوم یہ کہ عبودیت کا مقام اشرف حاصل کرنے کے لیے عبادت کرے اس کے علاوہ کوئی طلب نہ ہو۔

دعا عبادت کی ایک عمومی غیر رسمی شکل ہے لیکن شریعت کی طرف سے نافذ عبادات میں نماز کو اپنی رسمی شکل میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ اس میں نیت اور اخلاص ضروری شرائط ہیں جن کے سبب بندے کو اللہ کی رضا کے سوا کچھ درکار نہیں ہوتا اور بشری پہلو کے تحت اپنی بے بسی اور اللہ سے استعانت کا ایک احتیاجی پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبادت رب العالمین کا اس کے بے پایاں انعام کی وجہ سے بندے پر حق ہے اور یہ امر فطری طور سے بندے (مخلوق) کے وجدان میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب اور انعام و اکرام حاصل کرنے کی خواہش اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب ہم اخلاص نیت اور خشوع و خضوع کے ساتھ فرائض کے ساتھ ساتھ سنتوں اور نوافل سے بھی اپنی زندگیوں کو روشن رکھیں۔ سورۃ الدہر کی آیت ۲۵ اور ۲۶ میں ارشادِ ربانی ہے:

”اور صبح و شام اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو اور رات کو بڑی دیر تک اس کے آگے سجدے کرو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔“

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً یعنی اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کیا کرو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا قرب نصیب فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## جمہا ہی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی ہدایت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

”جب تم میں سے کسی کو جمہا ہی آئے تو چاہیے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کر  
لے کیوں کہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں بظاہر ایک چھوٹے  
اور معمولی سے عمل کی بابت ہدایت فرمائی گئی ہے مگر یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ  
اصل میں تو ہر بات ہی چھوٹی سی ہوتی ہے اگر اسے اہمیت نہ دی جائے۔ جس بات کو  
اہمیت دی جائے وہی بات بڑی ہو جاتی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطری تقاضوں  
کا بے حد خیال کرتا ہے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات اس کے احاطے  
میں رہتی ہے۔

انسان جب زندگی گزارتا ہے تو اسے صرف بڑی بڑی باتوں کا سامنا ہی نہیں ہوتا بلکہ  
چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے امت کو اس  
بارے میں بھی واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت اور گفتگو میں کن باتوں کا لحاظ رکھا  
جائے اور ظرافت و مزاح کی حدود و قیود کیا ہیں۔ اسی طرح کسی بات پر ہنسنے یا چھینک اور  
جمہا ہی آنے، ایسے مواقع پر کیا رویہ اختیار کیا جائے وغیرہ۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کی  
ہدایات و تعلیمات کی روح یہ ہے کہ بندے کے لیے اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں کو  
وقار اور خوب صورتی کے ساتھ پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر حال میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی



متذکرہ حدیث مبارکہ میں جماہی آنے پر انسانی کیفیت و حالت اور اس کے مضمرات کو بیان کیا گیا ہے۔ قریب قریب ہر شخص ہی جماہی کے تجربے یا کم از کم مشاہدے سے ضرور گزرتا ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ جب کسی شخص کو جماہی آتی ہے تو جماہی لیتے وقت اس شخص کا منہ بہت بدنما انداز میں کھل جاتا ہے اور ہاہا کی مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرے کی قدرتی شکل تبدیل ہو کر ایک بدنما ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔

اس عمل سے قرب و جوار میں موجود افراد پر اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا اور ان کے دلوں میں بھی کراہت سی جنم لینے لگتی ہے۔ جو باہمی محبت کے لیے کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ ایسے ہی مضمرات کے انسداد کے لیے نبی پاک ﷺ نے نورانی ہدایات اس حدیث پاک میں بیان فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ جماہی آنے پر ہاتھ سے منہ کو بند کر لینا چاہیے حکمت سے خالی نہیں ہے اور یہ حکمت و ہدایت بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کر رہی ہے۔ مثلاً جب جماہی آنے پر منہ کو ہاتھ رکھ کر بند کر لیا جائے گا تو ایسا کرنے سے نہ صرف منہ کھلے گا نہیں بلکہ وہ مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چہرے کی ہیئت بھی زیادہ متاثر نظر نہیں آئے گی۔ آگے چل کر اسی حدیث مبارکہ میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس بارے میں شارحین حدیث نے بہت سی وضاحتیں فرمائی ہیں۔ مثلاً اس سے مراد شیطان کا حقیقی داخلہ بھی ہو سکتا ہے (جس کی حقیقت سے ہم آگاہ نہیں) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب جماہی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی، مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے۔

یہ بات تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور قرآن

پاک میں بھی یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ مثلاً سورہ یوسف میں ارشادِ ربانی ہے

إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ یعنی کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اور یہ دشمنی اس وقت سے جاری ہے جب سے وہ بارگاہِ ایزدی سے راندہ درگاہ ہوا پھر قیامت تک نوبت انسان کو گمراہ کرنے کی خصوصی اجازت حاصل کی۔ اب جس کا منصب ہی انسان کو نقصان پہنچانا یعنی گمراہ کرنا ہے اس سے فلاح و کامرانی کی توقع عبث ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اسے اپنی نافرمانی کے سبب ذلت کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ اس کا انتقام لوگوں کو گمراہ کر کے لے رہا ہے اور قیامت تک کے لیے اسے اس ضمن میں کھلی چھٹی دی جا چکی ہے لیکن ہمیں بھی اس سے پوری طرح باخبر کر دیا گیا ہے تاکہ ہم شیطان کی چالوں میں نہ آئیں اور خود کو بربادی و گمراہی سے محفوظ رکھیں۔

جمہا ہی کے حوالے سے صحیح بخاری میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک رقم کیا گیا ہے

”جمہا ہی شیطان کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کسی کو جمہا ہی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکے رکھے۔ اس لیے کہ جب کوئی جمہا ہی میں ہا ہا کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔“

اور اس ہنسنے پر ذرا غور فرمائیے تو یہ شیطان کو اپنی شیطانی چال میں کامیابی پر ہی آ رہی ہوتی ہے۔ ایسے وقت کے لیے نبی پاک ﷺ نے جو تعلیم فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جمہا ہی لیتے وقت بائیں ہاتھ کی پشت کو منہ پر رکھے اور جمہا ہی کے بعد پڑھے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ یعنی نہیں بچنا گناہوں سے اور نہیں طاقت نیکی کی مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ۔

اور جمہا ہی کے بعد پڑھے جانے والے ان کلمات کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا کہ

یہ ننانوے امراض کا علاج ہے جن میں سے ادنیٰ غم ہے۔  
 دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی مکرم ﷺ کے حکمت بھرے ان نورانی ارشادات کو سمجھنے  
 اور ان سے فیض یاب ہونے کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے اور ہمارے قلب کو نور سے  
 معمور فرمادے۔ آمین۔ اور نبی پاک ﷺ کے فرمودات کو سمجھنے کی عقل عطا فرمائے۔  
 آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نومولود کے کان میں اذان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے، نواسے) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب (آپ کی صاحبزادی) فاطمہ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ متذکرہ حدیث پاک میں ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے جب کہ ایک اور حدیث مبارکہ میں ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہنے کی تعلیم ملتی ہے۔ کنز العمال میں (مسند ابویعلیٰ موصلی کی تخریج سے) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی ہے اور اس برکت و تاثیر کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصبیان کے مرض سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)۔

خاتم النبیین نبی مکرم سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا یہ ایک خصوصی امتیاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں اور شعبوں کے بارے میں واضح ہدایات و تعلیمات موجود ہیں۔

اس حوالے سے جب ہم معاشرتی معاملات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ضرورت محسوس

ہوتی ہے کہ عزیز واقارب، چھوٹوں بڑوں اور اپنوں پر ایوں کے ساتھ جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کس طرح پیش آئیں؟ کیسا برتاؤ کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں؟ اسی طرح لین دین، خرید و فروخت، تجارت و زراعت، قرض و امانت یا مزدوری اور کرایہ داری ایسے دیگر معاملات کے بارے میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات و ارشادات کیا ہیں اور ان کی کون سی شکلیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں؟ غور فرمائیے تو واضح ہوگا کہ ہدایت ربانی اور خواہش نفسانی نیز احکام شریعت اور دنیوی مصلحت و منفعت کی کشمکش معاشرت و معاملات کے میدان میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و فرماں برداری اور اس کے رسول اور اس کی شریعت کی اتباع جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر نوعی فضیلت حاصل ہوئی ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان و یقین اور ہمہ وقتی ذکر و عبادت اور روح کی لطافت و طہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔

معاشرتی احکامات و ہدایات کا سلسلہ بچے کی پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور والدین کے فرائض کی گویا ابتدا ہو جاتی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ سب کام اور ذمہ داریاں فرض ہوں بلکہ ان میں سے بعض سنن اور مستحبات کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ماں باپ کی فطری محبت کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے جو کچھ بھی بن پڑتا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہر بات کو فرض سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ دنیا میں آنے والا لڑکا ہو یا لڑکی سنت نبوی ﷺ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کان میں اذان اور اقامت کہی جائے۔ یہ نومولود بچے کا اپنے گھر والوں پر پہلا حق ہے۔ یوں گویا اذان و اقامت کے ذریعے اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید نیز ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کیا جاتا ہے۔ اذان و اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت انتہائی موثر انداز میں دی گئی ہے بلکہ متعدد احادیث میں یہ بھی تعلیم فرمائی گئی ہے کہ اذان و اقامت سے نہ صرف شیطان بھاگتا ہے بلکہ یہ بچے کی حفاظت کی بھی ایک تدبیر ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے نہ صرف نومولود کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی بلکہ تکمیل عمر یعنی موت آجانے پر غسل دینے، کفن پہنانے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی

ہدایت بھی فرمائی۔ اس طرح گویا یہ اچھی طرح بتا دیا بلکہ جتا دیا کہ مومن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور وہ بس اس طرح گزارنی چاہیے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اس کی تیاری میں گزرتی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اذان و اقامت کہی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے فرائض جاننے، سمجھنے اور ان پر احسن طریقے سے عمل کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



ذکر  
ہے  
ہیں  
ظاہر  
تو یہ  
نفس  
نفس  
شروع  
کرتا

## اولاد سے محبت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

بخاری شریف، کتاب الآداب کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چند دیہاتی لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے ”کیا آپ اپنے بچوں کو پیار سے چومتے ہیں؟“ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں“ وہ عرض کرنے لگے ”ہم تو ایسا نہیں کرتے“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے رحمت (کی صفت) نکال دے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ حدیث پاک میں اولاد کے بنیادی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں تو انسانی معاشرہ حقوق و فرائض ہی سے یک جان ہے۔ ایک طرف جہاں کسی کے حقوق کا ذکر ہے تو دوسری طرف اس کے فرائض بھی متعین ہیں اور حقوق و فرائض کی ادائیگی ہی معاشرے میں امن و سکون، محبت اور بھائی چارے کی ضامن ہے۔ جس معاشرے میں ایسا نہیں ہے وہ سکون جیسی نعمت سے محروم ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک شخص کا حق ہی دوسرے کا فرض ہے۔ مثلاً استاد کا جو حق ہے وہ شاگرد کا فرض ہے اور شاگرد کا جو حق ہے وہ استاد کا فرض ہے یا یہ کہ شوہر کا جو حق ہے وہ بیوی کا فرض ہے اور جو بیوی کا حق ہے وہ شوہر کا فرض ہے۔

بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اُس کے حقوق اور والدین کے فرائض کی ادائیگی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ کان میں اذان دینا، تحنیک کرنا یعنی منہ میں میٹھا ڈالنا، اچھا نام تجویز کرنا، عقیقہ کرنا، سر کے بال اتروانا اور ان کے ہم وزن چاندی کا صدقہ دینا، حسن ادب اور

زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا، ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرنا اور شادی بیاہ کا اہتمام کرنا وغیرہ۔

یہ چند پہلو جو میں نے ابھی ذکر کیے ہیں ذرا غور فرمائیے کہ ان میں سے کس کس پہلو پر ہم اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں؟ مثلاً بچے کا نام رکھنے ہی کو لے لیجیے۔ آج کل عجیب رجحان ہے لوگ انتہائی عجیب و غریب نام رکھنا چاہتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس نام کا مطلب اور درست تلفظ کیا ہے اور اس کا اثر بچے کی شخصیت پر کیا پڑے گا؟ مگر خواہش ہوتی ہے کہ ایسا اچھوتا نام رکھا جائے جو خاندان میں کسی کا نہ ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی اولاد کو جو تحفہ دیتا ہے وہ اس کا نام ہے، لہذا چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے، یہی ارشادِ حضور ﷺ کے صحابی ابی الدرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نام اچھے رکھا کرو۔ (سنن ابوداؤد)۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ نام کا اثر شخصیت پر پڑتا ہے اور نام کا تعلق دنیا ہی سے نہیں آخرت تک وابستہ ہے۔ مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن تم اپنے اپنے آبا کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے لہذا تم اچھے نام رکھا کرو۔“

اچھے ناموں کے بعد اچھے کردار اور سیرت کی تعمیر بھی والدین کے ذمے ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسنِ ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔ سیرت و کردار کی تعمیر میں والدین کی بچوں سے محبت، پیار اور شفقت بھی اہمیت کی حامل ہے۔ متذکرہ حدیثِ مبارکہ میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بچوں سے پیار کرنا، انہیں اوسہ دینا یعنی پڑوسنا اللہ کی رحمت ہے۔ جن کے دل اللہ کی رحمت سے سرشار ہوں وہ اپنے بچوں سے بے انتہا پیار اور محبت کرتے ہیں۔

نبی مکرم ﷺ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور بچوں کو بھی آپ ﷺ سے بہت پیار تھا۔ پہروں حضور ﷺ کا مسجد سے باہر نکلنے کا انتظار کرتے۔ باہر تشریف لاتے تو کوئی



ایک انگلی پکڑ لیتا کوئی دوسرے ہاتھ کی انگلی پکڑ لیتا۔ کوئی دامن سے چمٹ جاتا۔ بے شمار درود و سلام ہوں نبی پاک ﷺ پر کہ آپ ﷺ کسی سے نہ اکتاتے اور نہ کسی کو نظر انداز کرتے تھے۔

آپ ﷺ رات کو کچھ دیر کے لیے آرام فرماتے تھے لیکن اس دوران بھی اگر کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں آجاتی تو فوراً اٹھ بیٹھتے۔ جا کر اس کے والدین کو جگاتے اور بچے کو خاموش کراتے۔ اللہ اکبر! کتنا پیار تھا ہمارے ہادی و رہبر کو ان معصوم بچوں سے اور جن کے دل میں اتنی محبت و رحمت ہو بھلا وہ ہمارے لیے اس کی روشنی کیوں کرنے پہنچاتے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

”ایک دن اقرع تمیمی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ حضور ﷺ بیٹھے حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔ اقرع رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ بولے یا رسول اللہ ﷺ! میرے دس فرزند ہیں، میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اقرع رضی اللہ عنہ کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: ”جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اولاد کے حقوق ادا کرنے اور ان سے پیار و محبت کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## ہبہ کرتے وقت اولاد میں فرق کرنا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے ساتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنے بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح غلام ہبہ کیے ہیں؟“ انھوں نے عرض کیا ”نہیں“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو پھر اس سے بھی واپس لے آؤ۔“

حدیثِ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں غلام ہبہ کیے جانے کا ذکر ہے۔ ہبہ کے لغوی معنی بخشنے، عطا کرنے یا عنایت کرنے کے ہیں گویا کسی کو کوئی چیز بلا قیمت اس طرح دی یا بخشی جائے کہ اسے اس کا مالک بنا دیا جائے، ہبہ کہلاتا ہے۔ پروردگار عالم نے اولاد کے لیے انسان کے دل میں بے حد محبت پیدا کی ہے۔ انسان ہزار صعوبتیں اٹھا کر اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اور اس کے مستقبل کے تانے بانے بنتا ہے۔ جو اولاد فرماں بردار ہو، اس پر صدقے واری جاتا اور نافرمان اولاد سے کڑھتا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مال و اولاد تو ابتلا و آزمائش میں مبتلا کرنے والی ہیں۔

سورۃ الانفال کی آیت ۲۸ میں ارشادِ خداوندی ہے:

”اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس نیکیوں کا بڑا ثواب ہے۔“

سورۃ المنافقون آیت ۹ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا

کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“

اور سورۃ التباہین کی آیت ۱۵ میں فرمایا:

”تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔“

مسند احمد اور سنن ابی داؤد کی ایک حدیث مبارکہ میں محمد ابن خالد اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندۂ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدے اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اس کے لیے پہلے سے طے ہو چکا تھا۔

اولاد فرماں بردار ہو یا نافرمان والدین پر اس کے حقوق کا معاملہ اپنی جگہ ہے اور ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی کے معاملے میں اولاد کے درمیان کسی بھی طرح کی تفریق روا نہ رکھے اور مساوات و برابری کے شرعی تقاضے پورے کرے۔ متذکرہ حدیث مبارکہ میں بھی ایک بیٹے کو غلام ہبہ کرنے اور باقیوں کو اس سے محروم رکھنے کا سن کر آپ ﷺ نے اس ایک بیٹے سے بھی غلام واپس لینے کی بات کہی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور نا انصافی و عدم رواداری کو ناپسند کرتا ہے، لہذا انصاف اور رواداری کا تقاضا تو یہی ہے کہ تمام اولاد کو برابر سمجھا جائے اور جو کچھ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے وہ شرعی اصولوں کے عین مطابق ہو۔

انسان زندگی بھر دوڑ دھوپ کر کے بہت سا مال و اسباب جمع کرتا ہے اور موت کا معین وقت آنے پر خالی ہاتھ اس دنیا سے آخرت کو سدھار جاتا ہے پھر جو وراثت تقسیم ہوتی ہے اس کے لیے بھی اسلام نے واضح اصول بتائے ہیں مگر بعض لوگ اپنی زندگی میں ہی اپنی جمع پونجی کو تقسیم کر ڈالتے ہیں۔ کچھ مال اولاد میں بانٹ دیتے ہیں اور کچھ اپنی آخرت بہتر بنانے کے لیے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیتے ہیں۔ یہاں متذکرہ حدیث پاک کی روشنی میں جو بات توجہ طلب ہے وہ مال و اسباب کا اولاد میں منصفانہ اور دیانت

دارانہ انداز میں تقسیم کرنا ہے۔ اپنی پسند و ناپسند کو بالائے طاق رکھ کر سب کو اس کا حق دینا ہے اور یہ جو کچھ دیا جا رہا ہے عنایت و بخشش کیا جا رہا ہے یہی ہبہ ہے۔ ہبہ کرنے کے بعد اب اولاد اس کی مالک ہے۔ اس سے پھر یہ مال و اسباب واپس لینا روا نہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”اپنے ہبہ کو واپس لینے والا کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو چاٹتا ہے۔“

پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عمری جائز ہے یعنی کسی کو عمر بھر کے لیے کوئی چیز دے دینا۔“

یہی بات صحیح مسلم کی ایک اور حدیث مبارکہ میں یوں آتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے مال کو اپنے پاس رکھو ضائع اور خراب نہ کرو جس شخص نے کسی کو کسی چیز کا عمر بھر کے لیے مالک بنا دیا وہی اس کا حقیقی مالک ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اور اس کے وارث اس کے مالک ہیں۔“

ہبہ کے حوالے سے اگر شرعی اصول و تعلیمات پیش نظر رہیں تو انسان مال و اولاد کی ابتلا و آزمائش سے بہ حسن و خوبی گزر جاتا ہے اور کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بعض ایمان والے بندے یا ایمان والی بندی پر اللہ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی جان پر، کبھی مال پر اور کبھی اولاد پر اور اس کے نتیجے میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا۔

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں زندگی کے تمام معاملات شریعت اسلامی کی روشنی میں طے کرنے کی توفیق و ہمت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نبی مکرم ﷺ کا مزاج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بڑھیا نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے درخواست کی: ”میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں بڑھیا داخل نہیں ہوگی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بڑھیا روتی ہوئی واپس لوٹی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُسے بتاؤ کہ جنت میں وہ بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی (بلکہ جوان ہو کر داخل ہوگی)۔ اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا: ”ہم نے ان کو پیدا کیا تو ان کو کنواریاں بنایا اور شوہروں کی پیاریاں اور ہم عمر۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس میں نبی مکرم ﷺ کے مزاج کی ایک مثال بیان ہوئی ہے اور صراحتاً ارشاد خداوندی بھی بیان ہوا ہے۔ اس بات سے تو آپ سب واقف ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی ذات ہر طرح مکمل اور اکملیت کے درجے پر فائز تھی۔ آپ ﷺ کے چہرے سے جہاں کبھی ناراضگی یا غصے کا اظہار ہوتا تھا وہاں خوشبو اور مسکراہٹ بھی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر دیکھی جاسکتی تھی۔ اسی طرح حس مزاج بھی آپ کی طبیعت کا حصہ تھی۔ آپ ﷺ گاہے گاہے مزاج بھی فرماتے تھے۔

مذکورہ حدیث پاک میں سورۃ الواقعہ کی آیت ۳۵ تا ۳۷ بھی بیان ہوئی ہیں جو آپ ﷺ کے اظہار مزاج کی وضاحت و صراحت کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ہم نے ان بیویوں کو نئی پیدائش میں پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ جب وہ بالکل پھونس بڑھیا تھیں ہم نے انھیں نو عمر کنواریاں کر کے ایک خاص پیدائش

میں پیدا کیا۔ وہ اپنی ظرافت و ملاحت، حسن صورت اور جسامت، خوش خلقی اور حلاوت کے سبب اپنے خاوندوں کو بہت پیاریاں ہیں۔“

رب العالمین کے اس کلام سے بوڑھی عورتوں کا جوان کیے جانے اور خاوندوں کی محبوبہ بیان کرتے ہوئے ان کے دلوں میں جگہ پانے کی بات وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ان آیات مبارکہ کی مزید تفصیل کے لیے قرآنی تفاسیر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ اس محدود وقت میں ان آیات مبارکہ کی تشریح و تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان آیات مبارکہ سے جڑی اس حدیث پاک کو اس طرح آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بڑھیا تھیں اور اب جنت میں گئی ہیں تو انھیں نو عمر کر دیا ہے اور روایت میں آتا ہے کہ خواہ یہ عورتیں کنواری تھیں یا بوڑھی تھیں اللہ ان سب کو ایسا کر دے گا۔ اعرابیوں کا حضور اکرم ﷺ کے سامنے آنا اور بہت سی باتیں پوچھنا یقیناً ان کے اور صحابہ کرام کے علم میں اضافے کا باعث ہوتا تھا۔ حافظ ابو بکر احمد بن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اعرابیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل پوچھنا ارد گرد بیٹھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی علم میں اضافہ کرتا تھا۔

ابتدا میں جو حدیث مبارکہ بیان ہوئی ہے اس سے جہاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حس مزاج کا پتا چلتا ہے وہاں اہل جنت کے معاملات و حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ دنیوی حالات و معاملات کے حوالے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کی مثالیں موجود ہیں۔ جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

”ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے اونٹ مانگا۔ آپ نے فرمایا: ”میں تجھے سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی تو ہوتے ہیں۔“

آپ نے غور فرمایا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزاج کے معاملات میں بھی بہت محتاط رہتے تھے۔ آج ہم اپنے معاشرے پر ایک نظر ڈالیں تو ہنسی مذاق یا مزاح تو بہت عام نظر آتا ہے مگر اس میں سچائی کا عنصر مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ غلو اور جھوٹ کا تناسب غالب آ گیا

ہے۔ بات بات میں خصوصاً ہنسی مذاق اور مزاح کی باتوں میں جھوٹ کا چٹخارہ عام ہے۔ ان معاملات میں جب تک جھوٹ شامل نہ کر لیں تسکین محسوس نہیں کرتے بلکہ حد تو یہ ہے کہ جھوٹ جس قدر زیادہ اور بڑا ہوتا ہے بولنے والے اسی قدر خوشی اور طمانیت محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کی اس سلسلے میں احتیاط ملاحظہ فرمائیے۔

”جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ”میں (مزاح میں بھی) حق بات ہی کہتا ہوں۔“

یہ ہے نبی مکرم ﷺ کا مزاح اور حق گوئی اور سچائی جو اپنی جگہ اٹل اور مسلم ہے۔ کاش! ہم بھی ان حقیقتوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے جملہ معاملات کے ساتھ ساتھ مزاح میں بھی نبی پاک ﷺ کی پیروی کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## محبت رسول ﷺ کے تقاضے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آل حضرت ﷺ نے فرمایا:

”تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے

والدین، اولاد اور ساری دنیا کے انسانوں سے زیادہ محبوب نہیں رکھتا۔“

حدیث انس رضی اللہ عنہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث مبارکہ میں مومن کی نشانی یہ

بتائی گئی ہے کہ وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا ہو۔ جس محبت کا ذکر اس حدیث پاک میں کیا

گیا ہے اس سے مراد طبعی اور غیر اختیاری محبت نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اختیاری محبت

کی جائے یعنی رسول مکرم ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کو سب پر

مقدم رکھا جائے حتیٰ کہ ماں، باپ، اولاد اور دوست آشنا سب کی اطاعت و تعمیل پر مقدم

سمجھنا۔ یہی اطاعت اور محبت رسول ﷺ کا تقاضا اور ایمان ہے۔

ایمان کے لغوی معنی ماننے، بے خوفی و امان نیز عقیدے، مذہب اور دھرم کے ہیں

جبکہ اصطلاح میں ایمان کفر کی ضد اور اسلام کا مترادف ہے تاہم قرآن پاک کی بعض آیات

سے اسلام اور ایمان الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی ستر سے بھی کچھ زیادہ

شاخیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل درجہ تو لا الہ الا اللہ کا قائل ہونا یعنی توحید کی

شہادت دینا ہے اور ادنیٰ اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا

ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ ایمان اسلام کا بنیادی جز ہے اور ایمان کے بغیر اسلام



کامل نہیں ہوتا۔ گویا ایک شخص مسلمان تو ہے مگر مومن اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کا ایمان کامل ہو اور ایمانِ کامل نبی مکرم ﷺ کی محبت و اطاعت ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۳۱ اور ۳۲ میں ارشادِ خداوندی ہے:

”اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔“

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔ ایک یہ کہ اللہ اور رسول کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

قرآنِ پاک میں جا بجا رسول مکرم ﷺ کی اطاعت و محبت کے مختلف پہلو بیان ہوئے ہیں مثلاً سورۃ الحشر کی ساتویں آیت میں فرمایا گیا

”جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۲ میں ارشاد ہوا:

”اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اسی طرح سورۃ النساء کی ۵۹ ویں آیت میں فرمایا گیا:

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی نیز اپنے میں سے صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔“

سورۃ النساء کی یہی بات بخاری شریف کی ایک حدیثِ پاک میں کہی گئی۔ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری

نافرمانی کی، اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی

فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

رسول پاک ﷺ کی محبت و اطاعت کے حوالے سے اس مختصر سے وقت میں جو پہلو بیان ہو سکے ہیں امید ہے کہ وہ زندگی کے راستوں میں چراغِ راہ کا کام دیں گے۔ یوں تو پورا قرآن ہی شانِ رسول ﷺ بیان کرتا اور زندگی بسر کرنے کا کامل دستور فراہم کرتا ہے مگر جب ہم قرآنِ کریم کے لفظوں پر غور کرتے ہیں تو عشقِ رسول ﷺ کے نہ صرف مختلف پہلو سامنے آتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر رب العالمین نے اپنے محبوب سے محبت و اطاعت کو تمام کر دیا ہے۔

سورۃ الاحزاب کی اکیسویں آیت میں فرمایا گیا

”تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی کرنی بہتر ہے یعنی اس شخص کو جسے اللہ سے ملنے

اور روزِ قیامت کے آنے کی امید ہو اور وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔“

عشقِ رسول ﷺ کے اسی پیغامِ ربانی کو علامہ اقبال نے جوابِ شکوہ میں بہت خوبصورتی کے ساتھ یوں بیان فرمایا کہ:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شمس الدین محمد حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت و اطاعتِ رسول کو اپنے خاص بلیغ انداز میں یوں بیان فرمایا:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یملکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو نبی مکرم ﷺ کی سچی و پکی محبت و اطاعت سے

معمور فرمائے اور ہماری کامل حیات کو اس نورِ خاص سے منور فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آ رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن میں  
 شوربایا کھانا یا پانی ہے (مراد یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین چیزوں میں  
 سے کسی ایک کا نام لیا تھا اور مغالطہ راوی کو ہے) لہذا جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 پاس آئیں تو انھیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیے گا  
 اور جنت میں جوف دار موتیوں سے بنے ہوئے گھر کی خوشخبری دیجیے گا۔ جس  
 میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ کسی قسم کی تکلیف۔“

بیان کردہ حدیث میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے  
 مناقب کا بیان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا نکاح مکہ میں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا  
 سے کیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر  
 مبارک ۴۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی۔

بیان کردہ حدیث مبارکہ میں جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ اس زمانے کا ہے جب  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کے لیے غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور کئی کئی روز تک  
 وہاں عبادت اور ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔ کھانے پینے کی کچھ چیزیں مثلاً سَتُو اور  
 پانی وغیرہ آپ اپنے ساتھ لے جاتے تھے تاکہ خلوت گزینی میں بھوک اور پیاس کا غلبہ  
 محسوس نہ ہو۔ ایک دن حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانے پینے کا کچھ

سامان لے کر خود غارِ حرا پہنچیں اور مذکورہ سعادت و بشارت سے سرفراز کی گئیں۔  
 واضح رہے کہ عام طور پر تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلوت گزینی کے لیے غارِ حرا میں جانا  
 اور وہاں عبادت و ذکرِ الہی میں مشغول رہنا اس زمانے کا معمول تھا جب آپ ﷺ  
 خلعتِ نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام کی آمد و رفت  
 شروع نہیں ہوئی تھی لیکن اس میں بھی کچھ استبعاد نہیں کہ نبوت کے مرتبے پر فائز ہونے اور  
 حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جانے کے بعد بھی کچھ عرصے آپ ﷺ نے  
 یہ معمول جاری رکھا ہو اور انھیں دنوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کسی دن آپ ﷺ کا کھانا لے  
 کر غارِ حرا تشریف لائی ہوں۔

حدیث مبارکہ میں پہلی بات کہی گئی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کے رب اور  
 جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے سلام کہیے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ رب العالمین کا سلام ایسا  
 شرف ہے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت  
 جبرئیل علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی سلام کہلایا تھا لیکن اس حدیث کو حضرت  
 عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

آگے چل کر حدیث پاک میں جو ف دار موتیوں کے گھر کی بشارت دی گئی ہے۔  
 قصب کا اطلاق اس موتی پر ہوتا ہے جو بہت بڑا ہو اور اندر سے کھوکھلا ہو۔ روایات میں  
 آتا ہے کہ جنت کے محلات پر جو گنبد ہوں گے وہ دراصل قبوں جیسے بڑے بڑے موتی  
 ہوں گے جن کے اندر خلا ہوگا لہذا اس جملے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس محل کا گنبد ایک  
 پورا موتی ہوگا یا یہ کہ وہ پورا محل موتی کا ہوگا۔ یعنی ایک اتنا بڑا موتی ہوگا جس کے اندر کا  
 خلا ایک پورے محل پر محیط ہوگا۔

حدیث مبارکہ کے آخر میں جنت کے متذکرہ محل کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔  
 کہا گیا جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ کسی قسم کی تکلیف۔ بطور خاص ان دونوں چیزوں کی  
 نفی اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ دنیاوی گھروں میں رہنے والوں کو انھیں دونوں گوار چیزوں کا  
 زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک شور و غل اور دوسرے وہ محنت و مشقت اور تکلیف و تکان  
 جو گھروں کو بنانے اور سنوارنے سجانے میں ہوتی ہے۔

لہذا پروردگارِ عالم کے بنائے ہوئے محلات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ جنت کے محلات ایسی ناگوار اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہوں گے۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے حق میں یہ بشارت گویا اس مقام کا اعلان تھا جو انھیں اس بات کے بدلے میں عطا ہوا کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوتِ اسلام کو سب سے پہلے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے اللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنا آبائی دین یک لخت اس طرح ترک کر دیا کہ نہ تو کسی طرح کا شور شرابا ہونے دیا اور نہ ہی بحث و تکرار اور پروردگارِ عالم کو یہ ادا ایسی بھائی کہ اپنے سلام سے نوازا اور جنت کے محل کی بشارت دی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے مقام و منصب کو سمجھنے اور اس کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## بہترین عورت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عورتوں میں بہتر عورت کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”وہ عورت جس کو اس کا شوہر دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، شوہر حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اپنے بارے میں اور اپنے مال کے بارے میں ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس کو شوہر ناپسند کرتا ہو۔“

اس حدیث مبارکہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو عورت اپنی جان و مال سے اپنے خاوند کی خوشنودی میں لگی رہتی ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے اچھی عورت ہے۔ بیوی، عورت کے مختلف روپ اور رشتوں میں سے ایک ہے اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا سابقہ ہے کہ ساری عمر اسی بندھن میں بسر کرنا ہوتی ہے۔ اگر دونوں کا دل ملا ہوا ہے تو اس سے بڑھ کر نعمت کوئی نہیں اور اگر خدا نخواستہ دونوں کے دلوں میں فرق آ گیا تو اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ گھر میں بیوی کا وجود سراپا رحمت ہے اگر کوئی اس پاکیزہ رشتے کو حقیر سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ سورۃ الزوم کی آیت نمبر ۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کو اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے وجود سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون و تسکین پاؤ اور اس نے تمہارے مابین شفقت و رحمت پیدا کر دی بلاشبہ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

متذکرہ حدیث پاک میں بیوی کے چند فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان فرائض میں سر فہرست اپنے خاوند کی اطاعت اور فرماں برداری ہے۔ ظاہر ہے یہ پابندی غلط احکام اور بے جا باتوں کی نہیں بلکہ دائرہ شریعت اور اخلاقی و معاشرتی اقدار کے اندر رہتے ہوئے ہی ہوگی۔ ایک مسلمان صالح بیوی کا اکملیت کے ساتھ اطاعت گزار اور وفا شعار ہونا اس کی سب سے بڑی خوبی بیان کیا گیا ہے۔ امہات المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند مثالوں سے اس نکتہ کی وضاحت فرمائی جن سے واضح ہوتا ہے کہ بیویوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اپنے خاوندوں کے آگے غلاموں کی طرح سجدہ ریز ہوں، درحقیقت اس سے اطاعت و فرماں برداری کے کمال کا اظہار ہوتا ہے۔

دوسرا پہلو اس حدیث مبارکہ سے حفظ ناموس اور حفاظت خانہ کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ اپنی ناموس اپنے خاوند کی عزت اور اپنے گھربار کی حفاظت ہر خاتون خانہ کا مقدس فریضہ ہے۔ حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم رسول اکرم ﷺ کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس کا موضوع سے متعلق حصہ یہ ہے۔

”اے مردو! تمہارا حق تمہاری بیویوں پر یہ ہے کہ تم جسے پسند نہیں کرتے ہو وہ اسے تمہارے بستر پر نہ آنے دیں اور تم جسے برا خیال کرو وہ اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں۔“

خاوند کی خوشی اور خواہش کا احترام بھی اس حدیث مبارکہ کا موضوع ہے۔ اس سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی قابل ذکر ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

”تین ایسے افراد ہیں جن کی نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی اوپر جاتی ہے۔“

ان میں سے ایک وہ عورت ہے جس سے اس کا شوہر ناخوش ہو۔“

متذکرہ حدیث مبارکہ میں ایک مسلمان بیوی کے چند فرائض یاد دلانے گئے ہیں مگر

افسوس کہ طوفانِ مغرب نے آج کی عورت کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ وہ مغرب کی اندھی تقلید میں جانے کیسے کیسے حقوق کی طالب ہے اور اس نے فرائض سے کُلّی طور پر آنکھیں موند لی ہیں۔ حالاں کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں ہر شخص کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا گیا ہے۔ وہ عورت جو اسلام سے پہلے پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دی جاتی تھی جنت ایسی قیمتی متاع کو اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ اب بھی اگر عورت اپنے حقیقی منصب کو نہ پہچانے اور مغرب کی تقلید میں چلتی رہے تو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مغرب میں جا کر تو سورج بھی غروب ہو جاتا ہے پھر بھلا اسے اس پیروی میں کیا قدر و منزلت حاصل ہوگی؟

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان خواتین کو اپنے اپنے فرائضِ حسنِ خوبی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



شخص  
پر  
شخص  
قر  
اجتہاد  
سورۃ البقرہ  
ک



## قرض کی ادائیگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

ترمذی شریف میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نو عمر اونٹ کسی سے قرض لیا۔ پھر آپ کے پاس زکوٰۃ کے کچھ اونٹ آئے، ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ اس آدمی کا نو عمر اونٹ کا قرض ادا کر دوں۔“

میں نے کہا

”ان اونٹوں میں صرف ایک اونٹ ہے جو بہت عمدہ ہے اور سات سال کا ہے“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”وہی اسے دے دو اس لیے کہ بہترین آدمی وہ ہے جو بہترین طریقے سے قرض

ادا کرتا ہو۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بہترین آدمی قرار دیا ہے جو قرض کی ادائیگی بہتر طریقے سے کرے۔ اصطلاحی طور پر قرض سے مراد وہ قابل واپسی رقم ہے جو کاروباری یا دیگر معاملات کے حوالے سے ایک شخص کسی دوسرے شخص کو دیتا ہے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ اس نیکی کے لیے استعمال کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دے گا۔ اپنا مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو قرآن نے اللہ کو قرض دینا بتایا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۵ میں ارشادِ خداوندی ہے:

”کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ

دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“

انسانوں کو بھی لین دین کے معاملات کے حوالے سے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲، ۲۸۳ میں واضح ہدایت فرمائی گئی ہے:

”اہل ایمان قرض کے حوالے سے آپس میں لین دین کریں تو اسے لکھ لیا کریں اور لکھتے وقت دو مرد گواہ رکھیں اگر ایک مرد ہو تو دوسرے مرد کی جگہ دو عورتیں گواہ لیں۔“

مگر یہ بات کس قدر عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ اپنے دین کی واضح تعلیم کے باوجود ہمارے معاشرے میں لین دین کے معاملات کو ضبط تحریر میں لانا پسند نہیں کیا جاتا حالاں کہ اس حکم پر عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں لین دین کے معاملات میں بہت سی قباحتیں بھی پیدا ہوتی دیکھی گئی ہیں۔

آج کل یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ لوگ قرض لینے کے معاملے میں جس قدر چست نظر آتے ہیں وہ قرض لوٹانے کے معاملے میں کہیں زیادہ سست دکھائی دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ قرض کی ادائیگی نہ کرنی پڑے۔ نبی مکرم ﷺ نے قرض کی ادائیگی کے لیے سخت تاکید فرمائی ہے اور قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لینے والے کو ظالم کہا ہے۔ اس ضمن میں متعدد احادیث مبارکہ ملتی ہیں کہ قرض کی ادائیگی کس قدر ضروری اور لازم ہے بلکہ شکرے کے ساتھ احسن طریقے سے قرض لوٹایا جائے تو یہ اور بھی پسندیدہ ہے جیسا کہ آپ نے مذکورہ حدیث مبارکہ میں ملاحظہ فرمایا۔

قرض تو آخر قرض ہوتا ہے اور لوٹانا ہی پڑتا ہے لیکن اگر واپسی احسن طریقے سے ہو تو قرض دینے والے کی نہ صرف تسکین ہوتی ہے بلکہ حوصلہ بڑھتا ہے اور وہ خوشی خوشی دیگر ضرورت مندوں کو بھی قرض دینے سے نہیں ہچکچاتا۔ بصورت دیگر اس کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور یوں کسی ایک شخص کے غلط طرز عمل کے سبب بہت سے ضرورت مند قرض کے حصول میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔

ویسے تو قرض کا لینا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے لیکن انتہائی ضرورت اور مجبوری میں اس کی اجازت ہے مگر اس میں نیت کی خرابی کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص لوگوں سے قرض لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ وہ قرض اس سے ادا کر دیتا ہے اور جو شخص اس نیت سے قرض لے کہ اس کو ادا نہ کرے گا تو اللہ اس کے مال کو تلف اور ضائع کر دیتا ہے۔“

احادیث مبارکہ میں قرض کی ادائیگی نہ کرنے کے سلسلے میں سخت وعیدیں ملتی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”شہید کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے مگر قرض معاف نہیں کیا جائے گا۔“

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی روح قرض کے سبب معلق رہتی ہے جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

مقروض کو چاہیے کہ اول تو قرض خواہ کے تقاضا کرنے سے پہلے ہی قرض لوٹا دے لیکن اگر نوبت یہاں تک آجائے کہ قرض خواہ کو تقاضا کرنا پڑے تو پھر بغیر کسی تاخیر کے احسن طریقے سے قرض لوٹا دیا جائے۔ قرض وصول کرنے والے کے حوالے سے بھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بہت واضح ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے اس کو بچائے تو

وہ تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اپنا قرض معاف کر دے۔“

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے تا وقتیکہ اس کے قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے یا یہ کہ وہ اتنا مال چھوڑ کر مرا ہو کہ اس سے قرض ادا ہو سکے۔ میراث کے حوالے سے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر میت کے ذمے قرض ہے تو ترکے میں سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے لیکن اچھی بات تو یہ ہے کہ معاملہ ترکے تک نہ پہنچے اور

انسان اپنی زندگی میں ہی قرض سے خلاصی حاصل کر لے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرض سے محفوظ رکھے اور جملہ مقروض افراد کو احسن طریقے سے اپنا اپنا قرض ادا کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



ادرا  
دومر  
واپس  
اللہ تعالیٰ  
استعمال  
بارے  
”  
کے  
دومر

## ادائیگی قرض میں نیت کا اثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

بخاری شریف کے باب کتاب الاستقراض میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور وہ اس کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کرے گا اور جس شخص نے مال بطور قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی وجہ سے تباہ کر دے گا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں قرض کی ادائیگی کے حوالے سے نیت اور اس کے ثمرات کا ذکر ہے۔ اصطلاحی طور پر کاروبار یا دیگر معاملات میں ایک فرد کا دوسرے کو رقم دینا قرض کہلاتا ہے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے تاہم یہ رقم قابلِ واپسی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے اس نیکی کے لیے استعمال کیا گیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دے گا یا فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ایک طویل آیت ۲۸۲ میں قرض کے لین دین کے بارے میں رہنمائی فرمائی گئی ہے:

”جب اہل ایمان آپس میں قرض کا لین دین کریں تو اُسے لکھ لیا کریں اور اس کے لیے دو آدمیوں کی گواہی لے لی جائے اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت لی جائے۔“

ہمارے معاشرے میں عام طور پر قرض کے لیے تحریر لکھنے اور گواہ فراہم کرنے کو اچھا تصور نہیں کیا جاتا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم یہی ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے لین دین کے معاملات میں کئی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے بھی اس حوالے سے واضح رہنمائی فرمائی ہے۔

مذکورہ حدیث پاک میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ایک معروف حدیث میں اعمال کا دار و مدار نیتوں پر بیان ہوا ہے یعنی اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اگر کوئی شخص بحالتِ مجبوری قرض لیتا ہے اور ادائیگی کی نیت رکھتا ہے لیکن موت سے پہلے ادا نہیں کر پاتا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ صاحبِ حق کو بلائے گا اور معاف کرنے کے لیے اس سے کہے گا اور اس کے بدلے اسے اپنی نعمتیں دینے کا وعدہ کرے گا تو صاحبِ حق اپنے حق کو معاف کر دے گا لیکن اگر کوئی شخص قدرت رکھنے کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا اور صاحبِ حق کو اس کا حق نہیں لوٹاتا یا دنیا میں اس سے معاف نہیں کرا لیتا تو اس کی معافی کی قیامت میں کوئی صورت نہیں۔

نبی مکرم ﷺ نے جہاں قرض کی ادائیگی کے لیے سخت تاکید فرمائی ہے وہاں مطالبہ میں نرمی و شفقت کی ترغیب دی ہے حتیٰ کہ معاف کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے اس کو بچائے وہ

تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اپنا قرض معاف کر دے۔“

آج کل ہمارے معاشرے میں قرض لینا ایک فیشن بنتا جا رہا ہے اور لوگ اس کے مضر اثرات سے بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں نبی مکرم ﷺ سے ہمیں جو ہدایت ملتی ہے اگر ہم اس پر غور و فکر کریں تو شاید کبھی قرض نہ لیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”شہید کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے مگر قرض معاف نہیں کیا جائے گا۔“

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی روح قرض کے سبب معلق رہتی ہے جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ ایسی میت کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جو مقروض مرا ہو یا اس وقت تک نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جب تک اس کے قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے۔ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں حضرت سلم بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ جنازے کی نماز پڑھ لیجیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس پر قرض تو نہیں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی۔ پھر ایک جنازہ اور لایا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس پر قرض ہے؟ کہا گیا ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا تین دینار۔ آپ ﷺ نے اس پر بھی نماز پڑھ لی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا آپ ﷺ نے پوچھا اس پر قرض ہے؟ عرض کیا گیا تین دینار۔ فرمایا: کچھ چھوڑ کر مرا؟ عرض کیا کچھ نہیں۔ فرمایا: تم اپنے دوست پر نماز پڑھ لو۔ ابو قلادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجیے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز پڑھ لی۔“

اس محدود وقت میں بیان کردہ یہ چند احادیث مبارکہ اس بات کی عکاس ہیں کہ ہمیں قرض لینے کے معاملے میں حد درجہ بچنا چاہیے مگر جب کوئی مجبوری آن پڑے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو قرض کی ادائیگی کی نیت اور کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں ایسی پریشانی اور مجبوری سے بچائے کہ ہم مقروض ہو جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## اعمال صالحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

کتاب الزہد ترمذی شریف میں حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

”مجھے ایسی بات بتائیے جس پر میں سختی سے کار بند رہوں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہو اللہ میرا رب ہے پھر اس پر قائم رہو۔“ پھر میں نے پوچھا ”آپ میرے بارے میں کس چیز سے زیادہ خطرہ محسوس کرتے ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی، پھر فرمایا: ”اس سے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں دو بنیادی اور اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان کا تعلق نہ صرف موجودہ زندگی سے ہے بلکہ ثمرات کے حوالے سے یہ اخروی زندگی سے بھی جڑی ہوئی ہیں۔ حدیث مبارکہ میں پہلی بات توحید کے بارے میں بیان ہوئی ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرو اور پھر اس پر سختی سے قائم رہو۔ جان رکھیے کہ اللہ کو اپنا رب ماننا ہے اور ذات و صفات دونوں اعتبار اور اکملیت کے ساتھ رب ماننا ہے۔ پروردگار عالم کی ربوبیت ہی دراصل اس کی وحدانیت ہے۔ ہر معاملے میں وہ یکتا اور مختار ہے۔ یہ تعلیمات قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں اور سورۃ الاخلاص میں تو اس کا نچوڑ سمودیا گیا ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم والا ہے۔“



”کہو کہ وہ (ذاتِ پاک جس کا نام اللہ ہے) ایک ہے۔“

اللہ الصمد۔

”(وہ) معبودِ برحق بے نیاز ہے۔“

لم یلد ولم یولد۔

”نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔“

ولم یکن له کفوا احد۔

”اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔“

ذرا ان آیاتِ مبارکہ پر ایک سرسری سی نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی ذات اپنی تمام تر صفات کے ساتھ یکتا و اعلیٰ ہے۔ اسے کسی طرح کی حاجت نہیں ہے اور نہ ہی اسے ہمارے سجدوں کی ضرورت ہے بلکہ یہ سب تو ہم انسانوں ہی کے فائدے کی باتیں ہیں۔ اس کے پس منظر میں ہماری ہی اخروی زندگی کی بہتری کی غرض پوشیدہ ہے۔ وہ پروردگار پیدا ہونے اور جنم دینے سے پاک ہے۔ جو اُس کی ذات سے ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں نادان اور خسارے میں رہنے والے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ لہذا اس کی ذات اور صفات پر نہ صرف کامل ایمان رکھنا چاہیے بلکہ آخری دم تک اس پر قائم بھی رہنا چاہیے تاکہ ہم فلاح دارین کے حق دار بن سکیں۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی توحید کے حوالے سے بے شمار روایات ملتی ہیں مثلاً بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔“

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے یہ بشارت دی کہ میری امت میں سے جو

کوئی ایسا شخص مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

دوسری بات جو مبارک حدیث میں بیان ہوئی وہ اپنی زبان پر قابو رکھنا ہے کہ اس طرح دنیوی اور اخروی کامیابی اور خوشی قدم بوس ہوتی ہے۔ بقول شاعر:

زباں	شیریں	ملک	گیری
زباں	ٹیڑھی	ملک	بازکا

مسند احمد اور جامع ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا۔

”نجات کس چیز میں ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنی زبان کے مالک بنو، خانہ نشین ہو جاؤ اور غلطیوں پر آنسو بہاؤ۔“

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اچھی اور میٹھی بات بھی صدقہ ہے۔ زبان کے مُضَرَّات کا بیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن ابوداؤد کی ایک حدیث مبارکہ میں بہت واضح اور واضح انداز میں فرمایا ہے۔ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سخت کلام اور بدمزاج آدمی جنت میں نہ جائے گا۔“

بلاشبہ زبان درازی اور ترش روئی مومن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جانب توجہ دلائی ہے۔ جامع ترمذی اور شعب الایمان بیہقی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کوئی مومن لعنت کرنے والا، طعنہ دینے والا، بے ہودہ کہنے والا اور زبان دراز نہیں ہوتا ہے۔“

گویا یہ اعمال اہل ایمان کے نہیں ہیں اور بھلا کون چاہتا ہے کہ جب وہ دنیا سے

جائے تو اس کا دامن ایمان سے خالی ہو۔

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں اپنی زبان کو قابو میں رکھنے اور پروردگارِ عالم کو ہر اعتبار سے اپنا رب ماننے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## ایک ظلم دوسرے ظلم سے کم تر ہوتا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت اتری ”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ کیا“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم نہیں کیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ”یقیناً شرکِ ظلمِ عظیم ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں ظلم کے بارے میں تعلیم اور صراحت فرمائی گئی ہے اور اس کی وضاحت کے لیے قرآن حکیم کی دو آیات مبارکہ بھی بیان ہوئی ہیں۔ ظلم ایک معنی خیز لفظ ہے۔ کسی شے کو اس کی مخصوص جگہ پر نہ رکھنا یا نہ رہنے دینا ظلم کہلاتا ہے۔ حق تلفی کو بھی ظلم کہتے ہیں اور وہ شخص ظالم ہے جو کسی کا حق تلف کرے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ظلم کی تشریح اور بیان موجود ہے۔

مذکورہ حدیث مبارکہ میں جس آیت مبارکہ کے نزول کا ذکر ہو رہا ہے وہ سورہ انعام کی آیت ۸۲ ہے۔ ابن کثیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے

”جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑی مشکل آن پڑی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ بھلا کون ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو اور اپنے ایمان کو آلودگی سے بچالیا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد وہ گناہ ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو

نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا یہ بڑا بھاری ظلم ہے۔“

اور شرک یعنی ظلمِ عظیم سے متعلق مذکورہ آیت سورہ لقمان کی آیت ۱۳ ہے۔ سورہ بقرہ

میں ہے

”پھر ہم نے آدم سے کہا تم اور تمھاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں

بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔“

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا سبب ہو گا۔“

ظلم کی اصطلاح اسلامی فکر و عمل میں وسیع معانی و مفاہیم کی حامل ہے اور اس کا

اطلاق بہت سے معاملات میں ہوتا ہے بلکہ زندگی کے جملہ معاملات پر محیط ہے مثلاً

مساجد میں عبادت کرنے سے روکنا اور مساجد ویران کرنا ظلم ہے۔ اللہ کے دین

(اسلام) کو چھوڑ کر دیگر مذاہب و افکار کی پیروی بھی ظلم ہے۔ عدل و انصاف کے

معاملے میں اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ دینا بھی ظلم ہے۔ اللہ پر بہتان لگانا،

آیات الہی کو جھٹلانا اور ان پر نکتہ چینی تو سب سے بڑا ظلم ہے اور اس کا مرتکب سب

سے بڑا ظالم ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

”ظلم سے بچو کیوں کہ قیامت کے دن یہ بہت سی ظلمتوں کا سبب ہو گا اور بخل

سے بچو کیوں کہ بخل نے تم سے پہلوں کو ہلاک کیا۔ اسی کی وجہ سے انھوں نے

خون بہائے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر لیا۔“

نافرمانی بھی ظلم ہی کے زمرے میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل بھی دیتا رہتا

ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا

نہیں۔“

جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ تین بڑے اور بنیادی حقوق تلف کرتا

ہے۔

اول: اللہ کا حق کیوں کہ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے۔  
دوم: ان تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس نے نافرمانی کا مرتکب ہونے میں استعمال کیا یعنی اس کے جسمانی اعضاء، اس کے ہم معاشرت افراد، وہ اشیاء جو استعمال ہوئیں نیز وہ فرشتے جو اس کے ارادے کی تکمیل کا انتظام کرتے ہیں اور سوم: خود اپنا حق کیوں کہ اس پر اس کی ذات کا یہ حق ہے کہ وہ اسے تباہی سے بچائے مگر نافرمانی کر کے جب وہ اپنے آپ کو اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے تو دراصل وہ خود پر ظلم کرتا ہے۔

قرآن کریم میں گناہ کے لیے جا بجا ظلم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی ذات اور اپنی ذات سے بڑے جملہ افراد کے معاملے میں گناہ یعنی ظلم سے باز رہنا چاہیے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو؛ آبروریزی کر کے یا اور کسی طرح تو وہ آج اس سے بری ہو جائے۔ اس دن سے پہلے جب کہ اس کے پاس نہ اثرنی ہوگی نہ روپیہ۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کی مقدار کے موافق لے لی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر لادے جائیں گے۔“

لہذا جس آدمی پر کسی مسلمان کے ظلم کا بدلہ واجب ہو تو چاہیے کہ یہاں معاف کرالے اس سے پہلے کہ وہ وقت آجائے جب دینے کے لیے کچھ بھی نہ ہو بدلے میں نیکیاں دینی پڑیں یا نیکیاں کم یا ختم ہو جائیں تو اس کے گناہ قبول کرنے پڑیں۔ یاد رکھیے! ظلم اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے اور مذکورہ حدیث میں شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ

کون سا ہے؟ فرمایا ”تُو اللہ کا شریک ٹھہرائے جس نے تجھے بلا شرکت غیرے پیدا کیا ہے۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ظلم کی جملہ اقسام یعنی چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## اہل یمن اور مصافحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَآءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

سنن ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اہل یمن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اہل یمن تمہارے پاس آئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مصافحہ کو متعارف کروایا۔“

متذکرہ حدیث مبارکہ میں مصافحہ کرنے والے ابتدائی لوگوں اور ان کے اس عمل کی پسندیدگی کی جانب واضح اشارہ موجود ہے۔ دینی شعائر اور امور کی انجام دہی کے حوالے سے بہت سی اصطلاحات عام ہیں جیسے فرض، سنت، واجبات و مستحبات وغیرہ۔ فرض کی اصطلاح دین کے ان کاموں کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کے کرنے کا حکم سختی سے دیا گیا ہو اور جن کا کرنا لازمی ہو۔ جن کے انکار پر کفر لازم آتا ہے جب کہ نہ کرنے پر سزا اور مہزنی پر جزا ملے گی۔ حنفی فقہاء کے مطابق فرض وہ کام ہے جو دلائل قطعیہ یعنی قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہو نیز جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔ سنت کا مطلب طریقہ، سیرت یا راستہ ہیں۔ اصطلاحی طور پر سنت اس طریق کار کو کہا جاتا ہے جو حضور اکرم ﷺ نے رائج فرمایا، اس طریق کار کا ثبوت قرآن مجید کی کسی آیت سے ہو یا آپ ﷺ کی کسی حدیث سے یا خلفائے راشدین کے طریقے سے۔ شرعی اصطلاح میں سنت کا لفظ بغیر کسی قید کے استعمال ہو تو اس سے مراد وہ امور ہوتے ہیں جن کا نبی مکرم ﷺ نے حکم دیا ہو یا ان سے منع فرمایا ہو (قولاً یا فعلاً) اور وہ امور ایسے ہوں کہ قرآن مجید میں ان کی وضاحت نہ ہوئی ہو۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے قول و فعل



کے ذریعے جو امور قرآن مجید کے علاوہ ثابت ہوں وہ سنت ہیں۔

واجب ایک عربی اصطلاح ہے جس سے فقہ میں وہ کام مراد ہیں جن کا کرنا ضروری ہو۔ یہ فرض اور نفل کی درمیانی شکل ہے۔ نفل کے برعکس اس کے نہ کرنے پر گناہ ہوتا ہے مگر فرض کاموں سے کم۔ فرض کا انکار کفر والحاد ہے لیکن واجب سے انکار میں ایسا درجہ نہیں ہے۔ اصطلاح فقہ میں مستحب اس عمل کے لیے کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

مصافحہ بھی ایسا ہی ایک مسنون اور مستحب عمل ہے جسے نبی مکرم ﷺ نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ سلام اور مصافحہ کی بابت بہت سی احادیث ملتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس دور و نزدیک سے مختلف وفود حاضر ہوتے رہتے تھے اور متذکرہ حدیث میں نہ صرف اہل یمن کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ یہ بات بھی واضح فرمائی ہے کہ مصافحہ کا رواج پہلے پہل اہل یمن ہی میں تھا اور انھوں نے ہی اسے آگے متعارف کرایا ہے اور اہل یمن کے اس عمل کی جانب توجہ کرانے کا مطلب اس عمل کے بارے میں پسندیدگی کی واضح مثال ہے۔ دیگر احادیث میں بھی سلام و مصافحہ کے بارے میں آپ ﷺ کے پُر نور ارشادات موجود ہیں۔ جامع ترمذی کی ایک حدیث پاک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بیٹا! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ تمہارے لیے بھی باعث برکت ہوگا اور تمہارے گھر والوں کے لیے بھی۔“

صحیح مسلم کی ایک حدیث پاک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تم جنت میں نہیں جاسکتے تا وقتیکہ پورے مومن نہ ہو جاؤ اور یہ ممکن نہیں جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے۔“ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت اور یگانگت پیدا ہو جائے (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔“

اسی طرح جامع ترمذی کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے۔

”میں نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے سنا ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے جب کوئی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا جھک جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کیا تو کیا لپٹ جائے اور بوسہ لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اس کا ہاتھ تھام لے اور مصافحہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔“

مصافحہ کے بارے میں جامع ترمذی اور سنن ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔“

گویا مصافحہ ایک ایسا عمل ہے جو سلام کے عمل کو مکمل کرتا ہے۔ جو فیوض و برکات ہمیں باہم السلام علیکم سے حاصل ہوتی ہیں اور مصافحہ بھی کر لیا جائے تو ان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں سلام و مصافحہ کو عام کرنے اور اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## دنیا سے بے رغبتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

”لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو دنیا (کی محبت) کو سب سے  
زیادہ چھوڑنے والا ہو۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں بنیادی طور پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا  
سے بے رغبتی کی تعلیم فرمائی ہے اور ایسے شخص کو ذہین و فہیم اور عقل مند کہا ہے جو دنیا کو  
ترک کرنے والا ہے۔ گویا انسان جسے اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم سے نواز کر اشرف المخلوقات  
کے درجے پر پہنچا دیا۔ وہ اپنے لیے دنیا اور آخرت میں سے یقیناً کسی ایک کی طلب کرتا  
ہے۔ جو شخص دنیا کا خواہش مند ہو اسے دنیا دے دی جاتی ہے اور جسے آخرت کی تمنا ہو  
اسے آخرت سے نواز دیا جاتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۸ اور ۱۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد  
فرماتا ہے:

”جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے

ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا)

مقرر کر رکھا ہے اور (اللہ کی بارگاہ سے) راندہ ہو کر داخل ہو گا اور جو شخص

آخرت کا خواست گار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ

مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔“

انسان کس طرح ساری زندگی مال و متاع جمع کرنے اور خوبصورت و دیدہ زیب

عمارتیں بنانے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے تعیش کو حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی زندگی کو معروف شاعر خواجہ میر درد نے ایک خواب سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ آپ نے فرمایا:

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا  
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

خواب و خیال کی اس جنت میں دل لگانا محض خسارہ ہی خسارہ ہے۔ رب العالمین نے سورۃ العصر کے آغاز میں زمانے کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ انسان خسارے میں ہے۔ دنیا سے لونہ لگانا اسے ٹھکرانا اور ترک کرنا ہی انسان کی اخروی زندگی کی کامیابی ہے۔ ایمان والوں کا دل دنیا میں لگتا ہی نہیں ہے وہ تو دنیا میں گھٹن محسوس کرتے ہیں اور دنیا کے اس قید خانے سے آزادی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔“

مال و دولت اور آل اولاد انسان کو ابتلا و آزمائش میں ڈالنے اور دنیا کو پرکشش بنانے والی ہیں جب کہ نیک اعمال و افعال اخروی زندگی میں کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار کرنے والے ہیں۔ سورۃ کہف آیت ۴۶ میں اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے:

”مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔ اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔“

جیسے جیسے تحقیق کے میدان میں ترقی ہو رہی ہے۔ کائنات کے سربستہ رازوں سے پر وہ اٹھ رہا ہے۔ انسان اسی کے سحر میں گرفتار ہوتا جا رہا ہے جب کہ رب کائنات نے اس کو محض کھیل تماشا ہی کہا ہے۔ سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشا ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔“ بقول شاعر:

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے  
یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے  
نبی مکرم ﷺ کو اپنے ہر ہر امتی سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ اپنی حیات  
مبارکہ کے عملی نمونے اور ارشاداتِ نورانی سے ان کی زندگیاں منور کرنا چاہتے تھے۔ یہ  
سرمایہ ہدایت آج بھی موجود ہے اور ہر امتی کے لیے خیر کی راہوں کا تعین کر رہا ہے۔  
حدیثِ مذکور میں آپ ﷺ نے ترکِ دنیا کرنے والے کو ذہین و فہیم بیان فرمایا ہے۔ اس  
کے علاوہ بھی متعدد احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم ملتی ہے۔ شعب  
الایمان بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا:

”جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان  
کرے گا اور جو کوئی آخرت کو اپنا محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان  
کرے گا۔ پس فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت  
اختیار کرو۔“

بلاشبہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک کو پانے کے لیے دوسرے کو  
ضرور نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فانی دنیا کی محبت سے محفوظ و مامون فرمائے اور آخرت کی فکر  
اور محبت سے نوازے تاکہ ہم ترکِ دنیا کرتے ہوئے آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر  
کریں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## غضب و خیانت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

مسلم شریف کتاب المساقاة میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً (زبردستی) لے گا تو اللہ قیامت کے دن  
سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالے گا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں حق و انصاف سے  
روگردانی کرنے اور زور زبردستی کسی کا حق چھیننے کے حوالے سے سخت وعید بیان ہوئی ہے۔  
تاریخ انسانی گواہ ہے کہ زن، زر اور زمین ایسی چیزیں ہیں کہ جو ازل سے فساد کا سبب  
رہی ہیں اور ان کے حصول کے لیے انسان تمام حدود و قیود پار کر جاتا ہے۔

اسلام ہمیں جو ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے وہ زندگی میں انجام دیے جانے والے ہر  
چھوٹے بڑے عمل کے حساب اور جواب دہی کا مکلف بھی بناتا ہے۔ نہ صرف امانت و  
دیانت اور باہمی محبت و رواداری کی تعلیم دیتا ہے بلکہ خیانت اور غاصبانہ رویوں کی مذمت  
بھی کرتا ہے۔ مسند احمد اور شعب الایمان بیہقی میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی طبیعت و فطرت میں ہر ہر خصلت کی گنجائش  
ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق  
کی جو نشانیاں بیان فرمائی ہیں خیانت بھی ان میں سے ایک ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم  
میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو

اسے پوزانہ کرے اور جب اسے کسی چیز کا امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔“

انسان عام طور پر عورت، دولت اور زمین جائداد کے حوالے سے ہوس کی گرفت میں رہتا ہے اور جب یہ ہوس بڑھتے بڑھتے انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی دنیا اور آخرت برباد کر دیتی ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ میں غاصبانہ انداز میں صرف بالشت بھر زمین کے ہتھیانے پر سات زمینوں کے طوق کو گردن میں ڈالنے کی وعید ہے۔ غور فرمائیے کہ بالشت بھر زمین کی حقیقت ہی کیا ہے۔ چار دن کی یہ زندگی اگر ہم ظلم اور زور و جبر کے ساتھ گزاریں گے تو ہمیشہ رہنے والی زندگی کو اذیت ناک بنا لیں گے۔ ہماری اخروی زندگی بہت تلخ اور تکلیف دہ ہوگی جب کہ ہم اہل ایمان کی زندگی تو درحقیقت آخرت ہی کی زندگی ہے۔ کون ہے جو جنت میں جانا نہیں چاہتا لیکن غور فرمائیے کہ کیا ہم دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول میں سنجیدہ ہیں۔ اگر ہاں تو پھر اپنے اعمال کی درستگی اور اصلاح کی فکر کیوں دامن گیر نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو واجب کر دیا ہے اور جنت اس پر حرام کر دی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہی ہو؟“ فرمایا: ”اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔“

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

”پس تم لوگ اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کرو۔“

اور اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھائی کی کوئی چیز کسی شخص کے لیے اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ خوش دلی کے ساتھ نہ دے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا سبب ہوگا۔“

بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو، آبروریزی کر کے یا کسی اور طرح تو وہ آج اُس سے بری ہو جائے۔ اُس دن سے پہلے جب کہ اس کے پاس نہ اشرافی ہو گی نہ روپیہ (مراد مال و دولت)۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کی مقدار کے موافق لے لی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر لادے جائیں گے۔“

نبی مکرم ﷺ کے ان ارشادات مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم ظلم و جبر سے باز رہیں، غاصبانہ انداز اور روش چھوڑ دیں اور اس طرح نہ صرف اپنی دنیا بلکہ آخرت کو بھی سنوارنے کا اہتمام کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ظلم و جبر اور غصب سے باز رہنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ





## غصب کے بارے میں اسلامی تعلیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

جامع ترمذی کی حدیث مبارکہ ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اہل ایمان کے لیے اس حدیث پاک میں انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں میں سے نہیں ہے۔ غور کیجیے کہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سے الگ اور دور فرما دیا وہ کس قدر محروم اور بد بخت ہے۔

جب ہم انسانی معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو انسانی معاشرے میں یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ پروردگار عالم نے انسانوں کی فطری ساخت ایسی رکھی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے شب و روز گزارنے کے لیے باہمی معاونت اور معاملاتی لین دین کے محتاج ہیں۔ مثلاً ایک مزدور ہی کو لیجیے، وہ دن بھر محنت مشقت کرتا ہے اور گزر اوقات کے لیے صبح سے شام تک مزدوری کر کے کچھ پیسے کماتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ پیسے چبا کر تو پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اس مقصد کے لیے اسے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو پیسوں کے عوض اسے کھانے پینے کی اشیاء دے سکے۔ اسی طرح مزدور اور کاشت کار دونوں ہی کو ضرورت پڑتی ہے ایسے شخص کی جو ان کے تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا تیار کر سکے۔ جب کوئی شخص رہنے کے لیے مکان تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اسے اینٹ، سیمنٹ اور معمار و مزدور درکار ہوں گے یا اگر کبھی اتفاقاً کوئی بیمار ہو جائے تو اسے حکیم و ڈاکٹر سے رجوع کرنے اور دوا کی

دکان سے دوا خریدنے کی ضرورت پڑے گی۔ غرض یہ کہ مختلف اشیا کی خرید و فروخت، محنت مزدوری اور تجارتی مبادلہ یا صنعت و زراعت اور معاشی معاملات اس دنیا میں انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انسان باہمی معاملات سنبھالنے کے لیے کرتے ہیں تو آپس میں اختلاف بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ تنازعات کی صورت بھی ہو سکتی ہے اور ان کے حل کے لیے عدل و انصاف اور دستور و قانون کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ یہ نہ کوئی فلسفہ ہے اور نہ منطق کا مسئلہ بلکہ زندگی کی ایسی حقیقتیں ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے۔

خالق کائنات نے انسانی ضروریات و احتیاجات کے پیش نظر روزِ ازل ہی سے انبیاء علیہم السلام کی صورت میں ہدایت و رہبری کا سامان فرمایا اور یہ سلسلہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تک آتا ہے۔ اس سلسلے کے توسط سے مالک و معبود کی ذات و صفات، توحید و آخرت اور ایمان و یقین کی بابت رہبری کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاق و معاشرت، صنعت و تجارت، محنت مزدوری اور معاشی معاملات کے بارے میں بھی انسانوں کی رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ یہ اصول اور طریقے نہ صرف انسانی عظمت و شرافت سے مطابقت رکھتے ہیں بلکہ ان میں انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح و کامرانی کا سامان موجود ہے۔

متذکرہ حدیث مبارکہ میں کسی کی چیز کو غضب کرنے کی بابت رہبری فرمائی گئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت میں اسے خرید و فروخت یعنی بیع و شرا کہا جاتا ہے اور اگر اجرت، کرایہ یا معاوضہ دے کر کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کر کے واپس لوٹا دی جائے تو اصطلاح میں اسے ”عاریت“ کہتے ہیں اور یہ سب صورتیں جائز اور درست ہیں لیکن اگر کسی کی کوئی مملوکہ چیز اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طریقے سے حاصل کی جائے تو شرعی اصطلاح میں اسے ”غصب“ کہتے ہیں اور اس بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات کتبِ احادیث کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ

کو واجب کر دیا ہے اور جنت اس پر حرام کر دی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہی ہو۔ فرمایا: ”اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔“

غرض یہ کہ غضب کے حوالے سے انتہائی سخت وعیدیں ملتی ہیں جن کی تفصیل کے لیے یہ محدود وقت انتہائی ناکافی ہے۔  
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی کی چیز غضب کرنے سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## ایفائے عہد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ  
 صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”مجھے محض اس امر نے غزوہ بدر میں شرکت سے باز رکھا کہ میں اور ابو حسیل ہجرت کی غرض سے نکلے۔ ہمیں راستے میں قریش کے کفار نے گرفتار کر لیا۔“  
 کفار قریش نے کہا ”کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے جا رہے ہو؟ ہم نے جواب دیا ”ہم ان سے ملنے کے لیے نہیں بلکہ ویسے مدینہ جانا چاہتے ہیں۔“  
 انھوں نے ہم سے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر عہد لیا کہ ہم مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور انھیں سارا قصہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم چلے جاؤ، ہم ان کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کریں گے اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں کفار و مشرکین سے ایفائے عہد کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایفائے عہد سے مراد وعدے یا عہد کا پورا کرنا ہے اور اسلام میں ایفائے عہد اور وعدہ پورا کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

” (اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر (بھی ہے لوگوں سے بیان) کر کہ وہ وعدے کے بڑے سچے تھے اور (ہمارے) بیچے ہوئے

پیغمبر تھے۔“ (۱۹-۵۴)۔

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ پر ایک نظر ڈالیے تو ایفائے عہد کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ مشرکین مکہ کے ساتھ آپ ﷺ کے ایفائے عہد کا حال یہ تھا کہ غزوہ بدر میں گو کہ مسلمانوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی مگر انہوں نے نہایت کسمپرسی اور بے سروسامانی کے عالم میں بھی محض اللہ کے بھروسے پر لڑائی میں شرکت کی مگر وہ مضبوط ایمان سے متصف اور بلند سیرت و کردار کے حامل تھے جس کا اندازہ مذکورہ واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو ”یوم الفرقان“ قرار دیا یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا دن۔

قرآن حکیم کی سورۃ المائدہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اے ایمان والو! اپنے اقراروں (وعدوں) کو پورا کرو۔“

اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۴ میں رب العالمین کا ارشاد پاک ہے:

”اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔“

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے جو ایفائے عہد کی اہمیت کو بہت عمدگی

سے واضح کرتا ہے۔ عبداللہ بن ابی الحسام سے روایت ہے۔

”میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے آپ کی بعثت سے پہلے ایک چیز

خریدی تھی اور بیع کی کچھ قیمت میرے ذمے رہ گئی تھی۔ میں نے

آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ باقی قیمت اس جگہ حاضر کرتا ہوں اور تین روز

کے بعد وعدہ یاد آیا (گیا تو دیکھا) آپ ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے ہیں۔

(مجھے دیکھ کر) فرمایا: ”عبداللہ تو نے مجھے سخت تکلیف دی ہے۔ میں تین روز

سے اسی جگہ بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

اس ایک مختصر سے واقعے پر غور فرمائیے تو بلاشبہ ایفائے عہد کی روشنی سے ہمارے

قلب و ذہن منور و روشن ہو جائیں گے اور ہم اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہو سکیں گے۔

ایفائے عہد سے متعلق یہ تعلیم صرف مسلمانوں کے مابین ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں سے کیے

گئے وعدے کا پاس بھی آپ ﷺ کی تعلیم کا حصہ ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ میں کفار و مشرکین سے صحابہ کرام کے اُس عہد کا ذکر ہے کہ کفار نے کس طرح ان صحابہ کرام سے یہ عہد لیا کہ وہ مدینے پہنچ کر حضور ﷺ کا ساتھ دیتے ہوئے اُن سے برسرِ پیکار نہیں ہوں گے اور جب یہ واقعہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو نبی پاک ﷺ نے انھیں ایفائے عہد کی تعلیم دی۔

عام زندگی میں لوگوں کو یہاں تک کہتے سنا گیا ہے کہ وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا اور وہ قرض ہی کیا جو ادا ہو گیا۔ یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور جاہلانہ گفتگو ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں ایفائے عہد کے حوالے سے بہت سختی کے ساتھ یوں تاکید فرمائی ہے کہ لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ یعنی جو وعدہ پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اندازہ کیجیے جسے نبی پاک ﷺ بے دین کہیں اور گویا اسلام سے خارج کر دیں اس کے لیے پھر دنیا اور آخرت میں کیا رکھا ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب کسی چیز کا امین بنا دیا جائے تو خیانت کرے۔ اسی طرح ترمذی شریف کی ایک حدیث مبارکہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”تُو اپنے بھائی سے جھگڑا مت کر اور نہ اس سے (اس درجہ) مزاح کر جس سے اسے تکلیف ہو اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جسے پورا نہ کر سکے۔“

تاہم مجبوری کی حالت میں قدرے رعایت کی گنجائش ہے جسے سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کوئی شخص اپنے بھائی سے کوئی وعدہ کرے اور اسے پورا کرنے کا ارادہ ہو لیکن کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر سکے یا مقررہ وقت پر نہ کر سکے تو اس پر کوئی

گناہ نہیں۔“

لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ ہم بڑھ چڑھ کر وعدے معاہدے کرنے لگیں اور مختلف حیلے بہانے اختیار کر کے ایفائے عہد کی اہمیت کو فراموش کر دیں۔  
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایفائے عہد کے حوالے سے نبی مکرم ﷺ کی نورانی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## دوستی کے اثرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَآءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

مشکوٰۃ شریف باب الحب میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک عنبر اٹھانے والے اور لوہار کی بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے۔ مشک عنبر والا یا تو تمھیں کچھ دے دے گا یا تم اس سے کچھ خرید لو گے یا (کم از کم) تم اس کے ہاں خوشبو سونگھ لو گے (لیکن) بھٹی دھونکنے والا تو تمھارے کپڑے جلادے گا یا تم اس کے ہاں دماغ کو سڑا دینے والی بدبو پاؤ گے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی زندگی پر اچھے اور برے اثرات الیٰہی مرتب ہوتے ہیں اس لیے ہمیشہ دوستی کے لیے نیک و صالح اور پاکیزہ سیرت و کردار کے حامل افراد کا انتخاب کرنا چاہیے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے لوہار کی بھٹی اور خوشبو بیچنے والے سے تشبیہ دیتے ہوئے دوستی کے اثرات و مضمرات کو بہت عمدگی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق سے بے انتہا پیار کرتا ہے وہ بھی قدم قدم پر انسانوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ قرآن کریم ایسا کامل دستور حیات اور انبیائے کرام کو مبعوث فرمانا اسی پہلو کی عکاسی کرتے ہیں۔ دوستی کے حوالے سے قرآن کریم میں جا بجا رہنمائی کی گئی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۴۴ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

”اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو



کہ اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو؟“  
بلکہ سورۃ المائدہ آیت ۵۱ میں اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ رہنمائی ملتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

انسانی فطرت ہے کہ جب وہ اپنا کوئی دوست اور ساتھی بنا لیتا ہے تو اس سے دل کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ راز و نیاز کا تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے اسے رازدار بنا لیتا ہے۔ حد اعتدال سے آگے نکل جاتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ آج کا دوست کل کا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اپنے دوست کی دوستی کو حد سے نہ بڑھاؤ کیوں کہ ممکن ہے کہ کبھی تمہاری اور اس کی ان بن ہو جائے اور دشمن سے بغض اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اندازے سے نہ بڑھ جائے کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ کبھی تمہارا دوست ہو جائے۔“

دوست کو رازدار بنانے کے حوالے سے سورہ آل عمران آیت ۱۱۸ میں اللہ تعالیٰ رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے ایمان والو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیات کھول کھول کر سنادی ہیں۔“

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار سے دوستی کے حوالے سے واضح ارشادات تعلیم فرمائے۔

ہیں۔ سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور مسند دارمی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو مومن کے سوا کسی کو اپنا

دوست نہ بنا اور پرہیزگار کے سوا کسی کو کھانا نہ کھلا۔“

انسانی طبیعت اور مزاج کا بھی عجب حال ہے۔ وہ جیسے حالات سے دوچار ہوتا ہے

بتدریج اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ ماحول کو قبول کر لیتا ہے اور اپنے دوست اور ساتھی کے

طور طریقے اپنانے لگ جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انسان اپنے دوست کا طریقہ اپنا لیتا ہے تو تم دیکھ لیا کرو کہ کس کو دوست بنا

رہے ہو۔“

بزرگ کہتے ہیں ”تخم تاثیر صحبت کا اثر“ اور صحبت و دوستی کے اس اثر کو ہم اپنے

گرد و پیش باسانی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ لوہار کی بھٹی اور خوشبو بیچنے والے کی مذکورہ مثال

ذہن میں رکھتے ہوئے ہم اگر دوست اور ساتھی کا چناؤ کریں تو یقیناً ہر طرح کی خرابی اور

فتنہ انگیزی سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ارشادات اور نبی مکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں

نیک و صالح دوست منتخب کرنے کی توفیق اور عقل نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## دوستی اور قطع تعلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

”میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خفیہ طریقے سے نہیں بلکہ علی الاعلان فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابو قحافہ کی اولاد میرے دوست نہیں ہیں بلاشبہ میرا دوست تو اللہ تعالیٰ ہے اور مومنوں میں سے وہ لوگ ہیں جو نیک ہیں لیکن ان سے (آل ابو قحافہ سے) میری رشتے داری ہے اس لیے میں ان کے ساتھ حسب ضرورت حسن سلوک کرتا ہوں۔“

حدیث مذکور آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں حسن سلوک اور اہل قرابت سے تعلقات کی واضح تصویر موجود ہے۔ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے وہاں مختلف لوگوں سے میل جول اور رشتے ناطوں کے بندھن میں بندھا ہوتا ہے۔ عزیز واقارب اور دوست احباب سے ملتا جلتا اور ان کے غموں اور خوشیوں میں شریک بھی ہوتا ہے۔ قرابت داروں کے بارے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نورانی سے معاشرہ بلاشبہ درخشاں و تاباں اور متور کیا جاسکتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں برکت ہو تو وہ رشتے داروں سے حسن سلوک کرے۔ حسن سلوک کی مزید صراحت فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد مبارک کہ جامع ترمذی میں بھی موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حسن سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت

سمجھو اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو اور یہ بھی کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔

دوستی بھی باہمی تعلق ہی کی ایک مثال ہے اور اس حوالے سے بھی تعلقات اور حسن معاشرت کی تعلیم آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے باسانی مل جاتی ہے۔ مسند داری، جامع ترمذی اور سنن ابو داؤد میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو مومن کے سوا کسی کو دوست نہ بنا اور پرہیزگار کے سوا کسی کو کھانا نہ کھلا۔ گویا تعلق کی بنیاد ہی ایمان کو قرار دیا تا کہ قرابت دار راہ ہدایت سے بھٹکنے کا سبب نہ بن جائے کیوں کہ صحبت کا اثر بھی اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔ اسی لیے سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کر لیتا ہے تو تم دیکھ لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو اور جب کسی سے تعلق قائم ہو جائے تو اس کے بعد حدود و قیود کا بھی حد درجہ خیال رکھنا چاہیے کیوں کہ زندگی میں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اپنے دوست کی دوستی کو حد سے نہ بڑھاؤ کیوں کہ ممکن ہے کہ کبھی تمھاری اور اس کی ان بن ہو جائے اور دشمن سے بغض اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اندازے سے نہ بڑھ جائے کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ کبھی تمھارا دوست ہو جائے۔

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ کا حسب ضرورت حسن سلوک بیان ہوا ہے گویا تمام تر اختلافات کے باوجود بھی صلہ رحمی کی تعلیم ہے اور قطع تعلق سے منع کیا گیا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص قرابت کا پاس نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اس قدر سخت وعید سے حسن سلوک کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔“

حدیث مذکور میں نبی مکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست فرمایا ہے اور ان لوگوں کو بھی دوست کہا ہے جو ایمان والے اور نیک ہیں۔ غور فرمائیے جہاں عام لوگوں اور ایمان والوں سے دوستی اور حسن سلوک کا صلہ درازی عمر اور جنت ہے تو جسے رسول اکرم ﷺ اپنا

دوست کہیں اس کی شان اور عظمت کس درجے ہوگی۔ اگر ہم محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنے کے بجائے خود کو نیکیوں کا خوگر بنا لیں تو دنیا و آخرت کی ساری عظمتیں ہمارے دامن پر خار کو مہکتا گلزار بنا دیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و عمل کی دولت نصیب فرمائے اور ان لوگوں میں ہمارا شمار فرمائے جنہیں نبی مکرم ﷺ نے اپنا دوست فرمایا ہے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## غیبت اور بہتان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول  
زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح  
کرو جو اس کو پسند نہ ہو۔ سوال کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز پائی جاتی  
ہو جو میں کہہ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر اس میں وہ چیز ہو جو تم نے  
کہی تو یہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ چیز نہ ہو جو تم نے کہی تو یہ بہتان ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک سے نہ صرف غیبت کی  
حقیقت معلوم ہوتی ہے بلکہ غیبت اور بہتان کا فرق بھی واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے اور  
یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

پہلی بات جو اس حدیث مبارکہ میں مذکور ہے وہ غیبت سے متعلق ہے۔ غیبت یہ ہے  
کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اس کے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے  
اس کو ناگواری اور اذیت ہو اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔  
چوں کہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے اور اس طرح اس شخص کو نہ  
صرف روحانی تکلیف پہنچتی ہے بلکہ دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے جس کے نتائج بعض  
حالتوں میں بہت خطرناک اور دور رس ہوتے ہیں اس لیے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار  
دیا گیا ہے۔ سورۃ الحجرات کی بارہویں آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور

ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئی بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

”غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیوں کر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔ اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔“

کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے لوگوں ہی سے سرزد ہو سکتی ہے جو محض زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے ذہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے۔ مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور ان کی تشہیر میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیوں کہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔“

سنن ابی داؤد ہی کی ایک اور حدیث میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب مجھے معراج ہوئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ میں نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبت کیا کرتے تھے) اور ان کی آبرو سے کھیلتے تھے۔“

غرض یہ کہ غیبت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھناؤنی بد اخلاقی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

دوسری بات جو اس حدیث پاک میں بیان ہوئی ہے وہ بہتان ہے۔ بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندے کی طرف ایسی کسی برائی اور بد اخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بہتان کے مضمرات کا ذکر آتا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۱۲ میں ارشادِ خداوندی ہے۔

”اور جو شخص کوئی قصور یا گناہ تو خود کرے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو مستہم کر دے تو اس نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔“

سورۃ النور کی گیارہویں آیت میں رب العالمین کا ارشاد پاک ہے:

”جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم میں سے ایک جماعت ہے۔ اس کو اپنے حق میں برانہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لیے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لیے اتنا وبال ہے اور جس نے ان میں سے بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔“

مسند احمد میں حضرت عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اس خواہش اور کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو



بدنام اور پریشان کریں۔

متذکرہ حدیث مبارکہ میں بیان کردہ غیبت اور بہتان کی حقیقت کے حوالے سے کچھ احادیث مقدسہ اور چند آیات قرآنی آپ نے ملاحظہ فرمائیں جن سے اس بات کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے کہ جس قسم کے مفاہد اور جو خطرناک نتائج چغل خوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ سنگین نتائج غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کو انتہائی گناہ اور گندگی کو ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن و احادیث میں اسے نہ صرف گھناؤنے جرم بلکہ گناہ کبیرہ سے تعبیر فرمایا ہے۔  
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔  
آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## انسانوں سے حسن سلوک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
 وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا۔ میں نے پیچھے سے آواز سنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہیے (اور اس بات سے غافل نہ ہونا چاہیے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بے چارے غلام پر ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ فرمانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے اس کو آزاد کر دیا) اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لیے آزاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لیے آزاد نہ کر دیتے) تو:

للفحنتك النار. جس کا ترجمہ ہے:

”جہنم کی آگ تمہیں جلا ڈالتی“

یا فرمایا:

لمستك النار. جس کا ترجمہ ہے:

”جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک سے انسانی حقوق کے ایک اہم پہلو کی وضاحت ہو رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نوع انسان کے ذمے پروردگار کی طرف سے جو حقوق ہیں انہیں بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول حقوق اللہ اور دوم حقوق العباد۔ اپنی عدم توجہی، بے عملی اور لا پرواہی کے سبب انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل ہو چکا ہے۔ بخاری و مسلم شریف میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

پاک ہے:

”تم سب یاد رکھو! تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کے زیر اثر لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ سو حاکم اپنے عوام کا نگران ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق باز پرس ہوگی اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگران ہے اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی اور کسی شخص کا خادم (غلام) اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ خوب یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے زیر اثر لوگوں میں باز پرس ہوگی۔“

متذکرہ حدیث مبارکہ میں غلام کے ساتھ آقا کے ظلم اور اس کے انجام کا ذکر ہے۔ موجودہ دور میں زر خرید غلام کا سلسلہ تو نہیں ہے مگر مالک اور ملازم کے حوالے سے بعض جگہ غلاموں کے دور سے بھی بدتر حالات دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے مناظر دیکھ کر لگتا ہے کہ ہم نے قرآن اور صاحب قرآن کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اب ہم صرف نام ہی کے مسلمان رہ گئے ہیں۔

دنیا میں ہر طرف انسانی حقوق کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ بے شمار انجمنیں اور ادارے اس ضمن میں قائم ہو چکے ہیں مگر معاملہ جوں کا توں ہے۔ ذرا غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق کے تحفظ اور تعین کا آغاز بیسویں صدی میں ہوا۔ پہلی کوشش ”لیگ آف نیشنز“ کے نام سے کی گئی مگر چونکہ اس کی پشت پر کوئی روحانی یا اخلاقی قوت نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں یہ انجمن اپنے ہی اراکین کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ ۱۹۴۵ء میں UNO (اقوام متحدہ) کا قیام عمل میں آیا اور یکے بعد دیگرے دنیا کے بیشتر ممالک اس کے ممبر بن گئے۔ اقوام متحدہ نے جو عالمی منشور مرتب کیا اور انسانی حقوق کی بات کی تو چند باتیں نمایاں رکھی گئیں مثلاً تمام انسان بھائی بھائی ہیں لہذا برادرانہ سلوک ہونا چاہیے۔ کسی انسان کو اس کے خاندان، قوم،

ملک، رنگ، مذہب، جنس یا سیاسی ملک کی بنا پر اس کے حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا یا ہر انسان کو زندہ رہنے اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا یکساں حق حاصل ہے وغیرہ۔ یہ اس بیسویں صدی کی بات ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اس کی عملاً داغ بیل ڈال دی تھی۔ آپ نے ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق ۷ مارچ ۶۳۲ء بروز جمعہ اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق اور امن عالم کے عالمی منشور کا اعلان فرمایا۔ میدانِ عرفات میں اس عظیم منشور کے فوری نفاذ کا اعلان کم و بیش ایک لاکھ کے مجمع عام میں کیا اور ”ایہا الناس“ کے الفاظ سے اس کی ابتدا ہوئی۔ مختلف کتب میں اس منشورِ عظیم کی وضاحتیں موجود ہیں مثلاً مسند احمد میں ہے۔

”لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بلاشبہ تم سب کا باپ ایک ہے۔ یاد رکھو کہ کسی عربی کو غیر عرب پر اور غیر عرب کو عربی پر اسی طرح کسی سرخ کو سیاہ فام پر اور کسی سیاہ رنگت والے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر ہے تو صرف نیکی اور پرہیزگاری سے۔“

طبقات ابن سعد میں ہے۔

”غلاموں کا خیال رکھو جو خود کھاؤ انہیں کھلاؤ جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔“ صحیح مسلم میں ہے۔

”آج دورِ جاہلیت کے تمام خون ختم کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ کے بیٹے کا معاف کرتا ہوں۔“ آج زمانہ جاہلیت کے تمام سود بھی ختم کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔“ صحیح مسلم اور طبرانی میں ہے ”عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو بیشک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔“ بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں ارشاد ہے:

”تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر تا قیامت اس طرح حرام ہے جیسے آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر قابلِ حرمت ہیں۔“

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترقی کی اعلیٰ منازل طے کرنے کے بعد اقوامِ عالم جس مقام پر پہنچی ہیں اس سے بہتر ابتدا ”اور کامیاب کوشش“ صدیوں پہلے داعیِ حق ﷺ فرما چکے تھے۔ ایک انسان پر دوسرے انسانوں کے فرائض کے حوالے سے جو پہلو اہم ترین ہیں ان میں خدمتِ خلق، دوسروں کی حفاظت، دوسروں کے لیے پسند، انسانوں پر رحم و کرم اور نفع رسانی شامل ہیں۔

متذکرہ حدیث کی وضاحت میں حسنِ سلوک اور رحم و کرم کے حوالے سے بے شمار ارشاداتِ نبوی ﷺ اور وضاحتیں ہیں مگر پروگرام کا وقت ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ترمذی اور نسائی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ بِلِسَانِهِ وَيَدِهِ.  
یعنی ”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے۔“

اگر کوئی طاقتور شخص اپنی طاقت کے زعم میں کسی پر ظلم کرتا ہے تو اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ سب سے بڑا طاقتور اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی قدرت و طاقت ہر شے پر محیط ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”رحم کرنے والا اللہ ان پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں لہذا جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“

ابوداؤد اور ترمذی کی اس حدیثِ مبارکہ کو الطافِ حسینِ حالی نے کس عمدگی سے بیان کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر  
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا ہے۔“

اور بیہقی کے اس ارشادِ نبوی ﷺ پر تو بات انتہائی واضح ہو جاتی ہے کہ مخلوق اللہ کا

کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین انسان وہ ہے جو اس کے کنبے کے لیے سب سے

زیادہ نفع رساں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ظلم و ستم سے باز رکھے اور تمام انسانوں کے ساتھ محبت، شفقت اور رحم کے ساتھ پیش آنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



اور  
سلیک  
بے  
دوایم  
مختصراً  
پ  
بے  
مزن  
تخلیگر  
کو بیانی

## مسائے اور مہمان کی عزت و تکریم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ  
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہمسائے  
کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے  
کہ مہمان کا احترام کرے اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے  
چاہیے کہ اگر بولے تو بھلائی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس میں اہل ایمان کے کچھ اوصاف بیان  
ہوئے ہیں جن کا تعلق ہمسائے، مہمان اور اپنی گفتار و کردار سے ہے۔ جب ہم اسلام اور  
مسلمان کی بات کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے بغیر مسلمان کا تصور  
بے معنی ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اوصاف کا ذکر متذکرہ حدیث مبارکہ میں فرمایا ہے  
وہ ایمان کا حصہ ہیں۔ بیان کردہ پہلوؤں کی تفصیل تو اس مختصر سے وقت میں ممکن نہیں البتہ  
مختصر اظہار پیش خدمت ہے۔

پہلی بات جو اس حدیث پاک میں ایمان کا حصہ قرار پائی وہ ہمسائے کو تکلیف نہ دینا  
ہے۔ ایک وقت تھا کہ لوگ ”ہم سایہ ماں جایا“ کی مثال دیتے تھے اور پڑوسیوں کو نہ  
صرف جان سے زیادہ عزیز رکھتے بلکہ ان کے دکھ درد اور ضروریات کا حد درجہ خیال کرتے  
تھے لیکن افسوس کہ رفتہ رفتہ ہم مادہ پرستی کے اس دور میں داخل ہو چکے ہیں کہ جہاں بھائی  
کو بھائی کی پروا نہیں ہے کجایہ کہ ہمسائے کی تکلیف اسے بے چین کر دے۔ پروردگارِ عالم

نے سورۃ نساء کی آیت ۳۶ میں رشتے دار ہمسائے اور اجنبی ہمسائے کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔“

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کون شخص یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔“

جب کہ مسلم شریف کی ایک حدیث مبارکہ میں ایسے شخص کو جنت سے محروم بیان فرمایا ہے۔ دوسری بات جو مذکورہ حدیث میں ایمان کا حصہ قرار پائی ہے، وہ مہمان نوازی ہے۔ مہمان بلاشبہ اللہ کی رحمت ہوتا ہے مگر اس ضمن میں واضح تعلیمات موجود ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، خاطر مدارات کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور مہمان کی ضیافت کی مدت تین دن اور تین رات ہے۔ اس کے بعد مہمان نوازی صدقہ و خیرات ہے اور مہمان کو چاہیے کہ وہ اپنے میزبان کے یہاں اتنے زیادہ عرصے تک نہ ٹھہرے کہ وہ تنگ آجائے۔“

عزت و تکریم کے حوالے سے سنن ابن ماجہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد مبارک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ سنت ہے کہ آدمی اپنے مہمان کا استقبال دروازے سے باہر نکل کر کرے یا رخصت کے وقت گھر کے دروازے تک پہنچائے۔“

تیسری بات جسے ایمان کا حصہ بتایا گیا وہ زبان کا استعمال ہے۔ ”زبان شیریں ملک



گیری، زباں ٹیڑھی ملک بائکا“ کی بابت تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اچھی اور ٹیڑھی بات بھی صدقہ ہے۔“

مسند احمد اور جامع ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے۔

”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ نجات کس چیز میں ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کے مالک بنو، خانہ نشین ہو جاؤ اور غلطیوں پر آنسو بہاؤ۔ سنن داری میں حضرت کثیر بن مرہؓ سے ایک روایت بیان ہوئی ہے جس میں نبی محترم ﷺ نے گفتگو کے آداب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

”داناؤں کے سامنے بے سرو پا بات نہ کرو ورنہ وہ خفا ہو جائیں گے۔ کم عقل سے اونچی بات نہ کرو ورنہ وہ تمہاری تکذیب کرے گا۔ علم کے اہل کو علم سے محروم نہ رکھو یہ معصیت ہے۔ نا اہل سے علمی گفتگو نہ کرو وہ تمہیں ہی جاہل کہے گا۔ علم ہو یا دولت تم پر دونوں ہی کے کچھ حقوق ہیں۔“

متذکرہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں بد زبانی و بد کلامی یا لعن طعن وغیرہ کے مقابلے میں خاموش رہنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ شعب الایمان بیہقی اور جامع ترمذی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی مومن لعنت کرنے والا، طعن دینے والا، بے ہودہ کہنے والا اور زبان دراز نہیں ہوتا ہے۔“

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رب العالمین نے قَوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا یعنی جب بولو تو اچھے انداز سے گفتگو کرو ایسا ارشاد فرما کر حجت تمام کر دی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی مکرم ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کے مبارک ارشادات پر دل کی گہرائیوں سے عمل کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## امارت و حکومت باعثِ ندامت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ  
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

صحیح بخاری کتاب الاحکام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عنقریب تم امارت و حکومت کے حریص ہو جاؤ گے لیکن وہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگی۔ دودھ پلانے والی کیا ہی خوب ہے اور دودھ چھڑانے والی کیا ہی بری ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں حکومت اور عہدوں کی طلب پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے اور دودھ پلانے والی اور دودھ چھڑانے والی سے مراد حکومت کے ملنے اور ہاتھ سے جاتے رہنے ہی کی طرف اشارہ ہے۔

انسان فطری طور پر خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے اور اسی احساس سے مغلوب ہو کر وہ حرص و ہوس کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ طاقت اور جاہ و منصب کی طلب کرنے لگتا ہے اور اقتدار کے خواب دیکھنا اسے بہت اچھا لگتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ذرائع اسے حکومت و امارت کی دلہیز تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس کی یہ کامیابی درحقیقت اس کی ناکامی ہے کیوں کہ کل روز محشر اسے سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی کہ انسان اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے زندگی کے شب و روز گزارتا اور خاک چھانتا ہے۔ طویل جدوجہد کے بعد اپنے مقصد کو پالنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے مگر کچھ ہی دنوں میں اسے بیزاری کا احساس گھیر لیتا ہے۔ کل تک وہ اپنے جس محبوب مقصد کو پالنے کے

لیے دیوانہ وار کوششوں میں مصروف تھا اب اسے پالینے اور زندگی کا حصہ بنا لینے کے باوجود تسکین نہیں پاتا اور پچھتا رہتا ہے کہ کاش وہ ایسا نہ کرتا۔ پھر وہ اس سے دامن چھڑانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور بسا اوقات ناکام ہی رہتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

”خود حکومت کی طلب و خواہش نہ کرنا کیوں کہ اگر تمہیں تمہاری خواستگاری پر حکومت ملے گی تو تم کو حکومت میں تنہا چھوڑ دیا جائے گا اور اگر بغیر خواستگاری کے ملی تو (اللہ کی طرف سے) تمہاری مدد کی جائے گی۔“

گویا مختلف حیلے، بہانے اور ذرائع استعمال کر کے کوئی عہدہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوگئی تو بھی درحقیقت یہ کامیابی خیر کا باعث نہ ہوگی۔ عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد اور نصرت حاصل نہ ہو سکے گی اور یوں اسے تنہا چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی عہدہ اور منصب بغیر طلب کے حاصل ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ ایسی صورت میں عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور مدد بھی حاصل ہوگی یوں کامیابی و کامرانی دنیوی اور اخروی اعتبار سے قدم بوس ہوگی اور شرمندگی و ندامت سے بھی نجات حاصل ہوگی۔

آپ جانتے ہیں کہ ساری کائنات کی بادشاہی اور حکمرانی اللہ رب العزت ہی کے شایان شان ہے مگر دنیا میں وہ جسے چاہتا ہے، یہ بادشاہی اور حکومت عطا فرماتا ہے اور جسے وہ حکومتی عہدوں یعنی بادشاہی سے نوازتا ہے بلاشبہ اسے عزت و وقار بھی نصیب ہوتا ہے اور کامیابی و کامرانی بھی۔ سورہ آل عمران آیت ۲۶ میں ارشاد خداوندی ہے:

”کہو کہ اے اللہ (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور

جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے

ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر

قادر ہے۔“

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے دو افراد کو لے کر حاضر ہوا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں کہیں کا عامل بنا دیجیے اور دوسرے صاحب نے بھی یہی خواہش ظاہر کی۔ اس پر سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ہم ایسے شخص کو یہ ذمہ داری نہیں سونپتے جو اسے طلب کرے اور نہ اسے دیتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔

نبی مکرم ﷺ کے اس ارشادِ پاک سے بھی عہدے اور اقتدار کی طلب اور خواہش کے مضمرات و اثرات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ جو عہدوں کا حریص اور لالچی ہو جائے وہ بلاشبہ خسارے ہی میں رہتا ہے۔ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی ناکام و نامراد ہوتا ہے۔ شرمندگی اور ندامت کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہو پاتا اور یہ سب ذلت و رسوائی کا سامان ہی تو ہے۔ اب اگر اپنی ذلت و رسوائی کے لیے انسان خود ہی بے چین ہو، اپنے ہی ہاتھوں اس کا اہتمام کرے تو پھر بھلا کون ہے جو اسے ذلت و رسوائی سے بچا سکے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں اپنی خواہشات کا غلام بننے کے بجائے اللہ کی رضا اور اس کے انعام و اکرام کا طلب گار رہنا چاہیے تاکہ اس کی عطا کے ساتھ ساتھ ہم اس کی مدد اور نصرت سے بھی فیضیاب ہو سکیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں امارت و حکومت کا حریص بننے سے بچائے اور ہم پر اپنے خاص انعام و اکرام فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## مال و متاع دنیا کا حسن و جمال پر فریب ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَا بَعْدُ

بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف زمین کی برکتوں سے ہے۔“

کسی نے دریافت کیا ”زمین کی برکتوں سے کیا مراد ہے؟“ آپ ﷺ نے

فرمایا: ”دنیا کی زیب و زینت“ اس پر ایک شخص نے عرض کیا ”کیا خیر سے شر

پیدا ہو سکتا ہے؟“ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور اتنی دیر خاموش رہے

کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے

اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور فرمایا: ”وہ شخص کہاں ہے جس نے سوال کیا

تھا؟“ اس نے عرض کیا: میں نے دریافت کیا تھا۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ (پہلے جب اس نے سوال کیا تھا تو نبی کریم ﷺ کی خاموشی

دیکھ کر سب نے اس کے سوال کو گستاخی پر محمول کیا تھا اور دل میں اسے ملامت

کی تھی لیکن) اب جو وہ سامنے آیا تو سب نے اس کی تعریف کی (کہ اس کا

سوال کرنا بر محل تھا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(اصل اصول یہی ہے کہ) خیر کا

نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے لیکن یہ مال دنیا جو دیکھنے میں سرسبز اور ذائقے میں میٹھا ہے

بالکل سبزہ نو بہار کی مانند ہے اسے اگر جانور زیادہ کھالے تو اچھا رہ کر دیتا ہے

اور پھر وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا مرنے کے قریب پہنچ جاتا ہے مگر وہ ہری چگ جو

کھائے اور جب خوب سیر ہو جائے تو دھوپ میں بیٹھ کر جگالی کرے اور لید اور

پیشاب کرے (جب پیٹ خالی ہو جائے تو) پھر لوٹ آئے اور کھائے (محفوظ

رہتا ہے) دراصل یہ مال دنیا بھی خوش نما اور خوش ذائقہ ہے لہذا اسے جس نے حق کے مطابق (بقدر ضرورت) لیا اور حق کے مطابق خرچ کیا تو یہ خوش گوار ہے اور جس نے اپنے حق سے زیادہ لیا اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔“

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی تروتازگی اور زیب و زینت جو تم کو حاصل ہوگی یہ خیر نہیں بلکہ فتنہ ہے۔ گویا اس حدیث مبارکہ میں درحقیقت یہ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو خیر سے محض خیر ہی پیدا ہوتی ہے مگر دنیا کی یہ زیب و زینت دراصل خیر نہیں ہے کیوں کہ اس کا نتیجہ فتنہ و فساد اور لالچ ہے اور انسان جب اس میں پوری طرح مشغول ہوتا ہے تو آخرت کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ پھر حدیث مبارکہ میں اس کی مثال اس طرح پیش کی گئی ہے کہ جس طرح موسم بہار کی سرسبزی اور چارے کی فراوانی جانور کو بدبھمی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتی ہے، اگر وہ اس کا بے تحاشا استعمال کرے لیکن اگر قدر ضروری پر قناعت کرے تو کوئی نقصان نہیں دیتی اسی طرح مال دنیا بھی موسم بہار کی سرسبزی کی طرح خوش منظر اور خوش ذائقہ ہے۔ نفس انسانی اس کی طرف راغب ہوتا ہے چنانچہ جو زیادہ لے لیتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جو بقدر ضرورت لیتا ہے اسے نقصان نہیں ہوتا۔

انسان ہی نہیں یہ کائنات بھی فانی ہے لیکن انسان کے فائدے کے لیے اسے مسخر کر دیا گیا ہے تاہم تسخیر کائنات میں بے صبری اور حرص و ہوس حائل ہو جائے تو نتیجہ نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ حرص و ہوس مال و دولت کی ہو یا عز و جاہ کی نتیجہ تباہی اور ہلاکت ہوتا ہے۔ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے گئے ہوں ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے جتنا آدمی کے دین کو مال کی اور عز و جاہ کی حرص تباہ کرتی ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا پس فنا ہو جانے

والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

پروردگار عالم نے جہاں انسان کے لیے دنیا کو مسخر کر دیا ہے اور انسان کے فائدے کی چیز بنا دیا ہے، وہاں اس کے مُضِرّات سے بھی انسان کو آگاہ کیا جاتا رہا ہے۔ ازل سے رہبری اور رہنمائی کا یہ سلسلہ جاری ہے اور انسان کو دنیا کی حقیقت اور پر فریب جمال سے محفوظ رہنے کی طرف توجہ دلائی جاتی رہی ہے۔ سورۃ الحدید کی ۲۰ ویں آیت میں ارشاد الہی ہے:

”جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشاً اور زینت (و آزمائش) اور تمہارے آپس میں فخر (و ستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے) تو اسے دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے۔“

اگر ہم دنیا کے فریب اور نقصان کو جان لیں تو یقیناً آخرت ہی کو ترجیح دیں گے۔ اس عالم فانی سے لو لگانے کے بجائے حیات ابدی کی فکر کریں گے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے قلب و ذہن کو حرص سے پاک کر لیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر آدمی کے پاس دو میدان مال سے بھرے ہوئے ہوں تو بھی وہ تیسرے کا متلاشی رہے گا۔ ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو شخص (حرص سے) توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔“

غالباً شیخ سعدی رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں اسی حدیث مبارکہ کا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

چشم تنگ دنیا دار را  
یا قناعت پر کند یا خاک گور

خیرہ کر دینے والی دنیا کی چمک دمک محض فریب اور دھوکہ ہے جس میں خسارا ہی خسارا ہے اور اسی حقیقت سے آنکھیں کھولنے کے لیے پروردگارِ عالم نے عصر کی قسم کھا کر یہ فرمایا کہ بلاشبہ انسان خسارے میں ہے۔ اس خسارے سے نجات اسی وقت ممکن ہے جب انسان دنیا کو حقیر جانے اور اس سے لو لگانے اور حظ اٹھانے کے بجائے اس کو ٹھکرا دے اور اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دے۔

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں مال و متاع دنیا کے پُر فریب حُسن و جمال سے محفوظ و مامون فرمائے اور آخرت کو روشن و حسین بنانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



قرآن  
اصول  
کو  
علامہ  
تحتی  
ملا کر  
پیشتر  
اور اس  
یا جماع  
بیعت  
رہ  
اس سے



بیعت کے وقت ”سمع و طاعت بقدر استطاعت“ کہنا چاہیے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ۔ تَبَيَّنَا مُحَمَّدًا وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔ أَمَّا بَعْدُ

ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (بیعت کے وقت) جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد) سنے اور اطاعت کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ (سماعت اور اطاعت) اس امر کی جس کی تم قدرت اور طاقت رکھتے ہو۔ یہ حدیث پاک صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بیان ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر سماعت و اطاعت کے حوالے سے قدرت و طاقت کے مطابق عمل کرنے کی بیعت کیے جانے کا ذکر ہے۔ ”بیعت“ کی اصطلاح بیع سے نکلی ہے جس کے لغوی معنی ہیں بیچ دینا۔ بیعت دراصل اس حرکت جسمانی کو کہتے ہیں جو قدیم عرب میں دو شخصوں کے یا بین کسی معاہدے کے طے پا جانے کی علامت تھی اور جس میں ہاتھ سے ہاتھ ملایا جاتا تھا۔ بیعت میں معاہدے کی علامت مصافحہ تھی اور چوں کہ ایک سردار کا انتخاب اور اس کی حاکمیت کو تسلیم کر لینے کا عہد ہاتھ سے ہاتھ ملا کر کیا جاتا تھا لہذا اس کے لیے لفظ بیعت بولا جانے لگا۔ اصطلاح میں بیعت سے مراد کسی پیغمبر، ولی یا صاحب نسبت بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے گناہوں سے تائب ہونا اور اس بزرگ کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جسے انجام دے کر کوئی شخص یا جماعت کسی دوسرے شخص یا جماعت کے اقتدار کو تسلیم کر لے۔ بعض خاص مواقع پر بیعت کی مثالیں تاریخ میں بھی موجود ہیں جیسے بیعت عقبہ اور بیعت رضوان وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص سے جو اسلام میں داخل ہوتا بیعت لیا کرتے تھے اور اس سے برے اعمال کے ترک اور اچھے کاموں کے کرنے کا عہد لیتے تھے۔ یہی بیعت

کی اصل ہے۔ طریقہ بیعت اپنی ظاہری صورت کے ساتھ ایک معنویت بھی رکھتا ہے جسے تصوف کی زبان میں رابطہ یا نسبت کہتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے دور تک مسلمان خلیفہ وقت کی بیعت کرتے تھے لیکن جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو بزرگوں نے لوگوں سے احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے بیعت لینا شروع کر دی اور آج بھی صوفیائے کرام میں بیعت لینے کا سلسلہ جاری ہے۔

بیعت کے دو بڑے مقاصد ہیں ایک تو اصولاً کسی عقیدے سے وابستگی اور کسی شخص کی تعلیم کو قبول کرنا اور دوم کسی کی حاکمیت کو تسلیم کرنا۔ وہ بیعت جو نبی مکرم ﷺ اور ابن پر ایمان لانے والوں کے مابین ہوتی تھی، وہ اسی قسم کی تھی۔ سورۃ الفتح کی آیت نمبر دس میں ارشاد پاک ہے:

”تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے، وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے، پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ دے گا اس کو بدلہ بہت بڑا۔“

یعنی اللہ کی ایسی مدد آئے گی جسے کوئی روک نہ سکے گا اور اسی کی مدد سے فتح و نصرت اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ ہوگی۔

متذکرہ حدیث میں بیان کردہ الفاظ سے اسلام کے دین فطرت ہونے کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں ارشاد رب العالمین ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا.

ترجمہ: ”اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش یا استطاعت ہے۔“

مذکورہ حدیث پاک میں بھی یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ بیعت لیتے وقت نبی اکرم ﷺ اس بات کا لحاظ بھی رکھتے تھے کہ جس سے آپ ﷺ بیعت لے رہے ہیں وہ آپ ﷺ کے ارشادات مبارکہ پر کس قدر عمل کی استطاعت اور طاقت رکھتا ہے۔ اسی لیے سماعت اور اطاعت کے ساتھ بقدر استطاعت کے الفاظ شامل فرماتے تھے

تا کہ کسی انداز کا ضعف رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی خلاف ورزی کے زمرے میں نہ آئے کیوں کہ انسان فی الحقیقت کمزور واقع ہوا ہے لیکن اس کے باوجود سَبِعْنَا وَأَطَعْنَا سے تعمیل ارشاد نے ربِّ کائنات کو خوش کر دیا اور اسی خوشی میں خالق کائنات نے سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات میں نہ صرف تشنگی و تسلی کا اہتمام فرمایا ہے بلکہ یہ دعا بھی تعلیم فرمائی ہے کہ اے ہمارے رب اپنی رحمت و کرم سے ہمارے لیے ایسے حکم بھیجے جائیں جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہو، نہ بھول چوک میں ہم پکڑے جائیں، نہ مثل پہلی امتوں کے ہم پر شدید حکم اتارے جائیں، نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو، اس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اس سے درگزر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے۔

حدیث مبارکہ اور سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات یہ بات سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے۔ غرض صاف صاف فرما دیا گیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال و خطرہ یا بھول چوک، ان پر مواخذہ نہیں۔ ہاں جو باتیں بندے کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کی سمجھ اور اس پر عمل کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ



## طالب دنیا اور طالب آخرت

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کی نیت اور اس کا مقصد اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان اور مخلوق کی نا محتاجی کی کیفیت) اس کے دل کو نصیب فرما دیں گے اور اس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیں گے اور دنیا اس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اس کی بیچ پیشانی میں اس کے چہرے پر پیدا فرما دیں گے اور اس کے حال کو پراگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تگ و دو کے بعد بھی) یہ دنیا اُس کو بس اُسی قدر ملے گی جس قدر اس کے واسطے پہلے سے مقدر ہو چکی ہوگی۔

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث مبارکہ کو ابان کی روایت سے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ متذکرہ حدیث پاک میں طلب دنیا اور طلب آخرت کے حوالے سے اثرات و مضمرات بیان ہوئے ہیں۔

آخرت سے مراد حیات بعد الموت یا حشر کے بعد کی زندگی ہے۔ آخرت کا لفظ آخر کا مؤنث ہے اور قرآن پاک میں موت کے بعد کی زندگی کے لیے استعمال ہوا ہے جو بالکل نئی طرح کی ہوگی۔ سورہ نوح آیت ۱۷-۱۸ میں ارشادِ الہی ہے:

”اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کے طور پر اگایا پھر وہ تمہیں اس میں لوٹا دے گا اور تمہیں ایک (نئی) پیدائش میں نکال کھڑا کرے گا۔“

بعض مفسرین نے آخرت کو دارالآخرت (یعنی آخری گھر) بھی کہا ہے جو موجودہ گھر یعنی دنیا کی ضد ہے نیز اسے دارالبقاء (باقی رہنے والا گھر) بھی کہتے ہیں جو دارالفناء (فنا ہونے والا گھر) کی ضد ہے۔

آخرت کا تصور اسلام کے علاوہ بھی کئی مذاہب میں ملتا ہے۔ قدیم ادوار میں بھی انسان کسی نہ کسی صورت میں حیات بعدالموت پر یقین رکھتے تھے گو کہ ان کے تصورات پیچیدہ اور متضاد ہوا کرتے تھے۔

بیان کردہ حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو بندہ آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لے تو پروردگار اسے نہ صرف قناعت کی دولت نصیب فرمادیتا ہے بلکہ قلبی سکون و طمانیت سے بھی سرفراز فرمادیتا ہے اور دنیا میں اس کے لیے جو کچھ مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستے سے چل کر از خود اس کے پاس آجاتا ہے جب کہ اس کے برعکس دنیا کو اپنا مقصود و مطلوب بنانے والے پر محتاجی و پریشانی مسلط کر دی جاتی ہے جو اس کے چہرے سے نمایاں ہوتی ہے لہذا بندے کے لیے ضروری ہے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب رکھے اور دنیا کو ایک عارضی چیز ہی کی طرح اہمیت دے۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمھارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے۔ (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے۔“

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا پس فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلے

میں باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں دنیا کو مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت قرار دیا گیا ہے اور اسی جنت کا حال سورة الزخرف آیت ۳۳ تا ۳۵ میں یوں بیان ہوا ہے:

”اور اگر یہ (خیال) نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ سے انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگاتے ہیں اور (خوب) تجل (و آرائش دیتے) اور یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے اور آخرت تمہارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

سورة ہود آیت ۱۵-۱۶ میں طالب دنیا کا حال اور مقام کچھ یوں بیان ہوا ہے۔

”جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کیے، سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہوا۔“

بخاری و مسلم میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال مانگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا: پھر مجھے نصیحت فرمائی کہ اے حکیم! یہ مال و دولت سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے بس جو شخص اسے بغیر حرص و طمع کے سیر چشمی سے لے گا اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا، اس کے واسطے اس میں برکت نہ ہوگی اور اس کا حال یہ ہوگا کہ کھائے اور پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔“

مگر انسان بھی کس درجے حریص ہے کہ دنیا ہی سے چمٹا ہوا ہے۔ سورة الاعلیٰ آیت

۱۶۔ ۱۷ میں پروردگارِ عالم کا ارشادِ پاک ہے۔

”مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو، حالاں کہ آخرت بہت بہتر اور

پابندہ تر ہے۔“

دعا ہے کہ پروردگار ہمیں طلبِ دنیا سے محفوظ و مامون رکھے اور آخرت کا طالب

بناتے ہوئے قلبی سکون عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## حسن طلب، صبر کی عادت اور مقام

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید بن مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عطا کیا۔ انھوں نے پھر مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عطا کیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب تقسیم کر چکے تو فرمایا:

”میرے پاس جو مال و دولت بھی آئے گا وہ میں تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا لیکن جو کوئی اپنے آپ کو سوال کرنے سے بچائے گا اللہ تعالیٰ اسے عفاف (سوال سے بچاؤ) عطا کرے گا۔ جو اللہ تعالیٰ سے تو نگری مانگے گا اللہ تعالیٰ اسے دولت سے مالا مال کر دے گا اور جو کوئی اپنے آپ کو صبر کا عادی بنائے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر کے وصف سے نوازے گا اور کوئی شخص بھی صبر سے بہتر اور وسیع تر عطیے سے نوازا نہیں گیا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند پہلو نمایاں ہیں۔ جہاں ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کی تعلیم ہے، وہیں دست سوال دراز نہ کرنے کی تعلیم بھی ہے اور یہ بھی کہ جو خود کو ہاتھ پھیلانے سے بچائے گا اللہ تعالیٰ اسے پاک دامنی عطا فرمائے گا۔ دولت کی ضرورت اس دور میں کسے نہیں ہے یقیناً مہنگائی کے ہاتھوں ہر شخص پریشان ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہاتھ پھیلانے لگے کیوں کہ انسان کا یہ عمل اسے ذلت و رسوائی سے دوچار کرنے والا ہے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور اللہ تعالیٰ ہی سے ضرورت پوری ہونے کی درخواست کی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ وہ نہ صرف اس کی



ضروریات پوری فرمائے گا بلکہ اسے بے حساب رزق عطا فرمائے گا۔ پریشان حالی میں اللہ تعالیٰ نے صبر کو بہت پسند فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ نے صبر کے حوالے سے بہت واضح طور پر اس وصف کی پسندیدگی اور عمدہ اجر و ثواب کا ثرودہ سنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور بلاشبہ وہی اس مخلوق اشرف کے بارے میں بخوبی واقف ہے۔ وہ انسان کو مختلف حوالوں سے آزماتا ہے مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

”اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔“

غور کیجیے تو یہ صبر کی ہمت و توفیق بھی اسی کی طرف سے ہے اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ تو یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمیں جو بھی پریشانی یا تکلیف ہے اللہ تعالیٰ نے اسے برداشت کرنے کی طاقت ہمیں پہلے ہی سے دے رکھی ہے۔ اب اگر ہم بے صبری کا مظاہرہ کریں یا لوگوں سے اپنی پریشانیوں، ضرورتوں اور تکلیفوں کا مختلف طریقوں سے اظہار کریں تو یہ درحقیقت صبر کے شایانِ شان نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ اس کو بخش دیں گے۔“

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور مؤطا امام مالک میں حضرت اسامہ

بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ ﷺ کے پاس کہلا کر بھیجا۔

”میرے بچے کا آخری دم ہے آپ ﷺ تشریف لائیں۔“ آپ ﷺ نے سلام کہلوایا اور پیام دیا کہ اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسی کا ہے اور جو کچھ لے لیا اسی کا ہے اور ہر ایک چیز کی اس کے یہاں مدت مقرر ہے، پس صبر کرو۔“

صبر کے حوالے سے جب ہم اسلامی تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی اور کامیابی و کامرانی کے درواہ ہوتے دکھائی دیتے ہیں لیکن جب ہم سوال کرنے کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو دنیا اور آخرت کے حوالے سے جو مضمرات و اثرات سامنے آتے ہیں وہ نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر بھی معاشرے کی تباہی و بربادی اور تحقیر و ہتک کا سبب بنتے ہیں اور اس مختصر وقت میں ان پہلوؤں کو سمیٹنا ممکن نہیں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دستِ سوال دراز کرنے سے باز رکھے اور صبر و استقامت کے ساتھ جملہ آزمائشوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنے کی طاقت، ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## ہدیے کو حقیر جاننا

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

بخاری شریف کتاب الادب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

”اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی ہدیے کو حقیر نہ جانے

اگرچہ وہ ایک بکری کا پایا (کھڑ) ہی کیوں نہ ہو۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ہدیے کی اہمیت بیان فرمائی ہے بلکہ پڑوس یعنی ہمسائے کا ہدیے کے حوالے سے ذکر کر کے ہمسائے کی اہمیت بھی اجاگر کی ہے۔ حدیث مبارکہ میں عورتوں سے مخاطب کا مطلب یہ ہرگز نہ لیا جائے کہ یہ حکم صرف خواتین کے لیے ہے، شاید اس کی وجہ اور حکمت یہ ہو کہ اکثر عورتیں اپنے مقابلے میں سامنے والی عورت کو قدرے حقیر جانتی ہیں اور خود کو ارفع خیال کرتی ہیں۔ اسی طرح مختلف اشیا میں مین میخ نکالنا اور نکتہ چینی کی عادت بھی مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے اسی لیے انھیں مخاطب کیا گیا ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ جامع ترمذی میں قدرے صراحت کے ساتھ اس طرح بیان

ہوئی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک دوسرے کو تحفے بھیجا کرو کیوں کہ تحفہ دل کے کینے کو دور کرتا ہے اور اگر کوئی

اپنے ہمسائے کو بکری کا کھڑ بھی (بطور تحفہ) بھیجے تو وہ اسے حقیر نہ جانے۔“

گویا دوست احباب، عزیز و اقارب اور ہمسائے کے لوگوں کو تحفے تحائف دینا ہمارے دین میں بہت اہمیت کا حامل ہے اور اسلام نے ایک دوسرے کو تحفہ دینے کو نہ صرف پسند فرمایا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے کہ اس عمل سے دلوں سے کینہ

دور ہوتا ہے اور دلوں سے کینے کا دور ہونا محبتوں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ تاہم اس ضمن میں ایک بات قابل توجہ اور اہم ہے کہ کسی کو تحفہ دینے کے پس منظر میں کوئی لالچ یا مطلب نہ ہو۔ مثلاً کسی نے سفارش کر کے آپ کا کوئی کام کروا دیا تو آپ نے اس سفارش کرنے والے کے ہاں تحفہ بھیج دیا۔ یہ عمل خلاف دین ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس حوالے سے سخت وعید بھی ملتی ہیں۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص کسی کی سفارش کرے اور (اس کے بدلے میں) بھیجا ہوا تحفہ قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہونے والا ہوگا۔“

یعنی ذاتی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحفے دینا اور تحائف قبول کرنا دونوں ہی انداز ناپسندیدہ ہیں اور جہنم رسید کیے جانے کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ عزیز واقارب، دوست احباب اور دیگر عوام الناس کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے حوالے سے اسلامی تعلیمات میں ہمسائے کی بہت اہمیت بیان ہوئی ہے۔ مذکورہ حدیث میں بھی ہمسائے اور تحفے یعنی ہدیے کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ تحفہ بہت قیمتی ہونا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ بہت معمولی چیز بھی ہدیہ کی جاسکتی ہے خواہ وہ بکری کا کھڑ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری میں روایت ہے۔

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ ان میں سے تحفہ کسے بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کا دروازہ زیادہ قریب ہے۔“

یعنی ہمسائے کے حقوق میں بھی زیادہ حق دار وہ ٹھہرتا ہے جو ہمارے گھر/ دروازے سے زیادہ قریب ہے۔ بعض اوقات بعض چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی بہت سے لوگوں کو اپنے ہمسائے کے لوگوں سے لڑتے جھگڑتے دیکھا گیا ہے اور یہ معمولی معمولی واقعات غیر معمولی رنجشوں کا سبب بن جاتے ہیں۔ ان رنجشوں کا ازالہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفے و تحائف

کے ذریعے کرنے کی رہنمائی بھی فرمادی اور بتا دیا کہ ہم تحفے تحائف کے ذریعے کس طرح دلوں سے کینہ دور کر سکتے ہیں۔ صحیح بخاری، سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ دیتے تھے۔ گویا آپ ﷺ تحائف قبول ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ جواب میں تحائف دیتے بھی تھے اور اس معاملے میں کسی طرح کا لالچ اور طمع پیش نظر نہ ہوتا تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہمسائے کے حقوق ادا کرنے، ان سے محبت کے بے غرض تعلقات استوار کرنے اور انہیں اخلاص نیت کے ساتھ ہدیے بھیجنے اور ان کے تحائف قبول کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



## وسائل و ذرائع کی پاکیزگی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

”کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رزق کو حاصل کیے بغیر نہیں مرے گا۔  
سنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور رزق کے حصول میں جائز ذرائع و وسائل کام  
میں لاؤ۔ رزق کے حصول میں تاخیر تمہیں ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ نہ  
کردے اس لیے کہ اللہ کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی  
سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں رزق یعنی مال و  
دولت کے حوالے سے چند پہلو بیان ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ ہر شخص کا رزق مقدر ہو  
چکا ہے جسے حاصل کیے بغیر اسے موت نہیں آئے گی۔ دوم یہ کہ اسے حاصل کرنے  
کے لیے پرہیز گاری اور جائز ذرائع کا استعمال کیا جائے اور سوم یہ کہ حصول رزق  
میں اگر تاخیر ہونے لگے تو ناجائز ذرائع استعمال کر کے رزق حاصل کرنے کی کوشش  
نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اور رازق کائنات بھی، ذرا دیکھیے کہ وہ جب کسی انسان  
کو دنیا میں پیدا فرماتا ہے تو پہلے اس کا رزق اس کی ماں کے جسم میں اتار دیتا ہے اور پیدا  
فرماتا ہے تو ساری زندگی کا رزق مقدر کر دیتا ہے جسے حاصل کیے بغیر کسی بھی شخص کو موت  
نہیں آئے گی لیکن اشرف المخلوقات کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے مقدر کیے گئے رزق کو  
حاصل کرنے کے لیے جائز اور حلال ذرائع اختیار کرے کیوں کہ مال کے بارے میں

پہلے یہی پوچھا جائے گا کہ رزق یعنی مال و دولت کس راستے سے حاصل کیا اور پھر یہ کہ جو کچھ حاصل کیا اسے خرچ کن جگہوں پر کیا؟

ہم عام طور پر جب کسی شخص کے پاس دولت کی ریل پیل دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے بہت خوش ہے اور اس پر اپنا کرم کیے ہوئے ہے۔ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی کو کثیر رزق یعنی مال و دولت حاصل ہو تو یہ کیسے پتا چلے گا کہ اس پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یا اسے آزمائش میں ڈال دیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اگر مال و دولت ملنے کے بعد بھی وہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو اور غرور و تکبر سے بچا رہے تو سمجھو کہ یہ اللہ کا انعام ہے اور معاملہ اس کے برعکس ہو تو سمجھو کہ اسے آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔“

کیوں کہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے بھی بظاہر کوئی شخص جب خوشحالی اور آرام و راحت سے ہم کنار ہوتا ہے تو یہ دراصل اللہ کی طرف سے مہلت ہوتی ہے جس کے بعد عذاب الہی کا تازیانہ ہی برستا ہے۔ اصل راحت و سکون وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے حاصل ہو۔ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس جاتے ہیں۔“

جانوروں کے اس توکل پر غور کیجئے تو سورہ عنکبوت کی آیت ۶۰ میں بیان کردہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی:

”اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔“

سورہ ہود آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتابِ روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔“

کسی کو کم اور کسی کو زیادہ رزق دیے جانے کی کیا وجہ ہے کئی طور پر تو اس کی حکمتوں سے اللہ تعالیٰ ہی باخبر ہے۔ سورہٴ نحل کی آیت ۱۷ میں ارشادِ الہی ہے۔

”اور اللہ نے رزق (و دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے نہیں ہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا یہ لوگ نعمتِ الہی کے منکر ہیں؟“

قرآنِ کریم میں ہی ان حکمتوں کی صراحت بھی مل جاتی ہے مثلاً سورہٴ شوریٰ آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگتے لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا (اور) دیکھتا ہے۔“

غور کیجیے تو معاملہ رزق و دولت کے کم یا زیادہ ہونے کا نہیں بلکہ قسمت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر کسی کے حق میں بہتر سمجھا مقدر کر دیا۔ اب اصل معاملہ تو اسے حاصل کرنے کا ہے۔ اگر انسان کو رزق کے حصول میں ناکامی یا تاخیر کا سامنا کرنا پڑے تو اسے ناامید اور مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ حصولِ رزق کی کوشش اور جدوجہد جاری رکھنی چاہیے کیوں کہ ہمارے عقیدے اور ایمان کا تقاضا تو یہی ہے کہ اللہ کی ذات سے بچڑے رہیں۔ نیکی کے کام کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔ ایسے اعمال و افعال انجام دیں جو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنیں۔ پھر اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھیں کہ وہ ہمیں رزق و دولت ضرور عطا فرمائے گا۔ اگر دیر ہو تو بھی حصولِ رزق کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے بچنا چاہیے کیوں کہ جو مقدر ہو چکا ہے اسے حاصل کیے بغیر تو ہمیں موت نہیں آئے گی۔ جامع ترمذی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



” آدمی کی نیک بختی یہ ہے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہو جائے اور اس کی بد بختی یہ ہے کہ اللہ سے طلب خیر نہ کرے اور اللہ کی (مقرر کردہ) تقدیر سے ناراض ہو۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا پہ راضی رہنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور اپنے لیے مقدر کردہ مال و رزق جائز ذرائع کے ذریعے حاصل کرنے کی طاقت بخشے۔  
آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## نیکی کے کام اور رضائے الہی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَا بَعْدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہِ خدا میں جہاد کے لیے نکلا پھر راستے ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کے لیے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لیے مقرر ہے۔ (شعب الایمان لیبہقی)

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کریمانہ دستور و قانون کا اعلان فرمایا ہے یہ اعلان قرآن پاک کی سورۃ النساء میں بھی واضح طور پر موجود ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

”اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل پڑے پھر آجائے اس کو موت (راستے ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستے ہی میں زندگی کا چراغ گل ہو گیا تو اس بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں پورا پورا اجر مقرر ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کے شایانِ شان ہے۔

دیگر مذاہب کی طرح اسلام میں بھی نیکی کے کام انجام دینے کا اپنا ایک واضح نظام ہے۔ نیکی کے بہت سے کام مستحب و مسنون ہیں جیسے راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا، بیمار کی عیادت کرنا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور لوگوں سے اخلاق سے پیش آنا

وغیرہ جب کہ بعض کام فرض ہیں جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا وغیرہ۔  
فرائض کی ادائیگی نہ کرنے پر انسان نہ صرف اجر و ثواب سے محروم کر دیا جاتا ہے بلکہ گناہ  
کا مرتکب بھی ٹھہرتا ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الزلزال میں واضح ارشاد ہے کہ لوگوں کو ان کی ذرہ برابر نیکی اور  
ذرہ برابر بدی کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ غور فرمائیے کہ جہاں لوگوں کی ذرہ برابر نیکی بھی  
ضائع نہیں ہو رہی تو ایسی بڑی بڑی نیکیاں جو فرائض میں شامل ہیں اور محض اللہ کی رضا کے  
لیے انجام دی جا رہی ہیں تو پروردگار عالم ان کے اجر و ثواب کا کیسا ہے بے مثال بدل  
دے گا۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ ریاکاری اور نمود و نمائش اجر و ثواب کو ضائع کر دیتا ہے  
جب کہ اخلاص نیت کے سبب سے اجر و ثواب میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

اخلاص نیت کے حوالے سے بہت معروف حدیث پاک ہے۔ انہما الاعمال  
بالنیات یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ متذکرہ حدیث مبارکہ میں بھی موت کا  
مقررہ وقت آجانے کی وجہ سے نیکی کے اعمال انجام نہ دے سکنے کی بات کہی گئی ہے مگر وہ  
نیکی کا جو کام موت کی وجہ سے انجام نہ دے سکا اس کی بنیاد اخلاص نیت پر ہونے کی وجہ  
سے وہ پورے پورے اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الدنيا مزرعة الآخرة یعنی دنیا آخرت کی  
کھیتی ہے۔ گویا یہاں جیسے اعمال کے بیج بوئے جائیں گے، آخرت میں گندم از گندم جواز  
جو کے مصداق اس کی فصل کاٹی جائے گی اور لوگ اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائیں گے۔

نیکی کے کام خواہ چھوٹے چھوٹے ہوں یا بڑے بڑے ان سب کا بدلہ تو ہر حال میں  
ملے گا مگر مندرجہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ بات بہت واضح اور نمایاں ہے کہ نیکی کے  
کام انجام دیتے وقت رضائے الہی کو بنیاد بنایا جائے اور ذہن میں یہ بات موجود ہو کہ ہم  
فلاں کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں۔ یوں رجوع الی اللہ اور رضائے الہی

کے مقصود کے سبب ہماری معمولی نیکیاں بھی غیر معمولی ثمرات کا سبب بنیں گی اور یہ تو شرعہ  
آخرت ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص نیت کے ساتھ نیکی کے کام انجام دینے کی توفیق اور  
ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



آ  
خ  
بار  
بار  
جا  
کہ  
فرمایا  
کہ  
اور  
ال  
کا

## نیکی اور گناہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

مسلم شریف کے باب کتاب البر والصلوٰۃ والادب میں حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا۔“  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نیکی خوش خلقی کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند  
کرے کہ لوگ اس کے بارے میں مطلع ہو جائیں۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں انتہائی لطیف انداز میں  
نیکی اور گناہ کے فرق کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دراصل نیکی اور گناہ کیا ہے؟  
آپ جانتے ہیں کہ نیکی اور بھلائی کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن مذکورہ حدیث پاک میں  
خوش خلقی یعنی اچھے اخلاق کو سب سے بڑی یعنی اصل نیکی قرار دیا گیا ہے جب کہ گناہ کے  
بارے میں کسی خاص گناہ کا ذکر تو اس حدیث مبارکہ میں نہیں کیا گیا ہے بلکہ گناہ کے  
بارے میں ایک جامع اصول اور ضابطہ بیان فرما دیا ہے کہ بدی اور برائی کے بارے میں  
جاننے کے لیے اپنے ضمیر سے پوچھ لو۔ مسند احمد میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے  
کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ جب تیری نیکی تجھے بھلی معلوم ہو اور بدی تجھے بری محسوس ہو۔ پھر اس نے پوچھا  
کہ گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی چیز تیرے دل میں تردد پیدا کرے  
اور مشتبہ معلوم ہو (ایسی صورت میں) تو اسے چھوڑ دے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں خیر و شر کی تمیز کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ وہ نہ صرف گناہ  
کے کاموں کو جانتا بلکہ دوسروں سے چھپاتا بھی ہے اور نہیں چاہتا کہ لوگ اس کے گناہوں

سے واقف ہوں مگر اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے سب کچھ جانتا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۲۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

”اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔“

جب کہ سورۃ النساء کی آیت ۳۱ میں کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کو خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا گیا:

”اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے بڑے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔“

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں نیکی کے کاموں کے لیے معروف اور گناہ کے کاموں کے لیے منکر کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے یعنی نیکی وہ ہے جو دیکھی بھالی اور مشہور و معروف ہے اور سب اس سے واقف ہیں جب کہ گناہ وہ ہے جس کو انسان کی فطرت ناپسند اور نامانوس خیال کرتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں اچھے اخلاق کو بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔“

عام طور پر لوگ نماز، روزے اور دیگر عبادات کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے نظر آتے ہیں مگر اللہ کے محبوب نے ایسے عبادت گزاروں اور متقی و پرہیزگاروں کا ذکر کرتے ہوئے اچھے اخلاق کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ صاحبِ ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفل نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔“

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اخلاق رکھنے والوں کو اپنا محبوب قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں۔“  
 اسی طرح صحیح بخاری ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول  
 اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے۔“

جب کہ اس کے برعکس سنن ابوداؤد میں حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے  
 کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سخت کلام اور بدمزاج آدمی جنت میں نہ جائے گا۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب کے اسوۂ حسنہ پر چلائے اور تمام چھوٹے بڑے  
 گناہوں سے بچنے اور حسن اخلاق کے ساتھ جینے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

جامع ترمذی و سنن نسائی میں حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں۔  
”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے استقامت اور ثابت قدمی دین کے معاملے میں، اور طلب کرتا ہوں اعلیٰ صلاحیت اور سوچ بوجھ میں پختگی، اور تیری نعمتوں کے شکر کی اور حسن عبادت کی توفیق، اور طالب ہوں تجھ سے لسان صادق اور قلب سلیم کا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اُس شر سے جس کا تجھے علم ہے، اور سائل ہوں ہر اُس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے، اور معافی اور مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان سب گناہوں سے جو تجھے معلوم ہیں۔ تو ساری پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔“

اسی حدیث کو ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین کرنے کے بعد فرمایا:  
”اے شہاد بن اوس! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے اور چاندی کو بطور خزانہ جمع کرتے ہیں تو تم اس دعا کو اپنا خزانہ سمجھو۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی جس میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص دعا تعلیم فرمائی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو پروردگار عالم نے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے اور اسوۂ حسنہ سے مراد کامل نمونہ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہمارے لیے قدم قدم پر رہنمائی موجود ہے۔ دیگر اعمال و افعال کی طرح دعائیں تعلیم فرماتے ہوئے نہ صرف دعا کے آداب سکھائے بلکہ یہ بھی ذہن نشین کرا دیا کہ دعا کس



طرح مانگنی چاہیے۔ آپ ﷺ کی جو دعائیں ماثور اور منقول ہیں انھیں مضامین اور موقع و محل کے لحاظ سے تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے۔ دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے جب کہ تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں اور ان میں سے زیادہ تر مضامین کے لحاظ سے ہمہ گیر اور جامع ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے اپنی تالیفات میں ان دعاؤں کو ”جامع الدعوات“ کے زیر عنوان جمع فرمایا ہے۔ یہ دعائیں نبی مکرم ﷺ کی طرف سے امت کے لیے خاص الخاص عطیہ اور بیش بہا تحفہ ہیں۔ مذکورہ حدیث مبارکہ بھی انھیں میں سے ایک ہے۔

دعا سے مراد انسان کا اپنی طلب اور خواہش کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس سے مدد طلب کرنا ہے۔ مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دعا عین عبادت ہے۔“

اور آپ جانتے ہیں کہ عبادت کا حق دار یعنی معبود حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذات ہے لہذا دعا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنی چاہیے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۶ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔“

متذکرہ حدیث پاک ایک جامع دعا ہے جو زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس دعائے مبارکہ میں سب سے پہلے دین و ایمان کے حوالے سے ثابت قدمی اور استقامت طلب کی جا رہی ہے جو ایک مسلمان کا سب سے قیمتی سرمایہ و اثاثہ ہیں۔ پھر اپنی عقل و شعور ہی کو سب کچھ جان کر گمراہ ہونے کے بجائے پروردگار عالم سے سوجھ بوجھ کی

پختگی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے لیے سوال کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت و ریاضت کی توفیق طلب کی جا رہی ہے۔ پھر سچی زبان اور قلب سلیم کا سوال ہے اور ظاہر و باطن میں موجود ہر اُس شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جا رہی ہے جس کا احاطہ صرف پروردگار ہی کی ذات بابرکات کر سکتی ہے۔ آخر میں اُس بھلائی اور خیر کا سوال کیا جا رہا ہے جو احاطہ قدرت میں ہے اور ان سب کے بعد اپنے گناہوں پر معافی طلب کی جا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے باہر نہیں کہ بلاشبہ وہی ہے جو پوشیدہ باتوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔

اس دعا کے ایک ایک جُز پر غور کیجیے تو پتا چلتا ہے کہ یہ دعا ان تمام مقاصد پر حاوی ہے جو ایک مومن کو عزیز ہونے چاہئیں۔ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔“

مشکل کشائی اور حاجت روائی کے جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے صرف اسی سے دعائیں مانگنا برحق ہے۔ دنیاوی معاملات و تدابیر اور انتظام و انصرام میں کسی دوسرے کا دخیل ہونا تو کجا کوئی اتنا بھی اختیار نہیں رکھتا کہ اللہ سے سفارش کر کے اس کا فیصلہ بدلوا دے یا کسی کی قسمت کے بگاڑنے اور سنوارنے میں کوئی کردار ادا کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی جو کچھ کر سکتا ہے وہ بس اتنا ہے کہ اللہ سے دعا کرے مگر اس کی دعا کا قبول ہونا یا نہ ہونا پھر اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ سورہ یونس کی آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”کوئی شفاعت (یعنی سفارش) کرنے والا نہیں الا یہ کہ اس کی اجازت کے ساتھ شفاعت کرے، گویا سفارش کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر سفارش بھی نہیں کی جاسکتی۔“

ہمیں اپنی زندگی کے معاملات کے حوالے سے دعاؤں کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ جامع

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جو اللہ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔“

اور یہ یقین بھی رکھنا چاہیے کہ یہ اختیار بھی اسی کا ہے کہ وہ دعا کی قبولیت کے بعد کون سے ذرائع اور وسیلے کا انتخاب کرے گا، کیوں کہ وہی بہتر جانتا ہے کہ ہمیں کسی ذریعے اور وسیلے سے عطا کیا جانا ہمارے لیے بہتر اور فائدہ مند ہے ورنہ ہمارا انتخاب کردہ ذریعہ تو ہمارے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس محفوظ اور نہایت قیمتی ورثہ کی قدر کریں اور ان دعاؤں کے ذریعے دنیا اور آخرت کی برکتیں اور رحمتیں براہ راست مالک الملک کے خزانے سے حاصل کیا کریں۔ آمین۔

وَإِخْوُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## احسان کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجت مند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو وہ اجر و ثواب میں اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔ راوی کہتے ہیں۔

”اور میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور اس شب بیدار کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں بیواؤں نیز بے سہارا اور حاجت مندوں کے بارے میں حسن اخلاق کی تعلیم فرمائی جا رہی ہے اور اس کے اجر و ثواب کی بابت بتایا جا رہا ہے کہ ایسے لوگ ان بندوں کے برابر ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں یا پھر صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کے کنبے یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کریں۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اس کا کوئی کام کر دیا جائے، اس کو آرام پہنچایا جائے یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہو۔ یہ سب صورتیں احسان کی ہیں اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔ احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ

کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے۔

اخلاقی اقدار کے حوالے سے قرآن و احادیث میں سب سے زیادہ احسان کے بارے میں تاکید آئی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۵ میں ارشاد ہوتا ہے۔  
”اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

اسی طرح سورہ نحل کی آیت ۹۰ میں ارشاد پاک ہے:

”اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتے داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔“

متذکرہ حدیث پاک میں بیواؤں اور بے سہارا افراد کے لیے دوڑ دھوپ کا اجر بیان ہوا ہے۔ سورہ نور کی آیت ۳۲ میں رب العالمین کا ارشاد پاک ہے:

”اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کی مدد کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کی بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے اللہ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور اللہ بہت وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔“

ذرا اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیے تو ایسی بے شمار بیوائیں اور بے سہارا افراد نظر آئیں گے جو ہماری توجہ اور مدد کے مستحق ہیں۔ دین سے دوری کا نتیجہ ہے کہ بیواؤں کو معاشرے میں وہ قدر و منزلت حاصل نہیں جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ مولوی نذیر احمد دہلوی نے اپنی کتاب ایامی میں بیواؤں کے حوالے سے ہماری فرسودہ معاشرتی اقدار پر بھرپور نظر ڈالی ہے۔ ماڈرن پرستی اور منفعت کے سبب ہماری سوچ اور فکر جس قدر جمود کا شکار ہوتی جا رہی ہے وہ بھی نئی اور ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اہل ثروت دولت کے نشے میں چور ہیں اور بیوہ و بے سہارا ان کی توجہ اور مدد کے منتظر۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم اسلام کے نام لیوا اور علم بردار ہیں آگے بڑھ کر ایسے بے سہارا، حاجت مندوں کی مدد کریں۔ اپنے دین کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کو مثالی معاشرہ بنا دیں مگر معاملہ اس کے برعکس

ہے۔ ہم بیواؤں، بے سہارا اور حاجت مند کی طرف نظر کرنے کے بھی روادار نہیں معلوم ہوتے۔ کم علمی اور بے عملی ہماری زندگی کا جزو لازم بن گئی ہے اور نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ اول تو احسان کی کوئی شکل مشکل ہی سے دکھائی دیتی ہے اور اس پر بھی ستم یہ کہ احسان کر کے جتلانے والوں کا غلبہ ہے۔ قرآن و احادیث میں جہاں احسان کر کے جتلانے والوں کے بارے میں وعیدیں ملتی ہیں وہاں احسان کرنے والوں کے لیے بشارتیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً سورہ زحمن میں ارشاد مبارک ہے:

”نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔“

احسان کا اس سے بہتر بدلہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے احسان کرنے والوں کو مجاہدوں کے برابر ٹھہرایا ہے۔

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں حاجت مندوں، بیواؤں اور بے سہارا افراد کے ساتھ احسان کرنے نیز ان کے ساتھ تعاون اور مدد کرنے کی توفیق اور ہمت نصیب فرمائے۔

آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## مغفرت طلبی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔ اَمَّا بَعْدُ

ترمذی شریف کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے ابنِ آدم! اگر تو نے مجھ سے دعا کی اور امید لگائی تو میں تیرے (سارے گناہوں کو) معاف کر دوں گا اور پروا نہیں کروں گا۔ اے ابنِ آدم! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں اور تو نے مجھ سے مغفرت کی درخواست کی تو میں تیری مغفرت کر دوں گا اور پروا نہیں کروں گا۔ اے ابنِ آدم! اگر تو زمین کے برابر خطا کاریاں لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے اس حال میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کوئی شرک نہ کیا تو میں تجھے زمین کی وسعتوں کے برابر مغفرت عطا کر دوں گا۔“

اس حدیث مبارکہ میں دو پہلو نمایاں طور پر بیان ہوئے ہیں اول یہ کہ دعا کی قبولیت کے لیے کامل یقین اور ایمان ضروری ہے اور دوم یہ کہ مشرک کی دعا قبولیت کے درجے پر نہیں پہنچ سکتی۔ فطری سی بات ہے کہ ہر کمزور مدد اور تعاون کے لیے طاقتور کی طرف رجوع کرتا ہے اور طاقت و زور کے مدعی اگر بہت سے نظر آ رہے ہوں تو سب سے بڑے اور زیادہ طاقتور کی طرف جائے گا۔ اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب پروردگار ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تو یقیناً ہمیں رجوع الی اللہ پر کامل یقین اور ایمان کے ساتھ عمل کرنا چاہیے۔

دعا کے معنی ہی انسان کا اپنی طلب اور خواہش کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا اور

اسی سے مدد طلب کرنا ہے۔ حدیث پاک میں دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے اور عبادت صرف ذات الہی کا حق ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۶ میں ارشاد خداوندی ہے:

”اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور قبول کرتا ہوں، لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔“

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر انبیائے کرام کی دعائیں مذکور ہیں۔ ان دعاؤں کے بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسانوں کو دعا مانگنے کا طریقہ آ جائے۔ نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے حوالے سے کتب احادیث میں متعدد مواقع پر مانگی جانے والی دعاؤں کا ذکر ملتا ہے اور ان کا واضح مقصد یہ تعلیم دینا ہے کہ دعائیں کس طرح مانگی جائیں۔ رب العالمین کے حضور اپنی حاجات کس طرح عجز و انکساری کے ساتھ پیش کی جائیں۔ دعا کے آداب سکھاتے ہوئے سورۃ الاعراف کی آیت ۵۵ میں ارشاد ہوا:

”لوگو! اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

سورۃ الاعراف ہی کی آیت ۲۰۵ میں رہنمائی کی گئی:

”اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور دیکھنا غافل نہ ہو جانا۔“

مگر انسان بہت جلد باز اور بے صبر واقع ہوا ہے اس کے لیے تو دعا کی قبولیت بظاہر یہی ہے کہ ادھر دعا ختم ہو اور ادھر اثرات ظاہر ہو جائیں۔ حالاں کہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تمہاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں



ہوتی۔“

اس کے علاوہ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور عطا ہوتی ہے یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: جب بات یہ ہے تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔“

غرض یہ کہ اپنی حاجات اور خواہشات کی تکمیل کا واحد مرکز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہونی چاہیے۔ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔“

حاجت روائی اور مشکل کشائی کے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے صرف اسی سے دعائیں مانگنا برحق ہے۔ سورۃ الرعد کی آیت ۱۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اسی کو پکارنا برحق ہے رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا حالاں کہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں مگر ایک تیر بے ہدف۔“

قرآن پاک میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ شرک اور مشرک کی واضح تفصیل تفاسیر و احادیث کی کتب میں موجود ہے۔ یہ محدود لمحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ متذکرہ حدیث پاک میں بڑے بڑے اور کثیر گناہوں کی بخشش کے لیے بھی یہ شرط موجود ہے کہ صاحب دعا شرک کا مرتکب نہ ہو۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک نہیں ہے بلکہ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی سے دعا مانگنا یا اس کو مدد کے لیے پکارنا بھی شرک ہے۔ استعانت، مدد اور دعا اپنی حقیقت کے اعتبار سے عبادت میں ہیں اور غیر اللہ سے مناجات کرنے والا ویسا ہی مجرم ہے جیسا ایک بت پرست مجرم ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۵۶۔ ۵۷ میں ارشاد ہوتا ہے:

”ان سے کہو، پکار دیکھو ان معبودوں کو جن کو تم اللہ کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو۔ وہ کسی تکلیف کو نہ تم سے ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون ان سے قریب تر ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔“

نہ تو دنیا کے انتظام و انصرام میں کوئی دخل اور اختیار کی قوت رکھتا ہے اور نہ ہی سفارش یا دباؤ کے ذریعے فیصلہ بدلوانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ سورہ یونس کی ابتدائی آیات کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ دعا کر سکتا ہے جس کی قبولیت یا رد کا اختیار پروردگار عالم ہی کو ہے۔ بعض اوقات تو نبی کی دعا بھی رد کر دی جاتی ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا، کہا:

”اے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔“

جواب میں ارشاد ہوا:

”اے نوح (علیہ السلام)! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے لہذا تم اس بات کی درخواست نہ کرو جس کی حقیقت کو تم نہیں جانتے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنا لو۔“

اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فوراً عرض کیا:  
 ”اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں  
 جس کا مجھے علم نہیں، اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا: تو میں برباد ہو  
 جاؤں گا۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شرک سے محفوظ و مامون فرمائے اور ہماری دعاؤں کو  
 اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## عذاب قبر کی حقیقت

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِينَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَا بَعْدُ

مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ سبحان اللہ کہا (آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کی اتباع میں ہم بھی دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا تو ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت آپ کی تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرمادی اور اس کی تکلیف دور کر دی۔“

متذکرہ حدیث مبارکہ میں اعجازِ نبوی ﷺ کے حوالے سے معروف صحابی کی قبر کا احوال بیان کیا گیا ہے اور نیک اعمال و تسبیحات کے ذریعے عذاب میں کمی کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ یوں تو معجزاتِ رسولِ مکرم ﷺ کا مطالعہ کرنے پر اہل قبور کے احوال اور آپ ﷺ کی جانب سے ان کے لیے کیے جانے والے بہت سے اعمال و افعال کا ذکر ملتا ہے مگر یہاں جس محترم ہستی کا بیان ہے اس سے برزخ کی زندگی کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

برزخ سے مراد وہ چیز ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو، کمانع اور رکاوٹ ہو۔ احادیث میں قبر کا لفظ مجازاً عالم برزخ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد وہ عالم ہے جس میں روح موت کی آخری ہچکی سے لے کر یوم حشر میں دوبارہ جی اٹھنے تک رہے گی۔ یہ فارسی لفظ پردہ کا معرب ہے جس کا مطلب ہے کہ اب انسانوں اور دنیا کے درمیان ایک روک ہے جو انھیں واپس نہیں جانے دے گی اور قیامت تک یہ دنیا اور آخرت کے درمیان کی اس حد فاصل میں ٹھہرے رہیں گے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عالم برزخ عدم محض کا عالم ہے جس میں کوئی احساس اور شعور نہ ہوگا اور کسی قسم کا عذاب ثواب نہ ہوگا لیکن قرآن پاک اس عقیدے کی نفی کرتا ہے۔ جب آدمی مر کر عالم برزخ میں چلا جاتا ہے تو ہر نیک و بد کو موت کی ساعت سے قیامت تک نیک اور بد انجام دکھایا جاتا رہتا ہے۔ سورۃ المؤمن کی آیت ۴۵-۴۶ آل فرعون کے بارے میں ارشاد ہے:

”ایک سخت عذاب ان کو گھیرے ہوئے ہے یعنی صبح و شام وہ آگ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پھر جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کر دو۔“

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ) ہر صبح و شام اس کے سامنے کیا جاتا ہے۔ اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو اسی طرح دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اس کے سامنے کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تجھے اپنی طرف بلائے گا تو یہ تیرا مستقل ٹھکانہ ہوگا۔

یوم آخرت پر تو ہم ایمان رکھتے ہی ہیں مگر بحیثیت مسلمان ہمیں قبر کی منزل کو بھی ضرور سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ بلاشبہ ایک کٹھن منزل ہے۔ بخاری شریف میں حضرت امہ بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے سنا ہے۔“

جامع ترمذی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اگلی منزل میں اس سے آسان ہیں اور اگر نجات نہ پائی تو اگلی منزل میں اس سے زیادہ سخت ہیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے قبر سے زیادہ (کوئی) بھیانک منظر نہیں دیکھا۔

قبر کی منزل جس قدر سخت ہے انسان نے اپنی غفلت اور لاپرواہی کے ذریعے اسے اتنا ہی آسان سمجھ رکھا ہے۔ بلاشبہ انسان کی اسی سوچ کی وجہ سے پروردگار عالم نے سورۃ العصر میں انسان کو خسارے میں بتایا ہے۔ آج کا انسان اس قدر حریص ہے کہ اپنی آخرت کو بھلا بیٹھا ہے اور دنیا کی عیش و عشرت سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔ سورۃ التکاثر کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔“

قبر میں جانے کے بعد انسان کی عملی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور مرحوم اپنے زندوں کی طرف سے نیک اعمال کا محتاج ہو جاتا ہے۔ متذکرہ حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے تسبیح و تکبیر پڑھنے سے اہل قبر کی تنگی دور کر دی گئی۔ بلاشبہ ہمیں بھی اپنے مرنے والوں کے لیے نیک اعمال کرتے رہنا چاہیے تاکہ اپنی غفلت اور کوتاہی کے سبب وہ جس عذاب سے دوچار ہوں اللہ تعالیٰ ان سے وہ دور فرمادے ورنہ مرحوم کفِ افسوس ہی ملتا رہے گا۔ سورۃ المومنون آیت ۹۹-۱۰۰ میں ارشادِ الہی ہے:

”یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں اُس میں (جسے چھوڑ آیا ہوں) نیک کام کروں گا۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اُس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے)۔“

زندگی کی نعمت صرف ایک بار ہی ملنے والی ہے کوئی دوسرا تیسرا جہنم نہیں ہوگا اور اسی طرح یہ حقیقت بھی اٹل ہے کہ انسان کو ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بدلہ دیا جائے گا جس کی تعلیم سورۃ الزلزال کے اختتام پر موجود ہے۔ دنیا کی زندگی ختم ہونے پر اخروی زندگی کا

آغاز قبر ہی سے ہوگا اور عذاب قبر بھی اٹل حقیقت ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کا حال پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”عذاب قبر برحق ہے اس کے بعد میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے

کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔“

متذکرہ حدیث میں جن سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے یہ وہی معروف اور مشہور صحابی ہیں جنہیں غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۵ھ میں وفات پانے والے اسی صحابی کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی اور آسمان کے دروازے ان کے لیے کھولے گئے مگر اس کے باوجود انہیں بھی قبر کی تنگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں ہمارے لیے بڑا سبق اور انتباہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم خاص فرمائے اور ہم پر قبر کی منزل آسان فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## یوم الحشر میں سوالی کے لیے ذلت

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَا بَعْدُ

سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ایسی حالت میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس ”مایغنیہ“ ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لیے کافی ہو اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہو گا۔“ (خُمُوش، خُدُوش، کُدُوح یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں ان کے معنی زخم کے ہیں غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ) اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون سا لفظ تھا۔ آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے ”مایغنیہ“ فرمایا ہے (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سچاں درہم یا ان کی قیمت کا سونا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ بنیادی طور پر اس حدیث پاک میں غنا کا معیار بیان فرمایا گیا ہے کہ کس قدر مال ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور حقوق و فرائض کے حوالے سے اس نے معاشرے میں ایک ایسا نظم پیدا کر دیا ہے کہ ہر شخص اگر اپنا اپنا فرض ادا کرتا ہے تو معاشرے کے سبھی افراد کی ضروریات کی تکمیل خود بخود ہو جاتی ہے اور جب ضرورت مند ہی موجود نہ رہیں تو بھلا سوال کرنے کی ضرورت کیوں کر اور کیسے پیش آئے گی؟



معاشرے پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حقوق انسانی کی اتنی بے شمار تنظیموں کے باوجود ہر طرف حقوق حقوق کی صدائیں گونج رہی ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے فرض کی ادائیگی سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ یوں حقوق و فرائض کا توازن بگڑ گیا ہے۔ اسلام ہمیں کامل دستور حیات فراہم کرتا ہے جس پر عمل کر کے ہی ہم مثالی معاشرے کا خواب شرمندہ تعبیر کر سکتے ہیں۔

مذکورہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہے جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے یا کاروبار وغیرہ میں لگا سکتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ دستِ سوال دراز کرے کیوں کہ ایسا شخص قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر نا جائز سوال کے باعث بدنما داغ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم مالیت کا بھی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ تاہم سنن ابی داؤد کی ایک حدیث مبارکہ میں سہل بن الحسنظلیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا۔

”غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہیے؟“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے۔“

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایک دن کا کھانا موجود ہونے پر بھی سوال کرنا درست نہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے متعین اور مقرر ہے لیکن جس غنا کے ہوتے ہوئے دستِ سوال دراز کرنے کی ممانعت آئی ہے آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں اور شارحین نے اپنے اپنے طور پر ان کی توضیحات پیش کی ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے، گویا بعض حالات یا اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لیے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اگر یہ

اثاثہ چالیس پچاس درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں جبکہ بعض حالات یا اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کے پاس اگر ایک دن کا کھانا بھی موجود ہے تو ان کے لیے سوال کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح اس اختلاف اور رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے گویا جن احادیث میں چالیس پچاس درہم کی مالیت کو غنا کا معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے اور جن احادیث میں ایک دن کے کھانے کی موجودگی کو معیار بتایا گیا ہے اور سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقویٰ کا مقام ہے۔

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے توحید اور نماز پنج گانہ کی تعلیم کو جس قدر ضروری اور اہم جانا اسی طرح لوگوں کو سوال سے باز رہنے کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ نے بار بار فرمایا ہے کہ ہم میں سے جو شخص اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لائے اور اس کو فروخت کرے تاکہ اللہ اس کی حاجت رفع کر دے یہ اس کے حق میں بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے پھر وہ اس کو کچھ دیں یا دھتکار دیں۔ بے شمار روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ اشد ضرورت نہ رکھنے والے سائل سے نہایت نفرت کرتے اور جو شخص بغیر اضطراری حالت کے سوال کے ذریعے سے کچھ وصول کرتا تھا اس کو اس کے حق میں حرام سمجھتے تھے۔ جو شخص ایک وقت یا ایک دن کی خوراک موجود ہونے پر بھی سوال کرے وہ اپنے لیے کثرت سے آتش دوزخ طلب کرتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سوال ایسے قبیح فعل سے باز رہنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## یوم الحشر اور زمین کی گواہی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

جامع ترمذی، ابواب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث مبارکہ ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی یَوْمَئِذٍ تُنَادُوا بِخَبَارِهَا (اس دن زمین اپنے سارے احوال بیان کر دے گی) اور صحابہ سے پوچھا۔

”جانتے ہو احوال بیان کرنے کا کیا مطلب ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زمین قیامت کے دن گواہی دے گی کہ فلاں مرد اور عورت نے میری سطح پر کیا اعمال کیے تھے۔ اس آیت کا یہی مطلب ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں قیامت کے دن انسانوں کے اعمال و افعال کے حوالے سے زمین کی گواہی کی صراحت بیان ہوئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اہل ایمان ہونے کی حیثیت سے یوم الحساب یعنی قیامت کے دن پر یقین رکھنا کس قدر ضروری اور لازمی ہے۔ اپنے عمل بلکہ ہر چھوٹے بڑے عمل کے حساب کا خوف نفسیاتی طور پر انسان کو برائی سے دور رکھتا ہے۔ جب کوئی بھی شخص یہ سمجھ لے کہ اسے قیامت کے دن اپنے ہر عمل کے لیے اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہونا ہے تو وہ برائی سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بظاہر یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کہ کس طرح اربوں کھربوں انسانوں کے ایک ایک عمل کا حساب ممکن ہے۔ مگر اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ وہ ایک دن میں سب حساب مکمل کر لے گا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

گیا کہ وہ دن کتنا طویل ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے میں جتنا وقت لگتا ہے مومن کے لیے وہ دن اس سے بھی ہلکا ہوگا۔“  
مذکورہ حدیث مبارکہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ بنی آدم نے کون کون سے اعمال کب اور کہاں انجام دیے؟ وہ ظاہر کر دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں وقت انجام دی۔ معجم طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”زمین سے بچو یہ تمہاری ماں ہے جو شخص نیکی یا بدی اس پر کرتا ہے یہ سب کھول کر بیان کر دے گی۔“

حدیث مبارکہ میں سورۃ الزلزال کی آیت ۴ کا ذکر ہے۔ اسی سورہ مبارکہ کی آیت ۷ اور ۸ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے:

”کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا عمل اللہ تعالیٰ کی نظر سے چھپ نہ سکے گا اور ہر ایک کا بدلہ دیا جائے گا۔“

ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.

”یعنی جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

ہم زمین کی گواہی کو اپنی روزمرہ زندگی کی ایک عام سی مثال سے باسانی سمجھ سکتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ صرف فلمیں ہی بنا کرتی تھیں اور سینماؤں میں دکھائی جاتی تھیں مگر اب مووی کیمرے اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اکثر گھروں میں ہونے والی تقریبات کو ان مووی کیمروں کے ذریعے عکس بند کر لیا جاتا ہے۔ پھر جب بھی کسی کا جی چاہتا ہے وہ کیسٹ چلا کر تقریب کی فلم دیکھ کر پرانی یادوں کو تازہ کر سکتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے

کہ تقریب کے وہ لمحات محفوظ ہوتے ہیں، جب وہ انجام دی جا رہی ہوتی ہے۔ اگر کوئی اس تقریب کی فلم دس بیس سال بعد دیکھے تو بعض اوقات اسے فلم میں ایسے لوگ بھی چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں جو عرصہ ہوا اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر وہ انھیں زندہ انسانوں کی طرح ملاحظہ کر رہا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح زمین کی بھی مووی بن رہی ہے اور یہ تا بہ ابد بنتی رہے گی۔ کل اگر روز حشر کوئی شخص اپنے کسی عمل سے انکار کرے گا تو زمین بچھا دی جائے گی۔ جب اس نے وہ عمل کیا تھا اور جب وہ خود کو برائی کے وہ اعمال کرتا دیکھ لے گا تو اس کی زبان گویا خاموش ہو جائے گی اور قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ لہذا ہمیں فکر کرنی چاہیے اور زمین کی گواہی کے سبب پکڑ میں آنے سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یعنی نیک کاموں کی رغبت اور برائی کے کاموں سے دوری اختیار کرنی چاہیے تاکہ کل یوم الحساب میں زمین جو گواہی دے وہ اچھے اور نیک اعمال کی ہو اور ہمیں نجات دلانے میں معاون ثابت ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمال و افعال کی ہمت و توفیق سے نوازے کہ ہم اچھے کام کریں تاکہ زمین کی گواہی ہمیں مجرم ثابت نہ کر دے اور ہم بوقت آخرت شرمندگی اور سزا سے بچ سکیں۔ آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## عرش کے سائے میں جگہ پانے والے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا:

”کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عظمت کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے؟ آج میں انھیں اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دوں گا اور آج کے دن میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس حدیث پاک میں ایسے افراد کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے۔ گو کہ مذکورہ حدیث کے متن میں براہ راست عرش کا ذکر نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظی ترجمہ یوں بنتا ہے ”میں اپنے سائے میں جگہ دوں گا جس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔“ علمائے کرام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس میں مجازاً عرش کا سایہ مراد ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب اور خصوصی منزلت کے حامل ہوں گے۔

مسلم شریف کی مذکورہ حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے قرب اور عنایت سے نوازنے کا تذکرہ فرمایا ہے وہ ایسے افراد ہیں جو آپس میں بہت محبت کرتے ہیں اور اس محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بہت سی احادیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خاطر لوگوں سے دوستی یا دشمنی رکھتے ہیں وہ بڑا اجر پانے والے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں ایک حدیث بیان کی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ اور میرے تعلق سے مل کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔“

اہل ایمان کی زندگی کے حوالے سے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ محض آپس کے تعلقات ہی کیا، زندگی کے تمام معاملات کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور اُس کے ارشادات ہیں۔ توحید پر ایمان اسی سبب سے ہے کہ زندگی کے لیے روشنی اور ہدایت صرف اسی ایک ذات الہی سے ممکن ہے اور جب ہم اپنی زندگی اور اس کے جملہ امور کو ذاتِ وحدہ لا شریک سے جوڑ لیں گے تو یقیناً دنیوی اور اخروی کامیابیاں ہمارا مقدر ہوں گی۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کے بندوں میں بعض وہ لوگ ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن اللہ کے نزدیک قیامت کے دن ان کا جو درجہ ہوگا اسے دیکھ کر نبی اور شہید بھی ان پر رشک کریں گے۔“ صحابہ نے پوچھا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں بتائیے وہ کون لوگ ہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں صرف اللہ کے واسطے محبت رکھتے ہیں۔ نہ ان کا آپس میں رشتہ ہے، نہ لین دین کا تعلق۔ قسم ہے اللہ کی، ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے جب دوسرے لوگ ڈر رہے ہوں گے تو انھیں ڈرنے ہوگا اور جب دوسرے لوگ غمگین ہوں گے تو انھیں غم نہ ہوگا۔“

بھلا اہل ایمان میں کون ہے جو ان انعامات و اکرام کی خواہش نہ رکھتا ہو، اللہ کی محبت اور قرب نہ چاہتا ہو۔ یقیناً ہر مسلمان کی تمنا اور خواہش یہی ہے کہ پروردگار اس پر انعام و اکرام کی برسات کر دے۔ اسے دنیا و آخرت میں سرخرو کر دے اور اپنی محبت اور قرب سے نواز دے۔ مذکورہ حدیث میں کتنی آسان سی بات بتا دی گئی کہ آپس کے جملہ امور کا مرکز اللہ کی ذات کو بنا لو۔ یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتائیے کہ جب میں اس کو کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رخی اختیار کر لو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور (جو مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رخی اختیار کر لو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔“

غرض یہ کہ دنیاوی مال و متاع اور اس سے محبت آخرت میں ناکامی و نامرادی پر منتج ہو گی۔ اللہ کی رضا کے لیے تو دنیا کو ٹھکرا کر اللہ سے لو لگانا ہی بنیادی ضرورت ہے اور جب تک دنیا میں رہنا ہے تو بس ایسے کہ ہر معاملے میں اللہ کی رضا ہی کو مقدم رکھا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے جملہ معاملات اپنی رضا کے مطابق انجام دینے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ نصیب کرے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ





## جنت کا حصول

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ - نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ

صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو۔“

پوچھا گیا کہ کون اے اللہ کے رسول؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے ایک کو ان کے بڑھاپے میں پایا پھر بھی وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔“

حدیث مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ مذکورہ حدیث پاک میں والدین کے خدمت گزار بندوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ بلاشبہ دنیا دار العمل ہے اور یہاں انسان جیسے اعمال انجام دے گا اسے آخرت میں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا۔ سورہ زلزال کی آیت ۷ اور ۸ میں ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ .

ترجمہ: ”تو جس نے ذرہ بھرنیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھربرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

جنت کا حصول ہر اہل ایمان کی خواہش ہے۔ اسی خواہش کی تکمیل کے لیے ایک راستہ پروردگارِ عالم نے والدین کی خدمت و اطاعت میں رکھ دیا ہے اور والدین کی خوشی و ناراضگی کو اپنی ذات کی خوشی اور ناراضگی قرار دیا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن

عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی  
 ناراضگی میں ہے۔“

نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
 فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کر دی ہے۔

احادیث مبارکہ کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے والدین کی اہمیت  
 اور قدر و منزلت بیان فرمائی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ اور ۲۴ میں ارشاد الہی  
 ہے:

”اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو  
 اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اگر اُن میں سے ایک یا دونوں  
 تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنھیں  
 جھڑکنا اور اُن سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجز و نیاز سے اُن کے آگے جھکے  
 رہو اور اُن کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں  
 (شفقت سے) پرورش کیا تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔“

خالق کائنات نے انسانی تخلیق کا ذریعہ والدین ہی کو بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ  
 والدین کی عظمت و بزرگی اور اطاعت کا بھی نہ صرف حکم دیا ہے بلکہ اس فرماں برداری کو  
 پسند بھی فرمایا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت  
 ہے۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کون سا کام زیادہ  
 پسندیدہ ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وقت پر نماز ادا کرنا“ میں نے پوچھا  
 پھر کون سا کام؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”والدین کے ساتھ بھلائی کرنا“ میں  
 نے کہا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔“

ایک حدیث مبارکہ میں والدین کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت  
 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں دریافت

کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی و ایذا رسانی، کسی بندے

کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔“

کتنے خوش نصیب اور قابل رشک ہیں وہ لوگ جن کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک ان کے درمیان ہے اور وہ خدمت و اطاعت کر کے جنت کے حصول کو ممکن بنا رہے ہیں۔ شعب الایمان بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

”کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ بندہ اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا

نافرمان ہو جاتا ہے اور اس کے والدین کا انتقال ہو جاتا ہے اور بات ہاتھ سے

نکل جاتی ہے۔ اب اگر وہ برابر ان کے لیے استغفار کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت سے اس کو فرمانبردار اولاد میں شمار کر دیتا ہے۔“

غرض یہ کہ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی کا

ذریعہ ہے، لہذا ہمیں والدین کی خدمت و اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے

حصول کو فوری ممکن بنانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے اور پھر ہاتھ ملنے کے سوا

کچھ باقی نہ رہے۔

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں والدین کی خدمت و اطاعت کی ہمت و توفیق عطا

فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

# عظیم مسلم شخصیت کی زندگی پر مستند کتابیں

ان کتابوں کے بغیر آپ کی لائبریری نامکمل ہے!

محمد حسین ہیکل

محمد رضی الاسلام ندوی

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

نوید احمد ربانی

کامران اعظم سوہدروی

محمد حسین ہیکل

محمد حسین ہیکل

محمد حسین ہیکل

ڈاکٹر طہ حسین

حافظ ناصر محمود

حافظ ناصر محمود

حافظ ناصر محمود

کامران اعظم سوہدروی

کامران اعظم سوہدروی

راجہ طارق محمود نعمانی

راجہ طارق محمود نعمانی

راجہ طارق محمود نعمانی

علامہ شبلی نعمانی

مولانا عبدالسلام ندوی

حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حیات حضرت ابراہیم علیہ السلام

حیات حضرت خضر علیہ السلام

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام (مع قصہ یاجوج ماجوج)

حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سیرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمن جامی رضی اللہ عنہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

حضرت شمس تبریز رضی اللہ عنہ مع دیوان شمس تبریز

سوانح مولانا روم رضی اللہ عنہ

حضرت امام فخر الدین رازی رضی اللہ عنہ

نقیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بانڈنگ

ناشران: بک کارشوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ، جہانم پاکستان

## عظیم تاریخی شخصیات شاہکار سوانح عمریاں

ان کتابوں کو اپنی لائبریری کی زینت بنائیے!

حضرت عمرو بن العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>	(فاتح مصر)	ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن
حضرت خالد بن ولید <small>رضی اللہ عنہ</small>	(اللہ کی تلوار)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
محمد بن قاسم	(فاتح سندھ)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
طارق بن زیاد	(فاتح اُندلس)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
سلطان محمود غزنوی	(بت شکن)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
عماد الدین زنگی	(عظیم فاتح)	صادق حسین صدیقی سردھنوی
غازی علم الدین شہید <small>رضی اللہ عنہ</small>	(عاشق رسول <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> )	عبدالرشید عراقی
صلاح الدین ایوبی	(فاتح بیت المقدس)	ہیر لڈلیم / مترجم: محمد یوسف عباسی
امیر تیمور	(جس نے دنیا ہلا ڈالی)	ہیر لڈلیم / مترجم: محمد عنایت اللہ
چنگیز خان	(دہشت اور جنون کا نشان)	ہیر لڈلیم / مترجم: سید ذیشان نظامی
سقراط	(عظیم فلسفی)	کورامین / مترجم: آنسہ صبیحہ حسن
سکندر اعظم	(عظیم فاتح)	انجم سلطان شہباز
شیر شاہ سوری	(شیر دل بادشاہ)	انجم سلطان شہباز
سلطان محمد فاتح	(فاتح قسطنطنیہ)	ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صفوت
حیدر علی	(سلطنت خداداد کا بانی)	فریندر کرشن سنہا
خلیفہ ہارون الرشید	(پانچویں عباسی خلیفہ)	راجہ طارق محمود نعمانی
اورنگ زیب عالمگیر	(شہنشاہ مغلیہ سلطنت)	رکیس احمد جعفری
ابن خلدون	(مورخ، فقیہ، فلسفی اور سیاستدان)	ڈاکٹر طہ حسین
عمر خیام	(فارسی شاعر اور فلسفی)	سید سلیمان ندوی
امیر خسرو	(فارسی و ہندی شاعر، ماہر موسیقی)	سید صباح الدین عبدالرحمن

نقیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بانڈنگ

ناشران: بک کارنر شوروم بالقابل اقبال لائبریری کے بک سٹرڈیے، مہنامہ پاکستان

بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول اقوال، حکایات، واقعات پر مبنی

## زندگی سنوارنے والی سبق آموز کہتیاں

- قرآنی بکھرے موتی \_\_\_\_\_ مرتب: علی اصغر
- جنت کے حسین مناظر \_\_\_\_\_ مرتب: علی اصغر
- ذکر اللہ والوں کے \_\_\_\_\_ مرتب: محمد فیروز
- اقوال علی رضی اللہ عنہ کا انسائیکلو پیڈیا \_\_\_\_\_ مرتب: محمد مغفور الحق
- شیخ سعدی کی باتیں \_\_\_\_\_ مرتب: محمد مغفور الحق
- حکایات سعدی \_\_\_\_\_ شیخ سعدی شیرازی رضی اللہ عنہ
- حکایات رومی \_\_\_\_\_ مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ
- روحانی حکایات \_\_\_\_\_ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی رضی اللہ عنہ
- حکایات لقسمان (سوانح حیات مع حکایات و واقعات) \_\_\_\_\_ کامران اعظم سوہدروی
- سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انسائیکلو پیڈیا (کوئز بک) \_\_\_\_\_ مرتب: سید ذیشان نظامی
- فن تقریر (انعام یافتہ تقاریر) \_\_\_\_\_ پروفیسر نوید اے کیانی
- گفتگو تقریر ایک فن \_\_\_\_\_ ڈیل کارنیگی
- پریشان ہونا چھوڑیے جینا سیکھیے! \_\_\_\_\_ ڈیل کارنیگی
- پیٹھے بول میں جادو ہے \_\_\_\_\_ ڈیل کارنیگی
- کامیاب لوگوں کی دلچسپ باتیں \_\_\_\_\_ ڈیل کارنیگی
- 39 بڑے آدمی \_\_\_\_\_ ڈیل کارنیگی
- مانیں نہ مانیں \_\_\_\_\_ ڈیل کارنیگی
- موت کا منظر (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟) \_\_\_\_\_ خواجہ محمد اسلام
- کلیات اقبال رضی اللہ عنہ \_\_\_\_\_ علامہ محمد اقبال رضی اللہ عنہ
- مکالمات اقبال (علامہ اقبال کی زندگی کے سہرے واقعات) \_\_\_\_\_ پروفیسر سعید راشد علیگ
- تذکرہ اقبال \_\_\_\_\_ پروفیسر سعید راشد علیگ

ناشران: بک کارنر شہزادہ بالقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ بھٹانہ پاکستان

پریشانیوں سے نجات اور پرسکون اسلامی گھرانے کیلئے

## خوبصورت اور معیاری کتابیں

- ✽ اسلامی وظائف کا انسائیکلو پیڈیا ✽ پنجسورۃ شریف (ترجمہ و فضائل)
- ✽ روحانی عملیات و وظائف ✽ دنیاوی پریشانیوں کا روحانی علاج
- ✽ مجموعہ وظائف (عربی۔ اردو۔ انگلش) ✽ بزرگانِ دین کے وظائف
- ✽ قرآنی مستجاب دعائیں ✽ پیارے نبی ﷺ کی پیاری دعائیں
- ✽ دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعائیں ✽ نظامی کشکول عملیات
- ✽ بارہ ماہ کی نقلی عبادات ✽ دعائیں التجائیں
- ✽ سنی جنتری (اہل سنت کی پہلی جنتری) ✽ استخارہ کیسے کریں؟
- ✽ فضائل درود مستغاث (مترجم) ✽ قصیدہ بردہ شریف (ترجمہ و فضائل)
- ✽ جادو کا آسان علاج ✽ عہد نامہ (ترجمہ و فضائل)
- ✽ **میتھر حضور ﷺ** (معروف نعتیں) ✽ بہارِ مدینہ (معروف نعتیں)
- ✽ رُباعیاں دی بہار ✽ سوہنامہ دینے والا (پنجابی نعتیں)
- ✽ خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلو پیڈیا ✽ برجوں کا انسائیکلو پیڈیا
- ✽ اسلامی ناموں کا انسائیکلو پیڈیا ✽ اقوال زریں کا انسائیکلو پیڈیا
- ✽ یہ تیرے پر اسرار بندے (اولیائے کرام ﷺ کے پاکیزہ واقعات کا خزانہ)

نیشنل طباعت، اعلیٰ کاغذ خوبصورت سرورق اور مضبوط ہارڈنگ

ناشران: بکت کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بکت سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0323-5777931 موبائل 0544-614977, 621953

الشَّجَرَةُ النَّبَوِيَّةُ

صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

# شجرہ کاتبِ نبوی

## کی تاریخی دستاویز

جس میں امام الانبیا علیہ السلام کا شجرہ نسب اور آپ ﷺ کے عزیز واقارب کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں

تأليف: يوسف بن عبد البهادي مقدسي رحمة الله

تصحيف و تخریج: ابو ادیب محی الدین دیوبند

ترجمہ: نوید احمد ربانی نظر ثانی: پروفیسر سید امیر کھوکھر

## بنک کارنر

شوروم: بالقابل اقبال لائبریری کے بنک سٹرٹ سے منہم پاکستان

فون نمبر 0544-614977 سوہلہ 0323-5777931

پرنٹرز: پبلشرز: کمپیوٹرز: ڈیزائنرز: بنگلہ دیش: سید زینت الدین آردو سہیل انورز



حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جتنے نبی گزرے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو ایسے معجزات سے نوازا گیا جن کو دیکھ کر لوگ اُن پر ایمان لائے، مجھ کو جو معجزہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے وہ ﴿قرآن﴾ ہے۔ (اس کا اثر قیامت تک رہے گا) اس لئے مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت میرے پیروکار (دوسرے انبیائے کرام ﷺ کے فرمانبرداروں کی نسبت) زیادہ ہوں گے۔ (الحدیث)

اہم نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب فضائل القرآن کا پہلا اردو ترجمہ

# فَضَائِلُ الْقُرْآنِ

اردو ترجمہ

## مُعْجِزَةُ مُصْطَفَى ﷺ

تالیف:

أَهْلَةُ الْبُيُوتِ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَسَنُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ شَيْخِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَيِّدِ الْبَيْتِ النَّسَائِيِّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ

ترجمہ: نوید شمدبانی ذریعہ حقیقہ ترجمہ: علامہ مصطفیٰ ظہیر من پوری

نظر ثانی: مفتی وحید الدین شیخ الحدیث ابو عبد اللہ محمد اکرم جمیل

ناشران

### بک کارنر

شورہ: ہالقبلاں اقبال لائبریری بک سٹریٹ، جہانم پاکستان

فون نمبر: 0544-614977-0544-0323-5777931

پرنٹرز: پبلشرز۔ کمپوزرز۔ ڈیزائنرز۔ بک سٹریٹ، ہول سیلرز اینڈ ڈسٹریبیوٹرز آرڈر سپلائیرز

امام نسائی کی شہرہ آفاق کتاب

# فَضَائِلُ وَأَصْحَابُهُ

اردو ترجمہ

## مُصْطَفَا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ شَانِ صَحَابہٖ بِزَبَانِی

تالیف: امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: نوید احمد ربانی تحقیق و تخریج: علامہ غلام مصطفیٰ ظہیرین پوری

نظر ثانی: ابوصالح محمد سلیمان نورستانی (فاضل میرٹھ منورہ یونیورسٹی)

نقشہ طبعیت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائڈنگ

ناشران:

فون نمبر 0544-614977

فون نمبر 0544-621953

موبائل 0323-5777931

موبائل 0321-5440882

بک کارنر شوزروم بالمقابل اقبال لائبریری  
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

Join us on Facebook: [www.facebook.com/bookcornershowroom](http://www.facebook.com/bookcornershowroom)

امام ابو بکر اصغر بن عمرو بن ابی عامر شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکہ الاراء تصنیف

# کتاب الارباع

اردو ترجمہ

## سب سے پہلے

دنیا میں سب سے پہلے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا حسین نگار

ترجمہ: ابو صالح محمد سلیمان نورستانی

فوائد تحقیق و تخریج: نوید احمد ربانی

افادات: ڈاکٹر محمد بن ناصر عجمی

نقیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بانس ڈنگ

ناشران: بک کارز شوروہ بالقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہانم پاکستان

# دیوان امام بوسیری رحمۃ اللہ علیہ

شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوسیری رحمۃ اللہ علیہ

شاعر المدائح النبویة و مرآة عصره

مترجم

علاؤ حافظ محمد ذکاء اللہ سعیدی

(ایم اے علوم اسلامیہ، اردو، تاریخ، بی ایڈ)

مصر کے معروف صوفی شاعر امام بوسیریؒ نے سب سے پہلے نابھہ روزگار بنی تھے۔ ان کے دیوان کا ایک ایک شعر ان کی سحر بیانی وہ کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ کلام پڑھنے والا کسی ایک شعر کی مددگی میں ہی بھو جاتا ہے اور گھنٹوں اس کی چاشنی اپنی ذات میں محسوس کرتا رہتا ہے۔ قصیدہ بڑوہ شریف (عربی: قصیدة البردة) ایک ایسا شاعرانہ کلام ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی نعت، مدحت و ثناء خوانی پر مبنی ہے اور پوری اسلامی دنیا میں نہایت شہرت کا حامل ہے۔

ناشران

بک کارنر

شوروم: ہالقاہل اقبال لاہور سے بک کارنر ہے، ہانم پاکستان

فون نمبر: 0544-614977 سہلہ 0323-5777931

پرنٹرز: پبلشرز - کمپوزرز - ڈیزائنرز - بک سلیرز - ہول سلیرز اینڈ لائبریری آرڈر سپلائرز

مشہور و معروف قلم کار حافظ ناصر مودودی کی معرفت و تصوف پر شاہکار تصانیف

عاشق رسول ﷺ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات، واقعات، تعلیمات، اوصاف اور کمالات کا تذکرہ، جو اقلیم عشق کے امام، تاریخ فقر و عرفان میں یکتائے روزگار اور فنا فی الرسول ﷺ کے بلند مقام پر فائز ہو کر حیات جاوداں پا گئے

# حضرت اویس قرنی

عاشق رسول ﷺ

دوسری صدی ہجری کی شہرہ آفاق عارفہ کی سوانح حیات، واقعات، فرمودات، مناجات، تعلیمات، کرامات، اوصاف اور کمالات کا تذکرہ

# حضرت ابی بصیر

رابعۃ العدویۃ

نقیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائسڈنگ

ناشران: بک کارنر شوزوم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ، مہتمم پاکستان

ایک عظیم فلسفی و دانشور کے قلم سے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات اور  
فلسفہ و حکمت کی تفہیم کے لیے تشبیہات و تمثیلات کا بے مثال مجموعہ

# تشبیہات رومی

رحمۃ اللہ  
علیہ

قیمت:- 780 روپے

ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف تصنیف ”مثنوی“  
سے دلچسپ اور نصیحت آموز حکایات کا حسین انتخاب..... ایک نئے انداز میں!

# حکایات رومی

مع درسی حیات

قیمت:- 380 روپے

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

ناشران: بک کارنر شوروں بالمقابل اقبال لائبریری سے بک سٹرڈیو بہاولپور پاکستان

اَلْمُرْتَلَبِيسُ

# نبوت کے جھوٹے دعویدار



یعنی ان مشہور دجالوں کے حالاتِ زندگی جنہوں نے عہد رسالت سے لے کر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعوے کر کے ملتِ اسلامیہ میں رخنہ اندازیاں کیں اور اسلام کے حق میں مارہائے آستین ثابت ہوئے۔



تالیف: ابوالقاسم مولانا محمد رفیق دلاوری  
تصحیح و تنبیح: نوید احمد زبانی، تقدیم: پروفیسر سید امیر کھوکھر

نقیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائسنڈنگ

ناشران: بک کارنر شوزوم بالمقابل اقبال لائبریری کے بک سٹرٹ، مہتمم پاکستان

# قادیانیوں کی فتنہ

ادارہ بک کارز جہلم کے بانی و ناشر شاہد حیدر کی برسوں کی محنت

صفحات 704 قیمت -/600 روپے صرف

حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا سید امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا صاحب شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی	حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب مدظلہ العالی

## کتاب ایک نظر میں

☆ تاریخ مرزا ☆ مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں ☆ قادیانی مرتد پر قہر خداوندی ☆ مرزا قادیانی اور نبوت  
 ☆ مرزا قادیانی کی غلطیاں ☆ مرزا قادیانی کی کہانی مرزا اور مرزائیوں کی زبانی ☆ آئینہ قادیانیت  
 ☆ مسلمانوں کے مرزائیت سے نفرت کے اسباب اور مرزا قادیانی کے متضاد اقوال ☆ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت  
 ☆ ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے ☆ مرزائیت حضرت علامہ محمد اقبال رضی اللہ عنہ کی نظر میں  
 ☆ مرزائیوں سے چند سوال ☆ ختم نبوت کے تقاضے ☆ فتنہ قادیانیت اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں  
 ☆ قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا عطا کیا؟ ☆ مرزا غلام احمد سے مرزا ناصر احمد تک ☆ قرآن اور ختم نبوت  
 ☆ مرزا غلام احمد قادیانی کے تیس (۳۰) جھوٹے مسلمانوں اور قادیانیوں کے قبرستان پر سائنسی رپورٹ  
 ☆ مرزائیت کی اسلام دشمنی ☆ قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ☆ مرزا غلام احمد قادیانی کا عبرتناک انجام  
 ☆ اشتعال انگیز تحریریں ☆ قادیانی پیشگوئیوں کا انجام ☆ وزیراعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر

ناشران: بک کارز شروع بالقابل اقبال لاہور سے بک سٹریٹ سے بہار پاکستان





## اقبالیات کے موضوع پر خوبصورت اور معیاری کتابیں

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	کلیات اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
پہلی مرتبہ علامہ اقبال کے نایاب تصویری البم کے ساتھ	(آرٹ ہیپر، ڈیکس ایڈیشن)
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	بانگ درا
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	بال جبریل
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	ضرب کلیم
فرہنگ و شرح: حافظ حامد محمود	شرح شکوہ، جواب شکوہ
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال / مترجم: میر ولی الدین	فلسفہ عجم
"The Development of Metaphysics in Persia" کا سلیس اردو ترجمہ	خطبات اقبال (تلخیص)
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال / مترجم: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	"The Reconstruction of Religious Thought in Islam" کا سلیس اردو ترجمہ اور تلخیص
ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	فکر اقبال
پروفیسر عبدالمنفی	اقبال کا نظریہ خودی
پروفیسر سعید راشد علیگ	مکالمات اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> (سنہرے واقعات)
پروفیسر سعید راشد علیگ	تذکرہ اقبال <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> (مستند سوانح حیات)
مرتب: ابوالامامہ	علامہ اقبال کی باتیں
مرتب: ابوالامامہ	بچوں کا اقبال

نقشہ طبع و اشاعت، اعلیٰ کائنات، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائیں رنگ

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

Ph: 0544-614977-0321-5440882-0323-5777931

WWW.BOOKCORNER.COM.PK

بک کورنر



کتابوں کی دُنیا میں خوش آمدید!!!

## بک کارنر شوزروم

اب **facebook** پر!!

جہاں آپ کو ملیں

کتابوں سے متعلق

معلومات ..... اقتباسات ..... تبصرے

..... تجزیے ..... اور بہت کچھ!!

براہِ راست لنک:

[www.facebook.com/bookcornershowroom](http://www.facebook.com/bookcornershowroom)

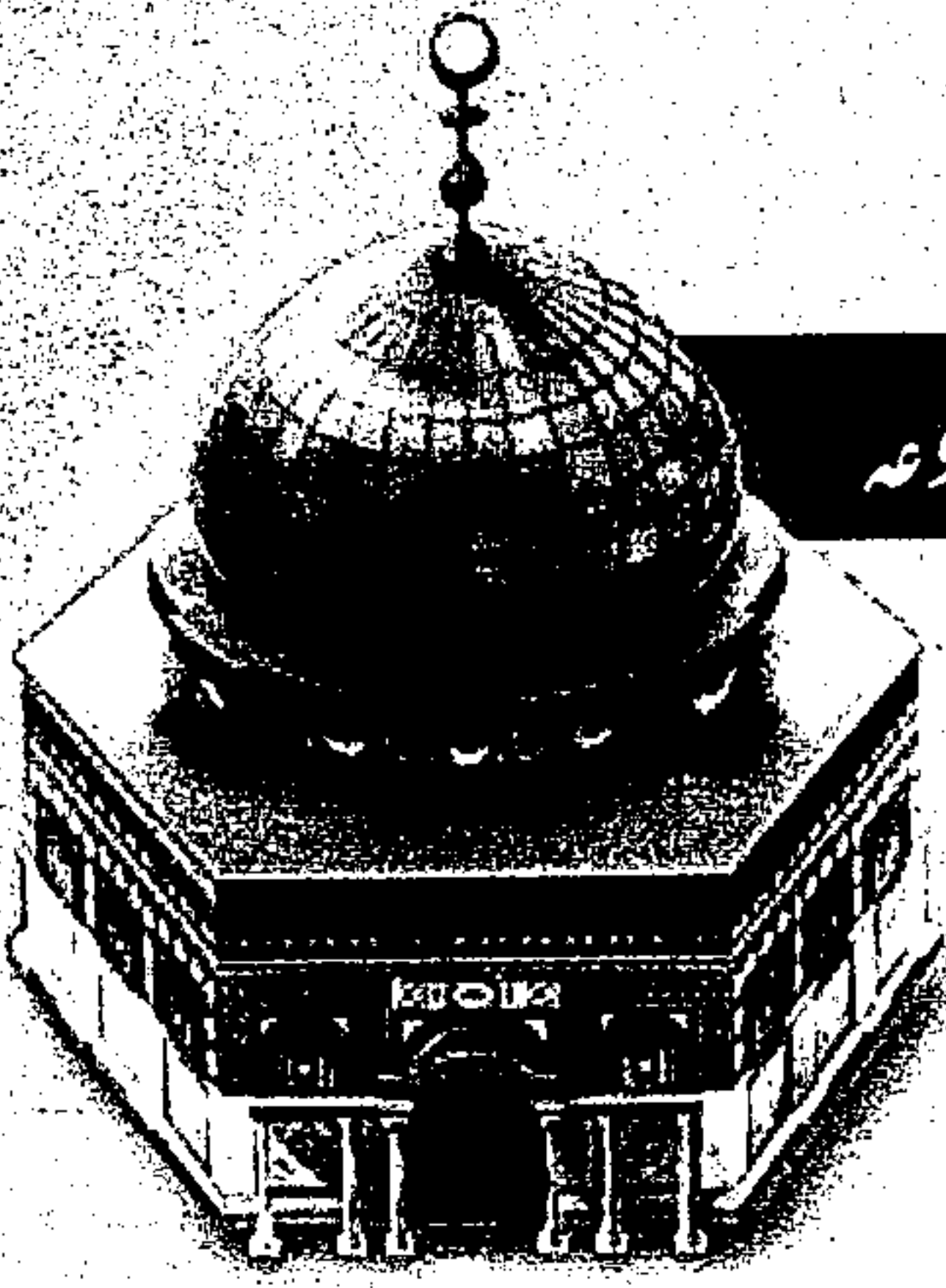
آج ہی ممبر بننے کے لیے پیج پر بنے بنیں



پر کلک کیجئے!

اور سینکڑوں ممبرز کی فہرست میں آپ بھی شامل ہو جائیے!!

ریڈیو پبلشر ہونے والی اسلامی تقاریر کا مجموعہ



# پکی کتابیں کئی لاکھ سالوں کی



پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام عادل